شبِ برأت کی فضیلت

بجواب

"شب برأت کیا ہے؟" مؤلفہ حبیب الرحمن صدیقی

تألیف

حضرت مولانا نعیم الدین صاحب مدظلہم

استاذ الحدیث جامعہ مدینہ کریم پارک

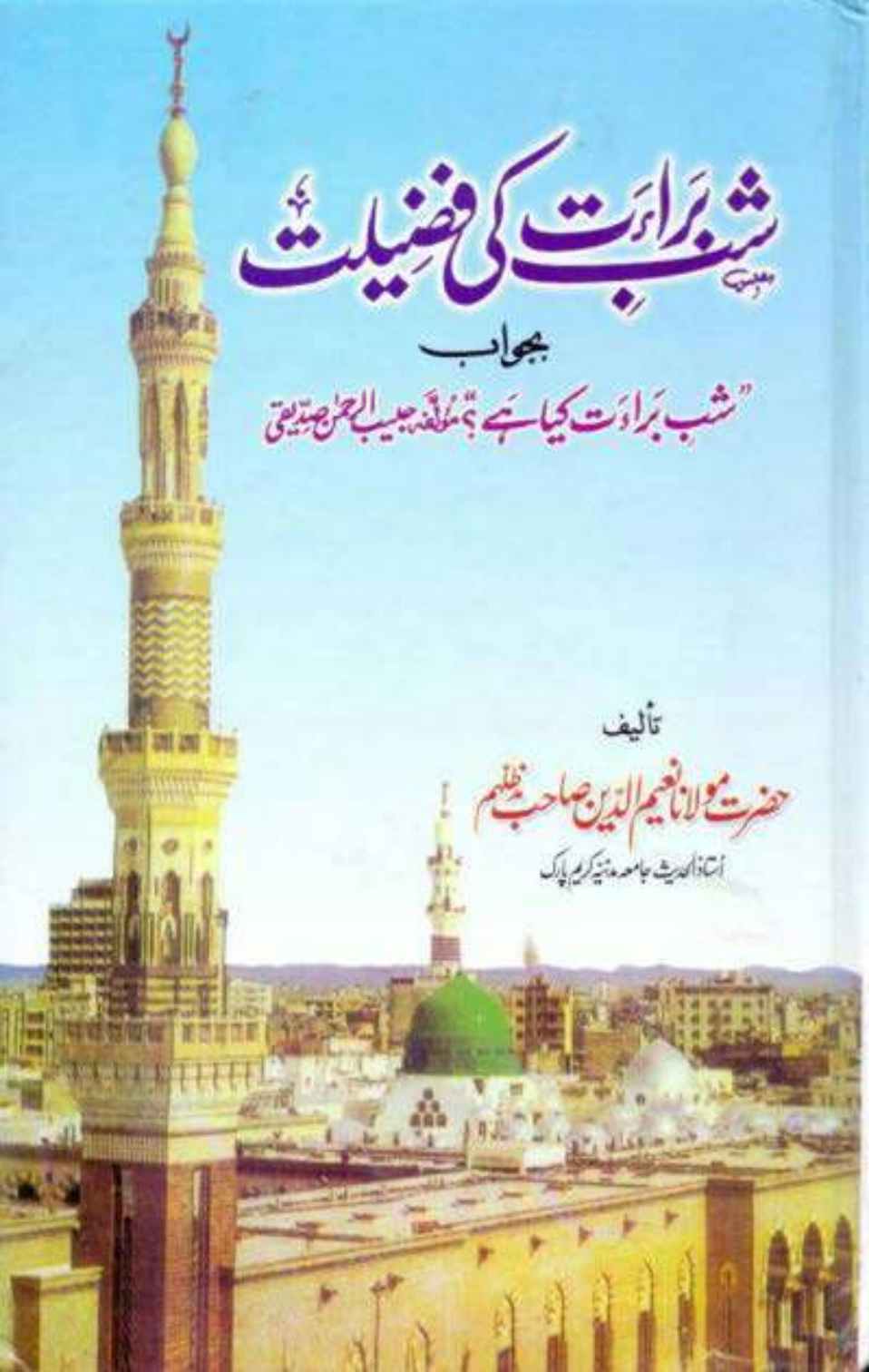

Telegram : t.me/pasbanehaq1

نام کتاب ——— شب برات کی فضیلت
مصنف ——— مولانا نعیم الدین
کل صفحات ——— ۱۹۲
طبع اول ——— جمادی الاولی ۱۴۱۶ھ / اکتوبر ۱۹۹۵ء
پریس ———
ناشر ——— مکتبہ قاسمیہ ۱۷ اردو بازار لاہور
تعداد ———
قیمت ———

Telegram : t.me/pasbanehaq1

فہرست مضامین

گزارشِ احوال۔ ۶

شبِ براءت کی فضیلت ۱۱

شبِ براءت۔ ۱۲

اس شب میں کیا ہوتا ہے۔؟ ۱۳

شبِ براءت میں اللہ تعالیٰ آسمانِ دنیا پر نزول فرماتے ہیں اور چند افراد کے سوا باقی سب کی مغفرت فرما دیتے ہیں۔ ۱۶

شبِ براءت میں اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کی طرف نظرِ رحمت فرماتے ہیں جس کی برکت سے سوائے چند افراد کے سب کی مغفرت ہو جاتی ہے۔ ۱۹

شبِ براءت میں ایک منادی کی ندا۔ ۲۴

شبِ براءت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم قبرستان تشریف لے گئے اور شب بیداری کی۔ ۲۵

شبِ براءت میں شب بیداری اور صبح روزہ رکھنے کا حکم۔ ۳۱

شبِ براءت سے متعلق احکام و مسائل۔ ۳۲

ایک شبہہ کا دفعیہ۔ ۳۵

ایک اعتراض اور اس کا جواب۔ ۳۵

حضرت مجدد الف ثانیؒ کا کشف۔ ۳۹

شبِ براءت میں نظرِ رحمت سے محروم رہنے والے لوگ۔ ″

شبِ براءت میں شب بیداری کیسے کی جائے؟ ۴۷

بعض کتابوں میں بزرگوں سے منقول خاص نوافل اور اعمال کی حقیقت۔ ۴۸

کیا شبِ براءت میں شب بیداری کے لیے ساری رات جاگنا ضروری ہے

Telegram : t.me/pasbanehaq1

اگر نہیں تو کس حصہ میں جاگنا زیادہ افضل ہے ؟	۴۹
شبِ بیداری کے لیے مساجد میں اکٹھا ہونا۔	۵۰
شبِ برات میں مسجد کے اندر شب بیداری سے متعلق حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمہ اللہ کا ارشاد۔	۵۳
شبِ برات میں کی جانے والی بدعات۔	۵۶
آتش بازی۔	۵۶
چراغاں۔	۵۷
حلوے مانڈے کی رسم۔	۵۸
"شب برات کیا ہے ؟" مؤلفہ حبیب الرحمٰن صدیقی کا جواب۔	۵۹
صدیقی صاحب کی شخصیت اور ان کے عقائد و نظریات۔	۶۱
برات کے تبرّی کے ہم معنیٰ ہونے کی بحث۔	۷۱
جواب۔	۷۲
لیلۂ مبارکہ کی بحث۔	۸۴
حضرت عکرمہؒ کے حالات اور اُن کی توثیق۔	۸۵
صدیقی صاحب کی دروغ گوئی۔	۸۹
صدیقی صاحب کا تضاد۔	۹۱
حضرت عثمان بن محمد بن مغیرہؒ کی روایت۔	۹۲
عبد اللہ بن صالح کی توثیق۔	۹۴
صدیقی صاحب کی دھوکہ دہی اور بہتان تراشی۔	۹۶
صدیقی صاحب کی جہالت۔	۱۰۱
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث۔	۱۰۲

Telegram : t.me/pasbanehaq1

صدیقی صاحب کی اصولِ حدیث سے جہالت۔	۱۰۵
صدیقی صاحب کا جھوٹ۔	۱۰۶
حجاج بن ارطاۃ کی توثیق۔	۱۰۷
صدیقی صاحب کی دھوکہ دہی۔	۱۱۸
صدیقی صاحب کا جھوٹ۔	۱۲۱
صدیقی صاحب کی خیانت۔	۱۲۲
حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی حدیث۔	۱۲۹
صدیقی صاحب کا حدیث شریف کے ساتھ استہزاء اور انکی جہالت۔	۱۲۹
صدیقی صاحب کی جہالت اور خیانت۔	۱۳۲
ابن لھیعہ کے حالات اور اُن کی توثیق۔	۱۳۵
منکر کا معنیٰ۔	۱۴۰
صدیقی صاحب کی جہالت۔	۱۴۵
حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی روایت۔	۱۴۵
صدیقی صاحب کی جہالت اور دھوکہ دہی۔	۱۴۶
صدیقی صاحب کی اصولِ حدیث سے جہالت۔	۱۵۵
صدیقی صاحب کی دروغ گوئی۔	۱۵۷
حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث۔	۱۶۰
صدیقی صاحب کی دروغ گوئی اور خیانت۔	۱۶۹
صدیقی صاحب کے بہتانات۔	۱۷۹
صدیقی صاحب کی شبِ برات سے متعلق بڑی کتاب کا تجزیہ۔	۱۸۲
صدیقی صاحب کی دھوکہ دہی۔	۱۸۲

Telegram : t.me/pasbanehaq1

گزارشِ احوال

آجکل دیکھنے میں آرہا ہے کہ صدیوں سے طے شدہ مسائل اور اسلاف سے منقول و متوارث اعمال میں اپنے ذہنی کرنا اور اپنی خود ساختہ تحقیق کی بنیاد پر ان مسائل و اعمال کی اہمیت کو ختم کرنا ایک فیشن بن گیا ہے، جس کا نتیجہ یہ نکل رہا ہے کہ عوام الناس صراطِ مستقیم سے قریب ہونے کے بجائے دور ہوتے جارہے ہیں، جدید دور کے جدید محققین کچھ ایسی تحریرات سامنے لارہے ہیں جو ایمان و یقین میں اضافہ کا موجب بننے کے بجائے ان میں تزلزل کا سبب بن رہی ہیں اور اُن سے صرف عوام ہی نہیں اچھے خاصے سمجھ دار اور دینی و مذہبی شعور رکھنے والے لوگ بھی متاثر ہو رہے ہیں۔

ان جدید محققین کے تختۂ مشق بننے والے مسائل میں سے ایک شب برات کی فضیلت کا مسئلہ بھی ہے، ہمارے اسلاف و اکابر ہمیشہ سے اس شب کی فضیلت اور اس میں شب بیداری و عبادت گزاری کے قائل و فاعل رہے ہیں، کبھی کسی نے اس شب کی فضیلت کا انکار نہیں کیا، اس لیے چاہیئے تو یہ تھا کہ اسلاف و اکابر کے نظریہ کے مطابق اس شب کی فضیلت کا اعتقاد رکھتے ہوئے اس میں شب بیداری و عبادت گزاری کو معمول بنایا جاتا، لیکن ہو یہ رہا ہے کہ بہت سے لوگ اس شب کی فضیلت کے منکر ہو گئے ہیں اور اس شب میں شب بیداری و عبادت گزاری کو بُرا سمجھنے لگے ہیں، اسی پر بس نہیں یہ لوگ تحریراً و تقریراً اپنے ساتھ دوسروں کی گمراہی کا بھی سبب بن رہے ہیں۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

اس صورت کے پیش نظر راقم الحروف نے ماہنامہ "انوار مدینہ" لاہور میں شب برات سے متعلق ایک مفصل و مدلل مضمون لکھا تھا جس میں کتاب و سنت کی روشنی میں اس شب کی شرعی حیثیت کو اجاگر کیا گیا تھا، بعد میں خیال ہوا کہ اس شب کی فضیلت کے خلاف لکھے جانے والے لٹریچر کا بھی جائزہ لینا چاہیئے تاکہ وہ عوام الناس کی گمراہی کا سبب نہ بنتے، اس سلسلہ میں احقر نے تگ و دو کی تو کراچی کے حبیب الرحمٰن صدیقی صاحب کی چھوٹی بڑی تصانیف سامنے آئیں "شب برات کیا ہے؟" اور "شب برات کی حقیقت"۔ ان دونوں تصانیف کا مطالعہ کیا تو معلوم ہوا کہ صدیقی صاحب نے ان میں انصاف کا خون کرتے ہوئے انتہائی دجل و تلبیس اور دھوکہ دہی سے کام لیا ہے اور ان تصانیف میں سوائے اس کے کہ فضائل اعمال میں وارد احادیث پر بلا جواز جرح کر کے ان کی اہمیت ختم کرنے کی ناکام کوشش کی ہے اور کچھ نہیں۔ حالانکہ فضائل اعمال میں وارد ہونے والی احادیث کی نوعیت احادیث احکام سے مختلف ہوتی ہے۔ اصولِ حدیث کی رو سے فضائل اعمال میں وارد احادیث کی اسناد میں تساہل سے کام لیا جاتا ہے اور ان کی زیادہ جانچ پرکھ نہیں کی جاتی، چنانچہ امام سخاوی شافعیؒ (م ۹۰۳ھ) فرماتے ہیں:

"امام بیہقیؒ نے "المدخل" میں اس کی بابت ابن مہدیؒ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ہم جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حلال و حرام اور احکام کے بارے میں کوئی حدیث روایت کرتے ہیں تو اسانید میں سختی سے کام لیتے ہیں اور رجال کی خوب جانچ پرکھ کرتے ہیں اور جب ہم فضائل اعمال میں اور ثواب و عقاب میں کوئی حدیث روایت کرتے ہیں تو اسانید میں نرمی اور رجال میں چشم پوشی سے کام لیتے ہیں" میمونیؒ کی روایت میں امام احمدؒ کے الفاظ اس طرح ہیں کہ زہد و رقاق کی حدیثیں تساہل کی محل ہیں حتیٰ کہ کوئی ایسی چیز آجائے جس میں کوئی حکم ہو۔"[1]

---

[1] فتح المغیث ج ۱ ص ۲۳۲

Telegram : t.me/pasbanehaq1

صدیقی صاحب اگر اصول حدیث کے اس ضابطے کو پیش نظر رکھتے تو انہیں شب برات کی فضیلت کے خلاف کتابیں لکھنے کی ضرورت ہی نہ پڑتی، کیونکہ شب برات کی فضیلت کے سلسلہ میں وارد احادیث ایک تو فضائلِ اعمال سے متعلق ہیں جن میں ویسے ہی تساہل و چشم پوشی جائز ہے، دوسرے وہ احادیث ایسی ہیں جن کے شواہد و متابع موجود ہیں اور ایسی احادیث فضائلِ اعمال تو معمولی بات ہے احکام میں بھی حجت ہوتی ہیں۔ تیسرے وہ احادیث شدید قسم کی ضعیف اور موضوع نہیں ہیں کہ ان سے استدلال صحیح نہ ہو بلکہ وہ حسن اور صحیح لغیرہ کے درجے کی ہیں جو بلا خلاف حجت ہوتی ہیں چوتھے شب برات میں شب بیداری اور عبادت گزاری اسلاف سے متوارث چلی آرہی ہے فقہاء نے باقاعدہ اس کے احکام لکھے ہیں، اور کسی عمل کا اسلاف سے متوارث چلے آنا خود اس عمل کے صحیح ہونے کی ایک دلیل ہے، اس صورت میں ہمیں صدیقی صاحب کی کتابوں کے جواب دینے کی ضرورت نہیں تھی، لیکن چونکہ یہ کتب عوام الناس کی گمراہی کا سبب بن رہی ہیں اس لیے ہم نے ان کا جواب دینا ضروری سمجھا،

ہماری یہ تحریر دو حصوں پر مشتمل ہے پہلے حصے میں شب برات کی فضیلت سے متعلق وہ مضمون ہے جو ماہنامہ انوار مدینہ میں "فضیلت کی راتیں" کے زیر عنوان چھپا تھا دوسرے حصے میں صدیقی صاحب کے رسالے شب برات کیا ہے؟ کا جواب ہے۔

یاد رہے کہ ہم نے اپنی اس تحریر میں صدیقی صاحب کے رسالے کا جواب لکھا ہے، جس کی پہلی وجہ تو یہ ہے کہ یہ بڑی کتاب کا خلاصہ ہے اور تمام ضروری باتیں اجمالاً اس میں آگئی ہیں دوسری وجہ یہ ہے کہ لوگ مختصر ہونے کی وجہ سے اسی کو زیادہ پڑھتے ہیں بڑی کتاب کی طرف التفات کم ہوتا ہے تیسری وجہ یہ ہے کہ بڑی کتاب کا جواب بھی ظاہر ہے کہ بڑا ہی ہوتا جو سبب بن سکتا تھا عدم التفات کا،

اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ کرتے ہوئے ہمیں پورا یقین ہے کہ قارئین اس

Telegram : t.me/pasbanehaq1

جواب کو پڑھ کر ضرور اس بات کا اندازہ لگا لیں گے کہ صدیقی صاحب نے اپنی کتابوں میں محض دجل و فریب اور دھوکہ دہی سے کام لیا ہے اور ان کی یہ جدید تحقیق حقیقتاً کوئی تحقیق نہیں تشکیک ہے۔ اور شب برات کی فضیلت سے متعلق انکا نظریہ اسلاف کے نظریہ سے متعارض و متصادم ہونے کی بناء پر گمراہ کن ہے، اس لیے ان کی کتابوں سے متاثر اور پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔

قارئین محترم: ہم نصیحت و خیر خواہی کے جذبہ سے انتہائی دیانت داری کے ساتھ یہ عرض کریں گے کہ صدیقی صاحب نے اپنی سب نئی کتابوں میں دجل و فریب اور دھوکہ دہی سے کام لیا ہے اس لیے عوام ان کے دام تزویر میں نہ آئیں گمراہی سے بچیں اور صراط مستقیم کو اپنائیں، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہماری اس جوابی تحریر کو اپنی بارگاہ میں شرف قبول عطا فرما کر اسے عوام الناس کی ہدایت اور ہماری نجات کا ذریعہ بنا دے۔ آمین بجاہ سید المرسلین سیدنا محمد و آلہ واصحابہ اجمعین۔

نعیم الدین

Telegram : t.me/pasbanehaq1

شب برات کی فضیلت

Telegram : t.me/pasbanehaq1

Telegram : t.me/pasbanehaq1

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ماہِ شعبان المعظم میں ایک رات آتی ہے جو بڑی فضیلت و بزرگی والی رات ہے جلیل القدر تابعی حضرت عطاء بن یسار رحمہ اللہ (متوفی ۱۰۳ھ) فرماتے ہیں۔

"مَا مِنْ لَيْلَةٍ بَعْدَ لَيْلَةِ الْقَدْرِ أَفْضَلُ مِنْ لَيْلَةِ نِصْفِ شَعْبَانَ" [1]

لیلۃ القدر کے بعد شعبان کی پندرھویں شب سے زیادہ کوئی رات افضل نہیں۔

اس رات کے کئی نام ہیں۔

(۱) لیلۃ المبارکہ : برکتوں والی رات۔

(۲) لیلۃ الرحمۃ : اللہ تعالیٰ کی رحمتِ خاصہ کے نزول کی رات۔

(۳) لیلۃ الصک : دستاویز والی رات۔

(۴) لیلۃ البراءۃ : دوزخ سے چھٹکارا ملنے اور بری ہونے کی رات۔

---

[1] لطائف المعارف لابن رجب الحنبلی ص ۱۴۵

Telegram : t.me/pasbanehaq1

عرفِ عام میں اسے شبِ برارت کہتے ہیں ۔ شب کے معنیٰ فارسی میں رات کے ہیں اور برارت عربی کا لفظ ہے جس کے معنیٰ بری ہونے اور نجات پانے کے ہیں، چونکہ اس رات رحمتِ خداوندی کے طفیل لاتعداد انسان دوزخ سے نجات پاتے ہیں اس لیے اس رات کو "شبِ برارت" کہتے ہیں، یہ شعبان کی پندرھویں شب ہوتی ہے، احادیثِ مبارکہ میں اس شب کی بڑی فضیلت اور خصوصیات ذکر کی گئی ہیں، پہلے ہم تفصیل سے وہ احادیث ذکر کرتے ہیں اس کے بعد جو احکام و مسائل ان احادیث سے مستنبط ہوتے ہیں وہ ذکر کیے جائیں گے، آج کل چونکہ شبِ برارت کی فضیلت میں وارد ہونے والی احادیث کے متعلق یہ گمراہ کن پروپیگنڈہ کیا جارہا ہے کہ "یہ احادیث سب کی سب یا تو موضوع و من گھڑت ہیں یا شدید قسم کی ضعیف ہیں" اس لیے ہم ان احادیث کی سندی حیثیت بھی تفصیل کے ساتھ حاشیہ میں ذکر کریں گے تاکہ اس گمراہ کن پروپیگنڈہ کی اچھی طرح سے قلعی کھل جائے اور ان لوگوں کو سادہ لوح عوام کے گمراہ کرنے کا موقعہ نہ ملے، لیجیے، پہلے وہ احادیث ملاحظہ فرمائیے۔

اس شب میں کیا ہوتا ہے؟

عَنْ عَائِشَةَ عَنِ	حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا
النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ	نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ	سے روایت فرماتی ہیں کہ آپ
هَلْ تَدْرِيْنَ مَا فِيْ	نے فرمایا کیا تمہیں معلوم ہے
هٰذِهِ اللَّيْلَةِ يَعْنِيْ	اس رات یعنی شعبان کی
لَيْلَةَ النِّصْفِ مِنْ	پندرھویں شب میں کیا ہوتا

Telegram : t.me/pasbanehaq1

شَعْبَانَ قَالَتْ مَا فِيْهَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ فِيْهَا اَنْ يُكْتَبُ كُلُّ مَوْلُوْدٍ بَنِيْ آدَمَ فِيْ هٰذِهِ السَّنَةِ وَ فِيْهَا اَنْ يُكْتَبَ كُلُّ هَالِكٍ مِّنْ بَنِيْ آدَمَ فِيْ هٰذِهِ السَّنَةِ وَفِيْهَا تُرْفَعُ اَعْمَالُهُمْ وَ فِيْهَا تُنْزَلُ اَرْزَاقُهُمْ [1]

(الحدیث)

ہے، انہوں نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا اس شب میں یہ ہوتا ہے کہ اس سال میں جتنے بھی پیدا ہونے والے ہیں وہ سب لکھ دیے جاتے ہیں اور جتنے اس سال مرنے والے ہیں وہ سب بھی اس رات میں لکھ دیے جاتے ہیں اور اس رات میں سب بندوں کے اعمال (سارے سال کے) اٹھائے جاتے ہیں اور اسی رات میں لوگوں کی مقررہ روزی اترتی ہے۔

عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ قَالَ اِذَا كَانَ لَيْلَةُ

حضرت عطاء بن یسار رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب شعبان کی پندرہویں شب ہوتی ہے تو خدا

---

[1] مشکوٰۃ، ص ۱۱۵

Telegram : t.me/pasbanehaq1

النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ
دُفِعَ اِلٰی مَلَكِ
الْمَوْتِ صَحِيْفَةٌ
فَيُقَالُ اقْبِضْ مَنْ
فِيْ هٰذِهِ الصَّحِيْفَةِ
فَاِنَّ الْعَبْدَ
لَيَغْرِسُ الْغَرَاسَ وَيَنْكِحُ
الْاَزْوَاجَ وَيَبْنِي
الْبُنْيَانَ وَاِنَّ
اسْمَهٗ قَدْ نُسِخَ
فِي الْمَوْتٰى ۔ [1]

کی طرف سے ایک فہرست
ملک الموت کو دی جاتی ہے
اور حکم دیا جاتا ہے کہ جن جن
لوگوں کا نام اس فہرست میں
درج ہے اُن کی روحوں کو
قبض کرنا ، کوئی بندہ تو باغوں
کے درخت لگا رہا ہوتا ہے
کوئی شادی کرتا ہوتا ہے کوئی
تعمیر میں مصروف ہوتا ہے
حالانکہ اس کا نام مُردوں کی
فہرست میں لکھا جا چکا ہوتا ہے

عَنْ عُثْمَانَ
بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ
الْمُغِيْرَةِ بْنِ الْاَخْنَسِ
قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
تُقْطَعُ الْاٰجَالُ مِنْ
شَعْبَانَ اِلٰى شَعْبَانَ

حضرت عثمان بن محمدؒ فرماتے
ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ
وسلم نے فرمایا کہ (ساکنانِ ارض
کی) عمریں ایک شعبان سے
دوسرے شعبان تک طے
کی جاتی ہیں یہاں تک کہ
انسان شادی بیاہ کرتا ہے اس

---

[1] لطائف المعارف، ص: ۱۲۸، ما ثبت بالسنۃ عربی اردو ص: ۳۵۳ طبع دار الاشاعت کراچی، مصنف عبد الرزاق، ج ۴، ص ۳۱۷

Telegram : t.me/pasbanehaq1

حَتّٰی اَنَّ الرَّجُلَ لَیَنْکِحُ وَ یُوْلَدُ لَہٗ وَقَدْ خَرَجَ اسْمُہٗ فِی الْمَوْتٰی" [1]

کے بچے پیدا ہوتے ہیں حالانکہ اس کا نام مردوں کی فہرست میں داخل ہو چکا ہوتا ہے۔

عَنْ رَاشِدِ بْنِ سَعْدٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ فِیْ لَیْلَۃِ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ یُوْحِی اللّٰہُ تَعَالٰی اِلٰی مَلَکِ الْمَوْتِ بِقَبْضِ کُلِّ نَفْسٍ یُرِیْدُ قَبْضَھَا فِیْ تِلْکَ السَّنَۃِ" [2]

حضرت راشد بن سعدؒ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شعبان کی پندرھویں شب کو اللہ تعالےٰ ان تمام روحوں کو قبض کرنے کی تفصیل ملک الموت کو بتا دیتے ہیں جو اس سال میں قبض کی جائیں گی۔

شبِ برات میں اللہ تعالیٰ آسمانِ دُنیا پر نزول فرماتے ہیں اور چند افراد کے سوا سب کی مغفرت فرما دیتے ہیں

عَنْ اَبِیْ بَکْرٍ

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ

---

[1] جامع البیان فی تفسیر القرآن للطبری ج ۲۵، ص ۶۵، الجامع لاحکام القرآن للقرطبی ج ۱۶ ص ۱۲۶، تفسیر القرآن العظیم لابن الکثیر ج ۴، ص ۱۳۷، وقال حدیث مرسل۔ شعب الایمان ج ۳، ص ۳۸۶

[2] اخرجہ الدینوری فی المجالسۃ وجواہر المعانی ج ۲۵، ص ۱۱۳

Telegram : t.me/pasbanehaq1

الصِّدِّيْقِ عَنِ النَّبِيِّ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
قَالَ يَنْزِلُ اللّٰهُ
اِلَى السَّمَآءِ الدُّنْيَا
لَيْلَةَ النِّصْفِ مِنْ
شَعْبَانَ فَيَغْفِرُ لِكُلِّ
شَيْءٍ اِلَّا رَجُلٌ
مُشْرِكٌ اَوْ رَجُلٌ فِيْ
قَلْبِهٖ شَحْنَآءُ [1]

عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ
وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ
آپ نے فرمایا اللہ تعالےٰ
نصف شعبان کی شب آسمانِ
دُنیا کی طرف نزولِ اجلال فرماتے
ہیں اور اس شب ہر کسی کی
مغفرت کر دی جاتی ہے سوائے
مشرک کے یا ایسے شخص کے
جس کے دل میں بغض ہو۔

عَنْ عَائِشَةَ
قَالَتْ فَقَدْتُ رَسُوْلَ
اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ لَيْلَةً فَخَرَجْتُ
فَاِذَا هُوَ بِالْبَقِيْعِ
فَقَالَ اَكُنْتِ
تَخَافِيْنَ اَنْ يَّحِيْفَ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا
فرماتی ہیں کہ ایک رات میں نے
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے
پاس نہ پایا تو میں آپ کی
جستجو میں نکلی، کیا دیکھتی ہوں
کہ آپ جنت البقیع میں تشریف
فرما ہیں۔ آپ نے فرمایا

---

[1] شعب الایمان للبیہقی ج ۳، ص ۳۸۰، شرح السنۃ للبغوی ج ۴ ص ۱۲۶۔ قال الہیثمی رواہ البزار وفیہ عبد الملک بن عبد الملک ذکرہ ابن ابی حاتم فی الجرح والتعدیل ولم یضعفہ وبقیۃ رجالہ ثقات، مجمع الزوائد ج ۸ ص ۶۵ قال المنذری فی ترغیبہ روی البزار والبیہقی من حدیث ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ بنحوہ باسناد لا باس بہ، الترغیب والترہیب ج ۳ ص ۴۵۹۔ قال الالبانی لا باس باسنادہ سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ ج ۳، ص ۱۳۷۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

اللّٰهُ عَلَيْكِ وَرَسُوْلُهٗ
قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ
ظَنَنْتُ اَنَّكَ
اَتَيْتَ بَعْضَ نِسَائِكَ
فَقَالَ اِنَّ اللّٰهَ
تَبَارَكَ وَتَعَالٰى
يَنْزِلُ لَيْلَةَ
النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ
اِلٰى سَمَآءِ الدُّنْيَا
فَيَغْفِرُ لِاَكْثَرَ
مِنْ عَدَدِ
شَعْرِ غَنَمِ
كَلْبٍ" [1]

(اے عائشہؓ) کیا تمہیں یہ
اندیشہ ہے کہ خدا اور رسول
تم پر زیادتی کر سکتے ہیں؟
میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم مجھے یہ خیال
ہوا کہ شاید آپ کسی دوسری بیبی
کے پاس تشریف لے گئے ہیں
آپ نے فرمایا بلاشبہہ اللہ تبارک
وتعالیٰ شعبان کی پندرھویں شب
آسمانِ دنیا کی طرف نزولِ اجلال
فرماتے ہیں اور بنو کلب کی
بکریوں کے بالوں کے برابر لوگوں
کی مغفرت فرما دیتے ہیں۔

---

[1] رواه الترمذی وقال حدیث عائشة لا نعرفه الا من هٰذا الوجه من حدیث الحجاج وسمعت محمدًا یضعف هذا الحدیث وقال یحیی بن ابی کثیر لم یسمع من عروة وقال محمد والحجاج لم یسمع من یحیی بن کثیر، ترمذی، ج۱، ص۱۵۶، ابن ماجہ ص۱۰۰، مسند احمد ج۶، ص۲۳۸، شعب الایمان للبیہقی ج۳ ص۳۷۹، فضائل الاوقات ص۱۳۰، مصنف ابن ابی شیبہ ج۲، ص۳۳۷، شرح السنۃ للبغوی ج۴ ص۱۲۶، منتخب مسند عبد بن حمید ص۲۳۷، مشکوٰۃ ص۱۱۲، قال الالبانی وجملة القول ان الحدیث بمجموع هذه الطرق صحیح بلا ریب والصحة تثبت

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

Telegram : t.me/pasbanehaq1

شبِ برات میں اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کی طرف نظرِ رحمت فرماتے ہیں جس کی برکت سے سوائے چند افراد کے سب کی مغفرت ہو جاتی ہے

عَنْ اَبِیْ مُوْسَی الْاَشْعَرِیِّ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰہَ لَیَطَّلِعُ فِیْ لَیْلَۃِ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ فَیَغْفِرُ لِجَمِیْعِ خَلْقِہٖ اِلَّا لِمُشْرِکٍ اَوْ مُشَاحِنٍ[1]

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ شعبان کی پندرہویں رات نظرِ رحمت فرما کر تمام مخلوق کی مغفرت فرما دیتے ہیں۔ سوائے مُشرک اور کینہ ور کے،

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) باقل منها عددا ما دامت سالمة من الضعف الشديد كما هو الشان فى هذا الحديث الخ سلسلة الاحاديث الصحيحة۔ ۳۵، ص ۳۶ البانی کہتے ہیں۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ یہ حدیث ان تمام طُرُق کے سبب بلاشک وشبہہ صحیح ہے اور صحتِ حدیث تو ان طُرُق سے بھی کم سے ثابت ہو جاتی ہے جب تک کہ وہ ضعفِ شدید سے سلامت رہے جیسا کہ اس حدیث کا معاملہ ہے (کہ اس کا ضعف شدید نہیں ہے، لہٰذا یہ تعدد طُرُق کی وجہ سے صحیح ہے)

[1] ابن ماجہ ص ۱۰۱، شعب الایمان للبیہقی ۳۵، ص ۳۸۲، فضائل الاوقات للبیہقی ص ۱۲۲، مشکوٰۃ ص ۱۱۵، قال الالبانی فی تحقیقہ المشکوٰۃ باسناد ضعیف، فیہ ابن لہیعۃ وھو

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

Telegram : t.me/pasbanehaq1

عَنْ مُعَاذِ بْنِ	حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ
جَبَلٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى	عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ	سے روایت کرتے ہیں کہ
يَطَّلِعُ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى	آپ نے فرمایا اللہ تبارک و
إِلَى خَلْقِهِ فِي لَيْلَةِ	تعالیٰ شعبان کی پندرہویں شب
النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ	اپنی مخلوق کی طرف نظرِ رحمت
فَيَغْفِرُ لِجَمِيعِ	فرما کر تمام مخلوق کی مغفرت
خَلْقِهِ إِلَّا لِمُشْرِكٍ	فرما دیتے ہیں سوائے مشرک
أَوْ مُشَاحِنٍ"۔ [1]	اور کینہ ور کے"

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) ضعیف وقد اضطرب فی اسنادہ وفیہ انقطاع ایضا لما نص علیہ المنذری لکن الحدیث قوی عندی لشواھدہ وقد ذکرتھا فی تعلیقی علی رسالۃ الاخ محمد نسیب الرفاعی فی ھذہ اللیلۃ، مشکوٰۃ محقق، ج ۱، ص ۲۰۹۔

[1] رواہ البیہقی فی فضائل الاوقات ص ۱۱۹، وقال محققہ عدنان عبد الرحمٰن اسنادہ حسن، ورواہ البیہقی فی شعب الایمان ج ۳، ص ۳۸۲ وقال وقد روینا ھذا من اوجہ وفی ذالک دلالۃ علی ان للحدیث اصلاً من حدیث مکحول، ورواہ ابن حبان فی صحیحہ (ج ۱۲، ص ۴۸۱) وقال محققہ شعیب الارنؤوط حدیث صحیح بشواھدہ رجالہ ثقات الا ان فیہ انقطاعا مکحول لم یلق مالک بن یخامر ورواہ الطبرانی فی معجمہ الکبیر ج ۲۰، ص ۹۱، وقال محققہ حمدی عبد المجید السلفی قال شیخنا فی تعلیقہ ←

Telegram : t.me/pasbanehaq1

عَنْ اَبِیْ ثَعْلَبَةَ	حضرت ابو ثعلبہ خشنی رضی اللہ
الْخُشَنِیِّ عَنِ النَّبِیِّ	عنہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم
صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ	سے روایت کرتے ہیں کہ
قَالَ اِذَا کَانَ	آپ نے فرمایا جب شعبان
لَیْلَةُ النِّصْفِ	کی پندرہویں شب ہوتی ہے
مِنْ شَعْبَانَ اِطَّلَعَ	تو خداوند عالم اپنی مخلوق پر
اللّٰہُ اِلٰی خَلْقِہٖ	نظر رحمت ڈال کر مسلمانوں
فَیَغْفِرُ لِلْمُؤْمِنِیْنَ	کی مغفرت فرما دیتے ہیں،
وَ یُمْلِیْ لِلْکَافِرِیْنَ	کافروں کو مہلت دیتے ہیں
وَ یَدَعُ اَھْلَ	اور کینہ وروں کو اُن کے کینہ
الْحِقْدِ بِحِقْدِھِمْ	کی وجہ سے چھوڑ دیتے ہیں
حَتّٰی یَدَعُوْہُ [1]	تاوقتیکہ وہ کینہ وری چھوڑ دیں

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) علی رسالۃ لیلۃ النصف من شعبان ص ۲، وھو حدیث صحیح لشواھدہ الکثیرۃ .... فھذہ الطرق الکثیرۃ لا یشک من وقف علیھا ان الحدیث صحیح لاسیما و بعض طرقہ حسن لذاتہ، کحدیث معاذ و ابی بکر رضی اللہ عنھما الخ قال الھیثمی رواہ الطبرانی فی الکبیر والاوسط ورجالھما ثقات. مجمع الزوائد ۸ ص ۶۵

[1] رواہ البیہقی فی فضائل الاوقات، ص ۱۲۱، وفی شعب الایمان ج ۳، ص ۳۸۱، وقال وھو ایضا بین مکحول وابی ثعلبۃ مرسل جید، ورواہ الطبرانی فی معجمہ الکبیر (ج ۲۲، ص ۸۴) وقال محققہ قال شیخنا فی ظلال الجنۃ (۱/۲۲۳)

Telegram : t.me/pasbanehaq1

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ "يَطَّلِعُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ اِلٰى خَلْقِهٖ لَيْلَةَ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ فَيَغْفِرُ لِعِبَادِهٖ اِلَّا لِاثْنَيْنِ مُشَاحِنٍ وَّ قَاتِلِ نَفْسٍ" [1]

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شعبان کی پندرھویں شب اللہ عزّ وجلّ اپنی مخلوق کی طرف نظرِ رحمت فرماتے ہوئے سوائے دو شخصوں کے باقی سب کی مغفرت فرما دیتے ہیں (۱) کینہ ور (۲) کسی کو ناحق قتل کرنیوالا۔

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) حدیث صحیح ورجاله ثقات غیر الاحوص بن حکیم فانه ضعیف الحفظ کما فی التقریب فلعله یستشهد به فیتقوی بحدیث معاذ وتقدم (۲۰/ ۲۱۵) وبشواهده المتقدمة وغیرها مما سبقت الاشارة الیه قلت ذکر تلك الشواهد شیخنا فی سلسلة الاحادیث الصحیحة (رقم ۱۱۴۴)

[1] مسند احمد ۲/ص ۱۷۶ وذکره الهیثمی وقال فیه ابن لهیعة وهو لیّن وبقیة رجاله وثقوا، مجمع الزوائد ۸/ص ۶۵ وذکر المنذری فی ترغیبه (ج ۳ ص ۴۶۰) وقال رواه احمد باسناد لین، قال الالبانی "وهذا اسناد لا بأس به فی المتابعات والشواهد قال الهیثمی وابن لهیعة لین الحدیث وبقیة رجاله وثقوا وقال الحافظ المنذری اسناده لین، ولکن تابعه رشدین بن سعد بن حیی به اخرجه ابن حیوة فی حدیثه فالحدیث حسن" سلسلة الاحادیث الصحیحة ج ۳، ص ۱۳۶۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ "اِذَا کَانَ لَیْلَةُ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ یَغْفِرُ اللّٰهُ لِعِبَادِهٖ اِلَّا لِمُشْرِكٍ اَوْ مُشَاحِنٍ" [1]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب شعبان کی پندرھویں شب ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ سوائے مشرک اور کینہ ور کے باقی سب کی مغفرت فرما دیتے ہیں۔

عَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ "یَطَّلِعُ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی عَلٰی خَلْقِهٖ لَیْلَةَ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ فَیَغْفِرُ لَهُمْ کُلَّهُمْ اِلَّا لِمُشْرِكٍ اَوْ مُشَاحِنٍ" [2]

حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شعبان کی پندرھویں شب اللہ تبارک و تعالیٰ اپنی مخلوق پر نظر رحمت فرماتے ہوئے سوائے مشرک اور کینہ ور کے باقی سب کی مغفرت فرما دیتے ہیں۔

---

[1] رواہ البزار، قال الهیثمی فیه هشام بن عبد الرحمٰن و لم اعرفه و بقیة رجاله ثقات مجمع الزوائد ج ۸، ص ۶۵۔

[2] رواہ البزار و قال الهیثمی فیه عبد الرحمٰن بن زیاد بن انعم و ثقه احمد بن صالح و ضعفه جمهور الائمة، و ابن لهیعة لین، و بقیة رجاله ثقات، مجمع الزوائد ج ۸ ص ۶۵۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

عَنْ كَثِيْرِ بْنِ مُرَّةَ الْحِضْرَمِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ لَيْلَةِ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ يَغْفِرُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ لِأَهْلِ الْأَرْضِ إِلَّا الْمُشْرِكَ وَالْمُشَاحِنَ" [1]

حضرت کثیر بن مرہ رحمہ اللہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روایت کرتے ہیں کہ (آپ نے فرمایا) شعبان کی پندرہویں شب اللہ عزوجل تمام اہل زمین کی مغفرت فرما دیتے ہیں سوائے مشرک اور کینہ ور کے۔

شب برات میں ایک منادی کی ندا

عَنْ عُثْمَانَ بْنِ أَبِي الْعَاصِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ "إِذَا كَانَ لَيْلَةُ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ نَادَى مُنَادٍ هَلْ مِنْ مُسْتَغْفِرٍ فَأَغْفِرَ لَهُ؟

حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جب شعبان کی پندرہویں شب ہوتی ہے تو (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) ایک پکارنے والا پکارتا ہے

---

[1] رواہ البیہقی فی شعب الایمان (ج ۳، ص ۳۸۱) وقال ھذا مرسل جید، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰، ص ۴۳۸، مصنف عبدالرزاق ج ۴، ص ۳۱۶۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

هَلْ مِنْ سَائِلٍ	کہ کیا کوئی مغفرت کا طالب
فَأُعْطِيَهُ ؟ فَلَا	ہے کہ میں اس کی مغفرت
يَسْأَلُ أَحَدٌ	کردوں کیا کوئی مانگنے والا
شَيْئًا إِلَّا أُعْطِيَ	ہے کہ میں اُس کو عطا کردوں
إِلَّا زَانِيَةٌ بِفَرْجِهَا	اس وقت خُدا سے جو مانگتا
أَوْ مُشْرِكٌ » [1]	ہے اس کو ملتا ہے سوائے
	بدکار عورت اور مُشرک کے۔

شبِ برات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم قبرستان تشریف لے گئے اور شب بیداری کی

قالت عائشة	حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا
دخل عَلَيَّ رسول	فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ
الله صلى الله عليه	علیہ وسلم میرے پاس تشریف
وسلم فوضع	لائے اور اپنے کپڑے اتارے
عنه ثوبيه ثم	تھوڑی دیر گزرنے نہ پائی تھی
لم يستتم ان	کہ آپ نے ان کو پھر پہن لیا
قام فلبسهما	مجھ کو یہ خیال آیا کہ آپ اپنی
فاخذتني غيرة	ازواجِ مطہرات میں سے کسی

---

[1] رواه البيهقي في فضائل الاوقات (ص ۱۲۵) وقال محققه عدنان عبد الرحمٰن اسناده حسن ورواه البيهقي في شعب الايمان، ج ۳، ص ۳۸۳۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

شديدةً فظننتُ	اور کے پاس جا رہے ہیں
انه يأتي بعض	اس لیے مجھے بہت غیرت
صويحباتي فخرجت	آئی، میں آپ کے پیچھے
اتبعه فادركته	پیچھے ہو لی، جا کر دیکھا تو آپ
بالبقيع، بقيع الغرقد	جنت البقیع میں مسلمان مردوں
يستغفر للمؤمنين	اور عورتوں کے لیے استغفار
والمؤمنات والشهداء	کر رہے ہیں میں نے دل میں
فقلت بابي وامي	کہا کہ آپ پر میرے ماں باپ
انتَ في حاجة ربك	قربان جائیں آپ خدا کے کام
وانا في حاجة	میں مصروف ہیں اور میں
الدنيا فانصرفتُ	دنیا کے کام میں، میں وہاں
فدخلتُ حجرتي	سے واپس اپنے حجرے میں چلی
ولي نفس عالٍ و	آئی (اس آنے جانے میں)
لحقني رسول الله	میرا سانس پھول گیا، اتنے میں
صلى الله عليه وسلم	حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام
فقال "ما هذا النفس	تشریف لے آئے اور دریافت
يا عائشة؟" فقالت	فرمایا یہ سانس کیوں پھول رہا
بابي وامي اتيتني	ہے میں نے عرض کیا آپ پر
فوضعتَ عنك ثوبيك	میرے ماں باپ قربان ہوں
ثم لم تستتم ان	آپ میرے پاس تشریف لائے
قمتَ فلبستهما فاخذتني	اور آپ نے جلدی سے دوبارہ

Telegram : t.me/pasbanehaq1

غيرة شديدة
ظننت انك تأتي
بعض صويحباتي
حتى رأيتك بالبقيع
تصنع ما تصنع
قال " يا عائشة
اكنت تخافين
ان يحيف الله
عليك ورسوله
بل اتاني جبريل
عليه السلام
فقال هذه الليلة
ليلة النصف
من شعبان
و لله فيها عتقاء
من النار بعدد
شعور غنم كلب
لا ينظر الله فيها
الى مشرك ولا الى
مشاحن ولا الى
قاطع رحم ولا الى

کپڑے پہن لیے، مجھ کو یہ خیال
کرکے سخت رشک ہوا کہ آپ
ازواج مطہرات میں کسی اور کے
پاس تشریف لے گئے ہیں
نوبت یہاں تک پہنچی کہ میں
نے آپ کو خود بقیع غرقد میں
جا دیکھا کہ آپ کیا کر رہے ہیں؟
آپ نے فرمایا، عائشہ کیا تمہارا
یہ خیال تھا کہ خدا اور خدا کا
رسول تمہارا حق ماریں گے؟
اصل بات یہ ہے کہ، جبریل
علیہ السلام میرے پاس تشریف
لائے اور فرمایا کہ یہ رات شعبان
کی پندرہویں رات ہے اور
خداوند عالم اس رات میں
بہت سے لوگوں کو دوزخ سے
آزاد کرتا ہے جو کہ قبیلۂ کلب
کی بکریوں کے بالوں سے بھی
زیادہ ہوتے ہیں، مگر اس میں
خدا تعالیٰ مشرکین، کینہ ور، رشتے
ناطے توڑنے والے، ازار ٹخنوں

Telegram : t.me/pasbanehaq1

مسبل ولا الی عاقٍ
لوالدیہ ولا الی
مدمن خمر، قال
ثم وضع عنہ ثوبیہ
فقال لی "یا عائشۃ
تأذنین لی فی قیام
ھذہ اللیلۃ" فقلت
نعم بابی وامی
فقام فسجد لیلاً
طویلاً حتی ظننت
انہ قبض فقمت
الٰتمسہ ووضعت
یدی علی
باطن قدمیہ فتحرك
ففرحت وسمعتہ
یقول فی سجودہ
"اعوذ بعفوك
من عقابك واعوذ
برضاك من سخطك
واعوذ بك منك جل
وجھك لا احصی ثناء

سے نیچے رکھنے والے،
ماں باپ کے نافرمان
اور شراب کے عادی لوگوں
کی طرف نظرِ رحمت نہیں فرماتے
اس کے بعد آپ نے فرمایا اے
عائشہ کیا تم مجھ کو اجازت دیتی
ہو کہ آج رات قیام کروں میں
نے کہا کہ بیشک آپ پر میرے
ماں باپ قربان ہوں، آپ نے
قیام کے بعد ایک طویل سجدہ
کیا یہاں تک کہ مجھ کو خیال ہوا
کہ آپ کی وفات ہو گئی۔
میں نے چھونے کا ارادہ کیا
اور آپ کے تلووں پر اپنا ہاتھ
رکھا تو کچھ حرکت معلوم ہوئی،
میں نے آپ کو سجدہ میں یہ دعا
مانگتے سنا "اَعُوْذُ بِعَفْوِكَ
مِنْ عِقَابِكَ وَاَعُوْذُ بِرِضَاكَ
مِنْ سَخَطِكَ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْكَ
جَلَّ وَجْهُكَ لَا اُحْصِیْ ثَنَاءً
عَلَیْكَ اَنْتَ كَمَا اَثْنَیْتَ عَلٰی

Telegram : t.me/pasbanehaq1

علیك انت كما اثنيت على نفسك" فلما اصبح ذكرتهن له فقال يا عائشة تعلمتهن؟ فقلت نعم فقال تعلميهن وعلميهن فان جبريل عليه السلام علمنيهن وامرني ان اردهن في السجود[1]

نَفْسِكَ" صبح کو میں نے آپ سے ذکر کیا تو آپ نے فرمایا کہ اے عائشہ تم اس دعا کو یاد کرو گی؟ میں نے عرض کیا کہ ضرور، آپ نے فرمایا کہ سیکھ لو، مجھ کو یہ کلمات جبریل علیہ السلام نے سکھائے ہیں اور کہا ہے کہ سجدہ میں ان کو بار بار پڑھا کرو۔

عَنِ الْعَلَاءِ بْنِ الْحَارِثِ اَنَّ عَائِشَةَ قَالَتْ قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ اللَّيْلِ يُصَلِّيْ فَاَطَالَ السُّجُوْدَ حَتّٰى ظَنَنْتُ اَنَّهٗ قَدْ قُبِضَ فَلَمَّا رَاَيْتُ ذَالِكَ قُمْتُ حَتّٰى حَرَّكْتُ اِبْهَامَهٗ

حضرت علاء بن حارث رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو اٹھے اور نماز پڑھنے لگے اور اتنے لمبے سجدے کیے کہ مجھے یہ خیال ہوا کہ آپ کی وفات ہو گئی ہے۔ میں نے جب یہ معاملہ دیکھا تو میں اٹھی اور

---

[1] رواه البيهقي في شعب الايمان (ج ۳، ص ۳۸۴)، وقال وهذا اسناد ضعيف وروي من وجه آخر

فَتَحَرَّكَ فَرَجَعْتُ
فَلَمَّا رَفَعَ اِلَيَّ
رَأْسَهُ مِنَ السُّجُوْدِ
وَفَرَغَ مِنْ صَلٰوتِهٖ
قَالَ يَا عَائِشَةُ
اَوْ يَا حُمَيْرَاءُ اَظَنَنْتِ
اَنَّ النَّبِيَّ قَدْ
خَاسَ بِكِ ، قُلْتُ
لَا وَاللّٰهِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ
وَلٰكِنِّيْ ظَنَنْتُ اَنَّكَ
قُبِضْتَ لِطُوْلِ سُجُوْدِكَ
فَقَالَ اَتَدْرِيْنَ
اَيَّ لَيْلَةٍ هٰذِهٖ؟
قُلْتُ اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ
اَعْلَمُ قَالَ هٰذِهٖ
لَيْلَةُ النِّصْفِ مِنْ
شَعْبَانَ اِنَّ اللّٰهَ
عَزَّ وَجَلَّ يَطَّلِعُ
عَلٰى عِبَادِهٖ
فِيْ لَيْلَةِ النِّصْفِ
مِنْ شَعْبَانَ

آپ کے پاؤں کے انگوٹھے
کو حرکت دی، اس میں
حرکت ہوئی، میں واپس
لوٹ آئی جب آپ صلی اللہ
علیہ وسلم نے سجدے سے
سر اٹھایا اور نماز سے فارغ
ہوئے تو فرمایا اے عائشہ
یا فرمایا اے حمیراء کیا تمہارا
یہ خیال ہے کہ (اللہ کا)
نبی تمہاری حق تلفی کرے گا
میں نے عرض کیا یا رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم بخدا ایسی
بات نہیں ہے، درحقیقت مجھے
یہ خیال ہوا کہ شاید آپ کی
وفات ہو گئی ہے کیونکہ آپ
نے سجدے بہت لمبے کیے
تھے۔ آپ نے فرمایا جانتی بھی
ہو یہ کونسی رات ہے؟ میں
نے عرض کیا اللہ اور اس
کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)
ہی زیادہ جانتے ہیں فرمایا

Telegram : t.me/pasbanehaq1

فَيَغْفِرُ لِلْمُسْتَغْفِرِيْنَ وَ يَرْحَمُ الْمُسْتَرْحِمِيْنَ وَ يُؤَخِّرُ اَهْلَ الْحِقْدِ كَمَا هُوَ" [1]

یہ شعبان کی پندرہویں شب ہے اللہ عزوجل اس رات اپنے بندوں پر نظرِ رحمت فرماتے ہیں بخشش چاہنے والوں کی مغفرت فرماتے ہیں طالبینِ رحم پر رحم فرماتے ہیں اور کینہ وروں کو انکی حالت ہی پر چھوڑ دیتے ہیں۔

شب برات میں شب بیدار ہی و صبح روزہ رکھنے کا حکم

عَنْ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا كَانَتْ لَيْلَةُ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ فَقُوْمُوْا لَيْلَهَا وَصُوْمُوْا نَهَارَهَا فَاِنَّ اللّٰهَ يَنْزِلُ فِيْهَا لِغُرُوْبِ الشَّمْسِ

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب شعبان کی پندرہویں شب آئے تو رات کو نماز پڑھو اور اگلے دن روزہ رکھو، کیونکہ غروبِ شمس سے لے کر صبح صادق کے طلوع ہونے تک اللہ تعالیٰ آسمانِ دنیا پر رہتے ہیں اور فرماتے

---

[1] رواہ البیہقی فی شعب الایمان وقال ھذا مرسل جید ۳۴۵، ص ۳۸۲

Telegram : t.me/pasbanehaq1

اِلیٰ سَمَآءِ الدُّنیَا فَیَقُوْلُ	ہیں "ہے کوئی مجھ سے بخشش
اَلَا مِنْ مُّسْتَغْفِرٍ لِّیْ	مانگنے والا کہ میں اسے بخش
فَاَغْفِرَ لَہٗ اَلَا	دوں ؟ ہے کوئی رزق طلب
مُسْتَرْزِقٌ فَاَرْزُقَہٗ	کرنے والا کہ میں اسے رزق
اَلَا مُبْتَلًی فَاُعَا	دے دوں ؟ ہے کوئی مصیبت
فِیَہٗ اَلَا کَذَا	زدہ کہ میں اسے مصیبت سے
اَلَا کَذَا حَتّٰی	نجات دوں ؟ ہے کوئی ایسا
یَطْلُعَ الْفَجْرُ [1]	ہے کوئی ویسا "

شبِ برات سے متعلق احکام و مسائل

نمبر ۱، مندرجہ بالا احادیث مبارکہ سے ثابت ہو رہا ہے کہ شبِ برات ایک انتہائی فضیلت و بزرگی والی رات ہے اس رات کے متعلق دس جلیل القدر صحابۂ کرام سے روایات منقول ہیں جن کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں۔

حضرت ابوبکرؓ، حضرت علی مرتضیٰؓ، حضرت عائشہ صدیقہؓ، حضرت معاذؓ بن جبل، حضرت ابوہریرہؓ، حضرت عوفؓ بن مالک، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ حضرت عبداللہؓ بن عمرو بن عاص، حضرت ابوثعلبہ خشنیؓ، حضرت عثمانؓ بن ابی العاص رضی اللہ عنہم، اُن کے علاوہ جلیل القدر تابعین سے بھی بہت سی روایات منقول ہیں۔ ہم نے یہ روایات نمبروار ذکر کر کے ان کے متعلق جو

---

[1] ابن ماجہ ص ۱۰۰، شعب الایمان للبیہقی ج ۳ ص ۳۷۸ فضائل الاوقات للبیہقی ص ۱۲۲ مشکوٰۃ ص ۱۱۵ کنز العمال ج ۱۲ ص ۲۱۳ الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۲۲۲

Telegram : t.me/pasbanehaq1

نقد وجرح محدثین نے کی ہے وہ حاشیہ میں ذکر کردی ہے، اس قدر کثیر روایات کی موجودگی میں بھی اگر کوئی اس شب کی فضیلت کا انکار کرتا ہے تو اس کا نصیب۔

؎ گر نہ بیند بروز شپرہ چشم　　چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

اہل سنت والجماعت ہمیشہ سے اس شب کی فضیلت و بزرگی کا اعتقاد رکھتے چلے آئے ہیں، چنانچہ علامہ ابن الحاج مالکی رحمہ اللہ (متوفی ۷۳۷ھ) شب برات کے متعلق اسلاف کا نظریہ لکھتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

"ولا شك انها	اور کوئی شک نہیں کہ یہ رات
ليلة مباركة عظيمة	بڑی بابرکت اور اللہ تعالیٰ
القدر عند الله	کے یہاں بڑی عظمت والی ہے
تعالىٰ ..... وكان	اور (ہمارے) اسلاف رضی اللہ
السلف رضى الله عنهم	عنہم اس کی بڑی تعظیم کرتے
يعظمونها ويشمرون	تھے اور اس کے آنے سے
لها قبل اتيانها	پہلے ہی اس کے لیے تیاری
فما تأتيهم	کرتے تھے، جب یہ رات آتی
الا وهم متاهبون	تھی تو وہ اس کی ملاقات اور
للقائها والقيام بحرمتها	اس کی حرمت و عظمت
على ما قد	بجالانے کے لیے مستعد ہوتے
علم من	تھے، کیونکہ یہ بات معلوم ہو
احترامهم للشعائر	چکی ہے کہ وہ شعائر اللہ کا بہت
على ما تقدم	احترام کرتے تھے جیسا کہ اس کا
ذكره"۔ [1]	ذکر گزر چکا۔

---

[1] المدخل ج ۱، ص ۲۹۲

Telegram : t.me/pasbanehaq1

یاد رہے کہ علامہ ابن الحاج رحمہ اللہ[1] کا یہ بیان کوئی معمولی حیثیت نہیں رکھتا، آپ یہ بیان اس کتاب میں دے رہے ہیں جو آپ نے خاص کر بدعات کی تردید میں لکھی ہے اس میں آپ شبِ برات کے متعلق اسلاف کا نظریہ اور طریقہ

---

[1] علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ (متوفی ۸۵۲ھ) آپ کے حالات میں لکھتے ہیں۔

"آپکا نام، نسب اس طرح ہے ابو عبداللہ محمد بن محمد بن محمد ابن الحاج العبدری آپ فاس کے رہنے والے ہیں وہیں آپ نے حدیث کی سماعت کی پھر مصر چلے آئے اور حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے، آپ نے حافظ تقی الدین جبیلا سعرودی سے موطا امام مالک کی سماعت کی اور آگے اسے نقل کیا۔ آپ نے شیخ ابو محمد بن ابی حمزہ الزیاتی کی صحبت اختیار کی نتیجۃً اُن کی برکات آپ میں لوٹ آئیں اور آپ مصر میں بزرگی اور مشیخت کے لحاظ سے مرجع خلائق بن گئے۔"

آپ کی کتاب "المدخل" کا تعارف کراتے ہوئے ابن حجرؒ رقمطراز ہیں۔

"وجمع کتابا سماہ المدخل	آپ نے ایک کتاب بھی لکھی جسکا نام المدخل رکھا۔ یہ
کثیر الفوائد کشف فیہ عن	کتاب بڑی فائدہ مند ہے اس میں آپ نے اُن برائیوں
معایب وبدع یفعلھا	اور بدعتوں کو کھول کھول کر بیان کیا ہے جن کا لوگ
ویتساھلون فیھا واکثرھا	ارتکاب کرتے ہیں اور جن میں لوگ مسامحت برتتے
مما ینکر وبعضھا	ہیں، ان میں اکثر منکرات ہیں اور بعض میں منکر
مما یحتمل"	ہونے کا احتمال ہے۔

جمادی الاولیٰ ۷۳۷ھ میں اسّی سال عمر پاکر آپکا (قاہرہ میں) انتقال ہوا آخیر عمر میں آپ دیکھنے اور چلنے پھرنے سے معذور ہوگئے تھے۔

ہمارے شیخ شمس الدین محمد بن علی بن غرغام بن سکر کو آپ سے اجازت حاصل تھی (الدرر الکامنۃ فی اعیان المائۃ الثامنۃ ج ۴، ص ۲۳۷۔)

Telegram : t.me/pasbanehaq1

ذکر کر رہے ہیں کہ ہمارے اسلاف اس رات کی تعظیم کرتے تھے اور اس کے آنے سے پہلے ہی اس کے لیے تیاری کرتے تھے۔

نمبر ۲، اس شب میں بڑے بڑے اُمور انجام پاتے ہیں، یعنی اس سال جتنے پیدا ہونے والے ہیں اُن کے نام لکھ دیے جاتے ہیں۔ ایسے ہی جنہوں نے مرنا ہے اُن کے نام بھی لکھ دیے جاتے ہیں۔ اس شب بندوں کے اعمال اٹھائے جاتے ہیں۔ یعنی بارگاہِ خداوندی میں پیش کیے جاتے ہیں۔ اس شب میں مخلوق کو جو اس سال رزق ملنا ہے وہ لکھ دیا جاتا ہے وغیرہ وغیرہ۔

ایک شبہہ کا دفعیہ یہاں ایک شبہہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ امور تو پہلے سے لوحِ محفوظ میں لکھے جا چکے ہیں پھر اس شب میں ان اُمور کے لکھے جانے کا کیا مطلب؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس شب مذکورہ کاموں کی فہرست لوحِ محفوظ سے علیحدہ کر کے ان فرشتوں کے سپرد کر دی جاتی ہے جن کے ذمہ یہ کام ہیں۔

ایک اعتراض اور اسکا جواب کچھ لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ شبِ برارت میں جن اُمور کی انجام دہی کا ذکر کیا گیا ہے وہ صحیح نہیں اوّلاً تو اس لیے کہ یہ قرآن کی آیت فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ (اس رات میں ہر ایک کام جو حکمت پر مبنی ہے تصفیہ پاتا ہے) کے خلاف ہے اس لیے کہ اس سے مُراد مفسرین نے لیلۃ القدر لی ہے۔ ثانیاً اس لیے کہ صحیح احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ ان امور کی انجام دہی لیلۃ القدر میں ہوتی ہے نہ کہ شبِ برارت میں اسی اعتراض کی بنا پر یہ لوگ شبِ برارت سے متعلق احادیث کا انکار کرتے ہیں۔ اس اعتراض کے مفسرین و محدثین نے بہت سے جواب دیے ہیں۔ یہاں ہم چند ایک ذکر کرتے ہیں۔ حضرت ملا علی قاری رحمہ اللہ متوفی (۱۰۱۴ھ)

Telegram : t.me/pasbanehaq1

تحریر فرماتے ہیں۔

" ولا نزاع فی	اس میں تو کوئی نزاع نہیں کہ
ان لیلة النصف	شعبان کی پندرھویں شب میں
من شعبان یقع	مذکورہ امور انجام پاتے ہیں
فیھا فرق کما	جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ
صرح بہ الحدیث	عنہا کی حدیث (۲۱) سے
وانما النزاع	صراحت ہو رہی ہے۔ البتہ
فی انھا المرادة	اس میں نزاع ہے کہ آیۃ
من الآیة والصواب	کریمہ (فِیْھَا یُفْرَقُ کُلُّ اَمْرٍ
انھا لیست مرادة	حَکِیْمٍ) سے شبِ برات
منھا، وحینئذ	مراد ہے یا نہیں، درست
یستفاد من	بات یہی ہے کہ اس آیت
الحدیث والآیة	سے شب برات مراد نہیں
وقوع ذالك الفرق	اس وقت آیت کریمہ اور حدیث
فی کل من	مبارک سے یہ مستفاد ہوگا
اللتین اعلا ما	کہ ان امور کی انجام دہی دونوں
بمزید شرفھما	راتوں ہی میں ہوتی ہے، ان
ویحتمل ان	دونوں راتوں کی مزید شرف و
یقع الفرق فی	بزرگی بتلانے کے لیے یہ احتمال
لیلة النصف	بھی ہے کہ پندرھویں شعبان
ما یصدر الی	میں ان امور کی انجام دہی کا

Telegram : t.me/pasbanehaq1

لیلة القدر ویحتمل ان یکون الفرق فی احداهما اجمالاً وفی الاُخریٰ تفصیلا او تخص احداهما بالامور الدنیویة والاخریٰ بالامور الاخرویة وغیر ذالك من الاحتمالات العقلیة"۔ [1]

فیصلہ ہوتا ہو جو لیلۃ القدر تک انجام پاتے ہیں۔ نیز یہ احتمال بھی ہے کہ ان امور کی انجام دہی ـــ ایک شب میں اجمالاً ہوتی ہو، دوسری شب میں تفصیلاً، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دونوں راتوں میں سے ایک کو اُمورِ دنیویہ کی انجام دہی کے ساتھ خاص کردیا جائے اور دوسری کو اُمورِ اخرویہ کی انجام دہی کے لیے خاص کیا جائے اس کے علاوہ اور احتمالاتِ عقلیہ بھی نکل سکتے ہیں۔

علامہ قرطبی مالکی رحمہ اللہ (متوفی ۶۷۱ھ) فرماتے ہیں

" وقیل یبدأ فی استنساخ ذالك من اللوح المحفوظ فی لیلة البراءة

ایک قول یہ ہے کہ ان اُمور کے لوحِ محفوظ سے نقل کرنے کا آغاز شبِ برأت سے ہوتا ہے اور

---

[1] مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح، ج ۳، ص ۱۹۵۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

ویقع الفراغ فی	اختتام لیلۃ القدر میں
لیلۃ القدر" [1]	ہوتا ہے۔

علامہ آلوسی حنفی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۷۰ھ) تحریر فرماتے ہیں۔

"وروی عن	حضرت عبداللہ بن عباس
ابن عباس	رضی اللہ عنہما سے مروی
رضی اللہ تعالیٰ	ہے کہ تمام اُمور کے فیصلے
عنہما تقضی	تو شبِ برات میں ہوتے
الاقضیۃ لیلۃ	ہیں اور جن فرشتوں نے
النصف من شعبان	ان اُمور کو انجام دینا ہے
وتسلم الی	ان کے سپرد رمضان کی
اربابہا لیلۃ السابع	ستائیسویں شب (لیلۃ القدر)
والعشرین من شہر	میں کیے جاتے ہیں۔
رمضان" [2]	

ان تصریحات کے بعد کسی قسم کا کوئی اعتراض باقی نہیں رہنا چاہیے، ہم چونکہ ظاہر بیں ہیں اس لیے ہمیں شک وشبہہ اور تردد پیش آتا رہتا ہے، لیکن بارگاہِ الٰہی کے مقرب صاحبِ کشف اہل اللہ اپنے نورِ باطن سے بہت کچھ دیکھ لیتے ہیں اس لیے اُنھیں کسی قسم کا شک وتردد نہیں رہتا۔ اس سلسلہ میں ہم حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کا ایک کشف ذکر کرتے ہیں جس سے مذکورہ احادیث کی صداقت کا اظہار ہوتا ہے۔

---

[1] الجامع لاحکام القرآن للقرطبی، ج ۱۶، ص ۱۲۸۔
[2] روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی، ج ۲۵، ص ۱۱۳۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ (متوفی ۱۰۳۴ھ) کا کشف

حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ حضرت خواجہ محمد ہاشم کشمی علیہ الرحمۃ تحریر فرماتے ہیں۔

"اسی طرح شعبان المعظم ۱۰۳۳ھ کی پندرہویں شب کو جب آپ حرم سرا میں تشریف لے گئے تو آپ کی اہلیہ صاحبہ کی زبان سے یہ جملہ نکل گیا کہ "اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ آج کس کا نام صفحۂ ہستی سے مٹا دیا گیا ہے۔ اور کس کا باقی رکھا گیا ہے" یہ سن کر حضرت مجدد الف ثانیؒ نے فرمایا کہ تم تو شک و شبہہ میں یہ بات کہہ رہی ہو لیکن اس شخص کی کیا حالت ہوگی جو بچشم خود دیکھتا ہو کہ اس کا نام صفحۂ ہستی سے مٹا دیا گیا ہے۔" [1]

(اس میں اپنی جانب اشارہ تھا)

نمبر ۳۔ شب برات میں اللہ تعالیٰ عام معمول سے ہبط کر مغرب کے بعد سے لے کر صبح صادق تک آسمانِ دنیا پر نزولِ اجلال فرماتے ہیں اور اپنی مخلوق پر نظرِ رحمت فرماتے ہوئے لاتعداد انسانوں کی مغفرت فرما دیتے ہیں۔ البتہ کچھ محروم القسمت لوگ ایسے ہیں جو اس شب میں بھی نظرِ رحمت سے محروم رہتے ہیں۔

شب برات میں نظرِ رحمت سے محروم رہنے والے لوگ

(۱) اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنیوالا۔

---

[1] زبدۃ المقامات ص ۲۸۵، یہ کتاب فارسی میں ہے ہم نے اس کا ترجمہ مولانا زوار حسین شاہ صاحبؒ کی کتاب حضرت مجدد الف ثانیؒ ص ۲۲۵ سے نقل کیا ہے۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

(۲) کینہ رکھنے والا۔

(۳) کسی انسان کو ناحق قتل کرنے والا۔

(۴) بدکار عورت۔

(۵) قطع رحمی کرنے والا یعنی رشتے ناطے توڑنے والا۔

(۶) تہبند، پاجامہ، ٹخنوں سے نیچے لٹکانے والا۔

(۷) والدین کا نافرمان۔

(۸) شراب خوری کی عادت رکھنے والا وغیرہ وغیرہ۔

ایسے لوگوں کو چاہیے کہ اپنے ان بُرے افعال سے جس قدر جلد ہو سکے توبہ کریں اور اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی کوشش کریں کیونکہ زندگی کا کوئی پتہ نہیں کب ختم ہو جائے۔

؎ ہو رہی ہے عمر مثلِ برف کم رفتہ رفتہ چپکے چپکے دم بدم
خدا کی یاد جوانی میں غافل کر لو ورنہ وقتِ فضیلت تمام ہوتا ہے

نمبر ۴، شبِ برات میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک منادی ندا کرتا ہے کہ ہے کوئی مغفرت کا طالب کہ میں اس کی مغفرت کر دوں؟ ہے کوئی سائل کہ میں اُس کا سوال پورا کر دوں؟ ہے کوئی رزق کا طالب کہ میں اسے رزق دے دوں؟ ہے کوئی مصیبت زدہ کہ میں اس کی مصیبت و تکلیف کو دور کر دوں؟ ویسے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ ندا ہر رات ہوتی ہے جیسا کہ دیگر احادیث[1] سے معلوم ہوتا ہے، لیکن شبِ برات اور عام راتوں میں یہ فرق ہے کہ عام راتوں میں یہ ندا آخری تہائی رات میں ہوتی ہے اور شبِ برات میں یہ ندا غروبِ آفتاب کے بعد ہی سے شروع ہو جاتی ہے، ہمیں چاہیے کہ اس رات کو غنیمت جان کر اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگیں۔ اللہ تعالیٰ

[1] دیکھیے بخاری شریف ج ۲ ص ۹۳۱

Telegram : t.me/pasbanehaq1

کے حضور میں اپنی جائز حاجات پیش کریں، اس سے رزقِ حلال طلب کریں اپنی مصیبت اور پریشانیوں کے دفعیہ کی دُعا کریں۔

شبِ جمعہ کی فضیلت میں یہ حدیث گزر چکی ہے کہ پانچ راتوں میں دُعا قبول ہوتی ہے اُن میں سے ایک شبِ برات ہے اس لیے اس رات خوب الحاح وزاری کے ساتھ قبولیت کا اعتقاد رکھتے ہوئے دُعا کریں ہماری اس سے بڑی اور کیا سعادت ہوگی کہ خود مولائے کریم فرمائیں کہ مانگو میں دینے کیلئے تیار ہوں۔

نمبر ۵، شبِ برات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی شب بیداری کی، دوسروں کو بھی شب بیداری کا حکم دیا اور نہ صرف حکم دیا بلکہ جاگنے کی فضیلت بھی بتلائی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

"مَنْ اَحْيَا اللَّيَالِيَ الْخَمْسَ وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ لَيْلَةَ التَّرْوِيَةِ وَلَيْلَةَ عَرَفَةَ وَلَيْلَةَ النَّحْرِ وَلَيْلَةَ الْفِطْرِ وَلَيْلَةَ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ" [1]

جس نے پانچ راتوں کو زندہ رکھا اس کے لیے جنّت واجب ہوگئی (۱) آٹھویں ذی الحجہ کی شب (۲) نویں ذی الحجہ کی شب (۳) عید الاضحیٰ کی رات (۴) عید الفطر کی رات (۵) پندرہویں شعبان کی رات۔

اسی لیے فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ شبِ برات میں قیام کرنا یعنی رات کو جاگ کر اللہ کی عبادت کرنا مستحب ہے چنانچہ علامہ ابن نجیم مصری حنفی رحمہ اللہ (متوفی ۹۷۰ھ) تحریر فرماتے ہیں۔

"وَمِنَ الْمَنْدُوبَاتِ اِحْيَاءُ لَيَالِي الْعَشْرِ" اور مستحبات میں سے ہے رمضان کی آخری دس راتوں

---

[1] الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۱۵۲

Telegram : t.me/pasbanehaq1

من رمضان وليلتي	میں عیدین کی راتوں میں،
العيدين وليالي	ذی الحجہ کی پہلی دس راتوں
عشر ذي الحجة	میں اور شعبان کی پندرہویں
وليلة النصف	رات میں شب بیداری کرنا
من شعبان كما	جیسا کہ احادیث میں آیا ہے
وردت به الاحاديث	یہ احادیث "ترغیب و
وذكرها في الترغيب	ترہیب" میں تفصیل سے
والترهيب مفصلة[1]	مذکور ہیں۔

علامہ علاء الدین الحصکفی حنفی رحمہ اللہ (متوفی ۱۰۸۸ھ) تحریر فرماتے ہیں۔

" ومن المندوبات	اور مستحبات میں سے ہے۔
ركعتا السفر	سفر میں جاتے وقت اور
والقدوم منه واحياء	واپس آکے دو رکعتیں پڑھنا
ليلة العيدين	اور عیدین کی رات میں،
والنصف من شعبان	شعبان کی پندرھویں شب
والعشر الاخير	میں، رمضان کے آخری عشرہ
من رمضان والاول	میں اور ذی الحجہ کے پہلے
من ذي الحجة"[2]	عشرہ میں شب بیداری کرنا

علامہ حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی حنفی رحمہ اللہ (متوفی ۱۰۶۹ھ) تحریر فرماتے ہیں

---

[1] البحر الرائق، ج ۲، ص ۵۲۔

[2] الدر المختار مع شرح رد المحتار، ج ۲، ص ۲۴، ۲۵۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

"(و) ندب احیاء	اور مستحب ہے شعبان کی
لیلۃ النصف	پندرہویں شب میں شب
من شعبان" الخ [1]	بیداری کرنا۔

مولانا عبد الحی لکھنوی رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۰۴ھ) تحریر فرماتے ہیں۔

" لا کلام فی	شب برات میں بیدار رہ
استحباب احیاء	کر مختلف قسم کی نفلی عبادات
لیلۃ البراءۃ	کے اندر مشغول رہنے کے
بما شاء من العبادات	مستحب ہونے میں کوئی کلام
و باداء التطوعات	نہیں ہے دلیل اس کی ابن ماجہ
فیھا کیف شاء	اور بیہقی کی شعب الایمان میں
لحدیث ابن ماجۃ	حضرت علی رضؓ سے مرفوعاً مروی
والبیھقی فی شعب	حدیث ہے اور اس سلسلہ
الایمان عن علی	میں دوسری احادیث بھی ہیں
مرفوعًا ..... وفی	جن کو بیہقی وغیرہ نے روایت
الباب احادیث	کیا ہے جیسا کہ ابن حجر مکی
اخر اخرجھا البیھقی	رحمہ اللہ نے الایضاح والبیان
وغیرہ علی ما	میں تفصیل سے بیان کیا ہے"
بسطھا ابن حجر المکی	یہ تمام احادیث اس بات پر
فی الایضاح والبیان	دلالت کرتی ہیں کہ نبی کریم

---

[1] نور الایضاح مع شرح وحاشیہ طحطاوی، ص ۳۲۵، طبع مصر۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

دالة على ان النبي
صلى الله عليه وسلم
اكثر في تلك
الليلة من العبادة
والدعاء وزار القبور
ودعا للاموات
فيعلم بمجموع
الاحاديث القولية
والفعلية استحباب
اكثار العبادة فيها
فالرجل مخير
بين الصلوٰة وغيرها
من العبادات فان
اختار الصلوٰة
فكمية اعداد
الركعات وكيفيتها
مفوضة اليه مالم يأت
بما منعه الشارع
صراحة او اشارة[1]

صلی اللہ علیہ وسلم اس
رات کو زیادہ سے زیادہ
عبادات اور دُعائیں فرماتے
تھے اور آپ نے زیارتِ
قبور بھی کی تھی اور مُردوں
کے لیے دُعا بھی کی تھی اور
ان تمام قولی و فعلی احادیث
سے یہ بھی معلوم ہوا کہ
اس شب زیادہ سے زیادہ
عبادت کرنا مستحب ہے،
ہر بندے کو اختیار ہے
چاہے نماز پڑھے یا کوئی
اور عبادت کرے، اگر وہ
نماز پڑھنے کو اختیار کرے
تو رکعتوں کی تعداد اور کیفیت
میں بھی اس کو اختیار ہے
درصورتیکہ کوئی ایسا کام نہ کرے
جس سے شارع علیہ السلام نے
صراحتاً یا اشارتاً منع کیا ہو۔

---

[1] آثار المرفوعة فی الاخبار الموضوعة، ص، ۷۳، ۷۴۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں۔

" اس شب میں بیدار رہ کر عبادت کرنا خواہ خلوت میں یا جلوت میں افضل ہے، لیکن اجتماع کا اہتمام نہ کیا جاوے"۔ [1]

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ رقمطراز ہیں۔

" ان احادیث سے جس طرح اس مبارک رات کے بیش بہا فضائل و برکات معلوم ہوئے اسی طرح یہ بھی معلوم ہوا کہ مسلمانوں کے لیے اس رات میں اعمال ذیل مسنون ہیں۔

(۱) رات کو جاگ کر نماز پڑھنا اور ذکر و تلاوت میں مشغول رہنا۔

(۲) اللہ تعالیٰ سے مغفرت اور عاقبت اور اپنے مقاصد دارین کی دعا مانگنا"۔ [2]

اکابر اہلِ سنّت کا ہمیشہ سے اس رات میں شب بیداری کا معمول رہا ہے، علامہ ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ (متوفی ۷۹۵ھ) تلمیذ علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں۔

" ولیلۃ النصف	اہل شام میں سے جلیل القدر
من شعبان کان	تابعین مثلاً حضرت خالد بن معدان[3]
التابعون من اھل	حضرت مکحولؒ، حضرت لقمان
الشام کخالد بن	بن عامرؒ وغیرہ شعبان کی

---

[1] زوال السنۃ عن اعمال السنۃ، ص ۱۷۔

[2] فضائل و احکام شبِ برات، ص ۸۔

[3] حضرت خالد بن معدان رحمہ اللہ اپنے وقت کے بہت بڑے محدث اور فقیہ تھے، ستر صحابہ کرام کی زیارت سے مشرف تھے، شہرت سے گھبراتے تھے، علم کی دولت کے ساتھ عمل کی دولت سے مالا مال تھے، دن بھر میں ستر ہزار تسبیح پڑھتے تھے، یزید بن عبد الملک کے دورِ حکومت میں ۱۰۳ھ میں وفات پائی۔

(باقی اگلے صفحہ پر)

Telegram : t.me/pasbanehaq1

لقمان بن عامر وغیرهم یعظمونها و یجتهدون فیها فی العبادة وعنهم اخذ الناس فضلها و تعظیمها" [1]

پندرہویں شب کی بڑی تعظیم کرتے تھے اور اس شب میں خوب مبالغہ کے ساتھ عبادت کرتے تھے انہی حضرات سے لوگوں نے شبِ برات کی فضیلت و بزرگی کو اخذ کیا ہے۔

ہمیں چاہیے کہ اخلاص کے ساتھ اس رات میں شب بیداری کریں اور خدا کو راضی کرنے کی کوشش کریں، جو لوگ اس رات کے قیام کو بدعت سمجھتے ہیں ان کے معاملہ کو خدا کے حوالے کر کے ان سے بچیں اور ہرگز ان کے پروپیگنڈہ کا شکار نہ ہوں، سوچنے کی بات ہے جو عمل خود حضور علیہ السلام سے ثابت ہو، اسلاف اس پر

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) حضرت مکحول شامی رحمہ اللہ اپنے وقت کے بہت بڑے حافظ الحدیث، فقیہ اور مجتہد تھے، بڑے بڑے علماء آپ کی جلالتِ علمی کے معترف تھے، آپ نے حضرت انس بن مالک، حضرت ابو ہند داری، حضرت واثلہ بن اسقع، حضرت ابو امامہ حضرت عبد الرحمٰن بن غنم، حضرت ابو جندل بن سہیل رضی اللہ عنہم سے براہِ راست احادیث کی سماعت کی ہے۔ آپ کے تلامذہ میں بڑے بڑے جلیل القدر علماء شامل ہیں۔ ۱۱۲ھ میں آپ کی وفات ہوئی ہے۔

حضرت لقمان بن عامر رحمہ اللہ، آپ حمص (شام) کے رہنے والے تھے، حضرت ابو درداء، حضرت ابو ہریرہ، حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہم سے آپ نے حدیث کی سماعت کی ہے ابن حبان نے آپ کو ثقات میں لکھا ہے۔

[1] لطائف المعارف، ص ۱۳۲۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

کاربند رہے ہوں۔ فقہائے کرام جسے مستحب قرار دے رہے ہوں وہ عمل بدعت ہو سکتا ہے؟ اگر ایسا عمل بھی بدعت ہے تو پھر سنّت و مستحب کونسا عمل ہوگا؟

ع بریں عقل و دانش بباید گریست

شب برات میں شب بیداری کیسے کی جائے؟

حضرت حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی حنفی (متوفی ۱۰۶۹ھ) رحمہ اللہ ارشاد فرماتے ہیں۔

"و معنی القیام	شب بیداری کا مطلب یہ
ان یکون مشتغلا	ہے کہ اس رات کے اکثر حصہ
معظم اللیل و قیل	میں اور ایک قول کے
بساعة منه یقرأ او یسمع	مطابق کچھ حصہ میں قرآن و
القرآن او الحدیث	حدیث کے پڑھنے یا سننے
او یسبح او یصلی	میں مشغول رہے یا تسبیح
علی النبی صلی اللہ	پڑھتا رہے، یا نبی علیہ الصلوٰۃ
علیه وسلم" [1]	والسلام پر درود بھیجتا رہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اس رات میں شب بیداری کے لیے کوئی خاص طریقہ اور کوئی خاص عبادت مقرر نہیں ہے، طبعی نشاط کے ساتھ جس طرح بھی خدا کو یاد کر سکیں کریں چاہے قرآن و حدیث کی تلاوت و سماعت میں مشغول رہیں چاہے تسبیح پڑھتے رہیں چاہے درود شریف پڑھتے رہیں چاہے نوافل پڑھتے رہیں۔ بہت سے بزرگوں کا معمول صلوٰۃ التسبیح پڑھنے کا ہے اگر ہو سکے تو صلوٰۃ التسبیح

---

[1] مراقی الفلاح مع ـــــ حاشیہ طحطاوی، ص ۳۲۶۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

پڑھ لیں اس کی احادیث میں بہت فضیلت آئی ہے۔

بعض کتابوں میں بزرگوں سے منقول خاص نوافل و اعمال کی حقیقت!

یہاں یہ بات بھی سمجھ لینی چاہیے کہ بعض کتابوں میں کچھ بزرگوں سے فضیلت کی راتوں میں جو خاص خاص قسم کے نوافل اور عملیات منقول ہیں ان کی کیا حقیقت ہے؟ کیونکہ بعض لوگ ان پر بڑے بھونڈے انداز میں اعتراض کرتے ہیں اور بعض لوگ ان کے معمولات کو اپنا کر عمل شروع کر دیتے ہیں، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے بزرگوں سے منقول نوافل وغیرہ کی حقیقت ظاہر فرمائی ہے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے ارشاد کو پیش کر دیا جائے۔

آپ فرماتے ہیں :-

"ایک بات یہ بھی سمجھنے کی ہے کہ یہ جو بعضی اوراد کی کتابوں میں پندرہویں شب ـــــ میں خاص نوافل پڑھنے کو لکھ دیا ہے یہ کوئی قید نہیں جو چیز شرعاً بے قید ہے اس کو بے قید ہی رکھو۔ حدیث میں نوافل کی کوئی قید نہیں آئی بلکہ جو عبادت آسان ہو وہ کر لو۔ اس میں نوافل بھی آ گئے اور وہ بھی کسی ہیئت کے ساتھ نہیں۔

باقی بزرگوں کے کلام میں جو خاص ہیئت کے نوافل کا ذکر آیا ہے اس کا سبب یہ ہے کہ کسی بزرگ نے کسی مرید کے لیے اس کی خاص حالت کے اقتضاء سے اس کو تجویز کیا ہوگا اور اس کے حق میں یہی مصلحت ہوگا۔ اب اس کو عام کر لینا یہ بدعت ہے۔ باقی بزرگوں کو برا نہ کہے" [1]

---

[1] حقیقت عبادت ص ۴۵۵

Telegram : t.me/pasbanehaq1

کیا شبِ برات میں شب بیداری کے لیے ساری رات جاگنا ضروری ہے اگر نہیں تو کس حصہ میں جاگنا زیادہ افضل ہے؟

اس سلسلہ میں حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

" اب بات قابلِ غور یہ ہے کہ کون سے حصۂ شب میں جاگنا زیادہ افضل ہے اس کا فیصلہ قرآن سے بھی ہوتا ہے اور حدیث سے بھی کیونکہ قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ اخیر شب میں جاگنا اشد ہے، چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں۔

اِنَّ نَاشِئَةَ	بے شک رات کے جاگنے
اللَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ	میں دل اور زبان کا خوب میل ہوتا
وَطْاً	ہے اور بات خوب ٹھیک نکلتی ہے

اور ناشئۃ اللیل سونے کے بعد متحقق ہوتا ہے (کذا فی الجلالین القیام بعد النوم) جب وہ اشد ہوا کیونکہ اس کے اختیار کرنے سے نفس پر مشقت کا اثر زیادہ ہوتا ہے تو وہی افضل ہوگا۔ آخر سورت سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ اشد ہے۔

چنانچہ فرماتے ہیں:

عَلِمَ اَنْ لَّنْ	اس کو معلوم ہے کہ تم ضبط
تُحْصُوْهُ	نہیں کر سکتے۔

اور عدمِ احصار آخرِ شب میں ہو سکتا ہے۔ یہ تو قرآن سے معلوم ہوا حدیث سے بھی اس کا افضل ہونا معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ آخرِ شب کی فضیلت میں بکثرت احادیث وارد ہیں اور قواعدِ عقلیہ بھی اس پر شاہد ہیں کیونکہ وہ وقت سونے کا ہے

Telegram : t.me/pasbanehaq1

اور سونا ترک کرنا مشکل ہے۔ اور ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص رات کو اُٹھ کر التجا کرتا ہے تو میں اس سے بہت خوش ہوتا ہوں۔ اس لیے کہ میری وجہ سے اپنی بیوی اور گرم بستر کو چھوڑ دیا۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اخیر حصہ رات کا افضل ہے۔ لیکن اگر کسی کو اس حصہ میں جاگنا دشوار ہو وہ اوّل ہی حصہ میں کچھ کرلے کیونکہ اور راتوں میں تو خدا تعالیٰ کا نزول اخیر شب میں ہوتا ہے اور اس رات میں اوّل ہی شب سے نزول ہو جاتا ہے اس لیے جن لوگوں کا اخیر شب میں عبادت کرنا دشوار ہو وہ اول ہی شب میں عبادت کر کے فضیلت حاصل کرلیں" [1]

شب بیداری کے لیے مساجد میں اکٹھا ہونا؟

اس رات میں شب بیداری کرنا چونکہ صرف ایک مستحب عمل ہے اس لیے بہتر یہ ہے کہ یہ عمل تنہا کیا جائے اس کیلئے مسجدوں میں ہرگز اجتماع نہ کیا جائے۔ فقہاء کرام نے فضیلت کی راتوں میں شب بیداری کے لیے مسجدوں میں اجتماع کو مکروہ لکھا ہے، چنانچہ علامہ ابن نجیم مصری حنفی رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

"و یکرہ الاجتماع علی احیاء لیلۃ من ھذہ اللیالی فی المساجد" [2]	فضیلت کی راتوں میں شب بیداری کے لیے مساجد میں اجتماع مکروہ ہے۔

علامہ حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی الحنفیؒ تحریر فرماتے ہیں۔

"و یکرہ الاجتماع	فضیلت کی راتوں میں (جن

---

[1] حقیقت عبادت ص ۲۶۶۔

[2] البحر الرائق ج ۲، ص ۵۲۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

على احياء ليلة	کا پیچھے ذکر گزر چکا ہے) شب
من هذه الليالى)	بیداری کے لیے اجتماع کرنا
المتقدم ذكرها فى	چاہے مسجدوں میں ہو یا
المساجد) وغيرها	کہیں اور بہر صورت مکروہ ہے
لانه لم يفعله	کیونکہ اس طرح نہ تو نبی
النبى صلى الله	علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کیا
عليه وسلم ولا	اور نہ آپ کے صحابہ نے،
اصحابه فانكره	اہلِ حجاز کے اکثر علماء جن میں
اكثر العلماء من	عطاء بن ابی رباحؒ اور ابن
اهل الحجاز منهم	ابی ملیکہؒ بھی شامل ہیں، نیز
عطاء وابن ابى مليكة و	فقہاء اہلِ مدینہ اور امام مالکؒ
فقهاء اهل المدينة واصحاب	کے اصحاب نے اس کا انکار
مالك وغيرهم وقالوا	کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ یہ
ذالك كله بدعة" [1]	بدعت ہے۔

علامہ ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ نے مساجد میں اجتماعی شب بیداری کے معاملہ میں اہلِ شام کے دو قول لکھے ہیں ایک استحباب کا اور دوسرا کراہت کا دوسرے قول کو آپ نے ترجیح دی ہے، چنانچہ آپ لکھتے ہیں:

" والثانى انه	دوسرا یہ کہ شبِ برات میں
يكره الاجتماع	مساجد کے اندر کسی خاص

---

[1] نور الایضاح مع شرح وحاشیہ الطحطاوی، ص ۳۲۶۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

فیھا فی المساجد	نماز، وعظ اور دعا
للصلوٰۃ والقصص	کے لیے اکٹھے ہونا مکروہ
والدعاء ولا یکرہ	ہے، البتہ اگر کوئی
ان یصلی الرجل	اکیلا اپنی نماز اس رات
فیھا لخاصۃ	مسجد میں پڑھے تو یہ
نفسہ وھذا	مکروہ نہیں ہے یہی
قول الاوزاعی	قول ہے امام اوزاعیؒ کا
امام اھل الشام	جو اہلِ شام کے امام
وفقیھھم وعالمھم	فقیہ اور عالم ہیں، اور
وھذا ھو الاقرب	یہی قول درستگی کے زیادہ
ان شاء اللہ تعالیٰ[1]	قریب ہے انشاء اللہ۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کا یہ قول پیچھے گزر چکا ہے کہ ــــ

"اس شب میں بیدار رہ کر عبادت کرنا خواہ خلوت میں یا جلوت میں افضل ہے لیکن اجتماع کا اہتمام نہ کیا جائے۔"

دوسری بات یہ بھی ہے کہ آج کل کے ایسے اجتماع منکرات سے خالی نہیں ہوتے لوگ مسجد میں شور و شغب اور لہو و لعب میں لگ کر آدابِ مسجد کو پامال کرتے ہیں اور نیکی برباد گناہ لازم کا مصداق بنتے ہیں اس لیے ان سے بچنا ہی بہتر ہے انتہائی افسوس کا مقام ہے کہ بہت سے پڑھے لکھے لوگ جو اپنے آپ کو اہلِ حق میں سے سمجھتے ہیں وہ بھی عوامی رَو میں بہہ کر ان راتوں میں اہلِ بدعت کی طرح بڑے اہتمام کے

---

[1] لطائف المعارف، ص ۲۴۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

ساتھ مساجد میں اجتماع کرتے ہیں، فالی اللہ المشتکیٰ۔

شبِ برات میں مسجد کے اندر شب بیداری سے متعلق حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمہ اللہ کا ارشاد

حضرت امیر حسن علاء سجزی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۷۳۷ھ)

تحریر فرماتے ہیں۔

"چہار شنبہ بست و پنجم ماہِ مذکور سعادت پائے بوسی حاصل شد، سخن در قرآن خواندن و قیامِ شب افتادہ بود و طائفہ کہ در مسجد قیام کنند، بندہ عرضداشت کرد کہ اگر در خانۂ خود قیام کنند چگونہ باشد؟ فرمود کہ در خانۂ خود یک سیپارہ بخواند بہتر کہ در مسجد ختم کنند" [1]	۲۵ شعبان المعظم بروز بدھ قدم بوسی کی سعادت حاصل ہوئی، شبِ برات میں قیام اور قرآن خوانی کے متعلق بات چل رہی تھی اور ان لوگوں کا بھی تذکرہ تھا جو اس شب میں مسجد میں قیام کرتے ہیں، بندہ نے عرض کیا کہ اگر لوگ گھروں میں قیام کریں تو کیسا ہے؟ فرمایا کوئی اپنے گھر میں صرف ایک سپارہ پڑھے یہ اس کے لیے مسجد میں پورا قرآن ختم کرنے سے بہتر ہے۔

---

[1] فوائد الفواد (فارسی ص۲۴)، طبع نولکشور ۱۳۲۲ھ

Telegram : t.me/pasbanehaq1

نمبر ۶، شبِ برات میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام قبرستان تشریف لے گئے اور مُردوں کے لیے دُعاءِ مغفرت فرمائی، اس لیے اس رات میں قبرستان جانا اور اموات کے لیے دعاءِ مغفرت کرنا مستحب ہے۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔

"وافضل ایام الزیارۃ اربعۃ یوم الاثنین والخمیس والجمعۃ والسبت .... وکذا فی اللیالی المتبرکۃ لا سیما لیلۃ البراءۃ"[1]	زیارتِ قبور کے افضل دن چار ہیں، پیر، جمعرات، جمعہ، ہفتہ، اسی طرح متبرک راتوں میں بھی زیارتِ قبور افضل ہے بالخصوص شبِ برات میں

حضرت تھانوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

"پندرہویں شب شعبان میں مُردوں کے لیے گورستان میں جاکر دعاء و استغفار کرنا مستحب ہے اور حدیث سے ثابت ہے۔"[2]

لیکن یاد رہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اکیلے قبرستان تشریف لے گئے تھے، اس لیے اکیلے جائیں، جتھے اور جماعت بنا کر نہ جائیں اور شریعت کے مطابق فاتحہ پڑھ کر واپس آجائیں اور صرف مرد جائیں عورتیں نہ جائیں، عورتوں کا قبرستان جانا جائز نہیں ہے اور مرد بھی اس شب قبرستان جانے کو فرض و واجب کی طرح ضروری نہ سمجھیں۔

---

[1] الفتاویٰ الہندیۃ ج ۵، ص ۳۵

[2] زوال السنۃ عن اعمال السنۃ، ص ۱۷

Telegram : t.me/pasbanehaq1

نمبر ۷، پندرھویں شعبان کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے روزہ رکھنے کا حکم دیا ہے اس لیے اس دن روزہ رکھنا مستحب ہے۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

"پندرھویں تاریخ شعبان کو روزہ رکھنا مستحب ہے"۔ [1]

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ شب برات کے اعمال مسنونہ ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"(۳) اس کی صبح کو یعنی پندرھویں تاریخ کو روزہ رکھنا"۔ [2]

حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں۔

"ماہ شعبان میں کسی تاریخ اور دن کا روزہ فرض اور واجب نہیں ہے اور تیرہ شعبان کے روزہ کی کوئی خاص فضیلت حدیث شریف سے ثابت نہیں ہے، البتہ یہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ شعبان کی پندرھویں شب کو بیدار رہ کر عبادت میں مشغول رہو اور پندرھویں تاریخ کا روزہ رکھو، پس پندرھویں تاریخ شعبان کا روزہ مستحب ہے، اگر کوئی رکھے تو ثواب ہے اور نہ رکھے تو کچھ حرج نہیں ہے" فقط۔ [3]

نواب قطب الدین صاحب تلمیذ رشید شاہ اسحٰق صاحب رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں۔

---

[1] زوال السنۃ عن اعمال السنۃ، ص ۱۷۔

[2] فضائل واحکام شب برات، ص ۸۔

[3] فتاویٰ دار العلوم دیوبند، ج ۶، ص ۵۰۰۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

"ایک بات اور، پورے سال میں مسنون روزوں کی تعداد اکیاون ہے تینتیس روزے تو یہی ہیں یعنی بحساب تین روزہ فی مہینہ، نو روزے ذی الحجہ کے مہینہ میں پہلی تاریخ سے نویں تاریخ تک، ایک دن یوم عاشورا کا، ایک دن عاشورا سے ایک دن پہلے یا ایک دن بعد کا ایک، ایک روزہ شعبان کی پندرہویں تاریخ کا اور چھ روزے شوال کے"۔ [1]

بہتر یہ ہے کہ شعبان کی ۱۳-۱۴، اور ۱۵ تینوں دن کے روزے رکھ لیے جائیں انہیں ایام بیض کہتے ہیں اور ان میں روزہ رکھنا سنت ہے۔

شب برات میں کی جانیوالی بدعات

شب برات میں یوں تو بہت سی بدعات و رسومات کی جاتی ہیں ہم یہاں صرف ان بدعات و رسومات کا ذکر کریں گے جو نہایت پابندی اور اہتمام کے ساتھ کی جاتی ہیں۔

آتش بازی

شب معراج کی طرح شب برات کے موقعہ پر بھی مسلمان لاکھوں روپے آتش بازی کی نذر کر دیتے ہیں۔ آتش بازی کی رسم میں ایک تو بے جا مال ضائع کیا جاتا ہے جو اسراف کی مد میں آتا ہے، شریعت نے اسراف کو ناجائز اور حرام قرار دیا ہے لہٰذا جو لوگ آتش بازی کرتے ہیں وہ اپنا مال بھی ضائع کرتے ہیں اور گناہ بھی سر مول لیتے ہیں۔ دوسرے آتش بازی اپنی جان اپنے بچوں اور پاس پڑوس کے لوگوں کی جان کے لیے خطرہ کا بھی سبب ہے، ہر سال اخبارات میں آتش بازی سے ہونے والے جانی و مالی نقصان کی خبریں چھپتی

---

[1] مظاہر حق جدید ج ۲، ص ۳۶۴۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

رہتی ہیں۔ انتہائی افسوس کا مقام ہے کہ اتنی مقدس رات میں لوگ کس بیکار مشغلہ میں اپنی جان و مال کو برباد کرتے ہیں، ہم سب کو چاہیے کہ خود بھی اس رسم بد سے بچیں اور اپنے بچوں کو بھی اس سے منع کریں، انہیں بتلائیں کہ اس سے خدا و رسول صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہوتے ہیں۔

چراغاں شب برات کے موقعہ پر لوگوں نے یہ دستور بنا لیا ہے کہ مسجدوں اور مکانات میں بہت زیادہ روشنی کا اہتمام کرتے ہیں، مسجدوں میں برقی لائٹیں لگاتے ہیں اور مکانوں کی چھتوں پر موم بتیاں جلاتے ہیں لوگوں کو سمجھنا چاہیے کہ یہ کفار کے ساتھ مشابہت اور ہندوؤں کی دیوالی کی نقل ہے جو سخت ناجائز اور حرام ہے اس رسم کی ابتداء برامکہ سے ہوئی ہے جو آتش پرست تھے، چنانچہ حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ اس رسم کے بارے میں لکھتے ہیں:-

"قال علی بن ابراهیم و اول حدوث الوقید من البرامکة وکانوا عبدة النار فلما اسلموا ادخلوا فی الاسلام" [1]	علی بن ابراہیم فرماتے ہیں کہ چراغاں اور روشنی کرنے کی ابتداء برامکہ سے ہوئی ہے یہ لوگ اصل میں آتش پرست تھے، جب یہ مسلمان ہوئے تو انہوں نے یہ رسم اسلام میں داخل کر دی۔

ہمیں چاہیے کہ اس فضول اور بیکار رسم سے خود بھی بچیں اور دوسروں کو

---

[1] ماثبت بالسنة مترجم، ص ۳۶۳

Telegram : t.me/pasbanehaq1

بھی اس سے بچائیں۔

حلوے مانڈے کی رسم مسلمانوں نے اس رسم کو بھی ایسا لازم کر لیا ہے کہ اس کے بغیر سمجھتے ہیں کہ شب برات ہی نہیں ہوتی، اس رات میں بجائے اس کے کہ ہماری عورتیں عبادات میں مشغول ہوں حلوے مانڈے کے چکر میں پڑی رہتی ہیں، اچھے اچھے کھانے پکاتی ہیں حلوہ و پنجیری بناتی ہیں اور باقاعدہ طور پر سینیوں میں سجا کر سسرال بھیجتی ہیں، اگر کوئی اس رسم سے بچے تو اُسے بُرا سمجھتی ہیں، حالانکہ اس شب میں ایسا کوئی کام شریعت سے ثابت نہیں لہٰذا ہمارے مرد و زن سب کو چاہیے کہ ان فضولیات ولغویات کو چھوڑ کر اس شب میں جو کرنے کے کام ہیں ان میں مشغول ہوں، اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

شبِ برات کیا ہے؟

مؤلفہ حبیب الرحمٰن صدیقی

کا جواب

Telegram : t.me/pasbanehaq1

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شبِ برات کی شرعی حیثیت اور فضیلت کے متعلق تفصیل ذکر کرنے کے بعد اب ہم چاہتے ہیں کہ اس شب کے بارے میں جو گمراہ کن پروپیگنڈہ کر کے سادہ لوح عوام کو بہکایا جا رہا ہے اس کا بھی کچھ مختصر سا جائزہ لیتے چلیں تاکہ عوام اس غلط اور گمراہ کن پروپیگنڈہ سے آگاہ ہو کر صحیح راہ کو اختیار کریں اور کسی بھی گمراہ کر کے کہنے میں نہ آئیں۔

اس وقت ہمارے پیشِ نظر "شب برات" کے خلاف کراچی کے حبیب الرحمٰن صدیقی صاحب کا ایک رسالہ ہے جس کا نام ہے "شبِ برات کیا ہے؟" ہم سمجھتے ہیں کہ اس سلسلہ میں یہی رسالہ اصل ہے باقی جس نے بھی شبِ برات کے خلاف لکھا ہے اُس نے اِسی سے متاثر ہو کر لکھا ہے اور اسی کی خوشہ چینی کی ہے اس لیے ہم نے بھی جواب کے لیے اِسی رسالہ کا انتخاب کیا ہے، ہم اس رسالے کے اُن مندرجات کا جواب دیں گے جو شبِ برات کے خلاف ہیں اِدھر اُدھر کی باتوں سے ہمیں کوئی سروکار نہ ہوگا، ہم کوشش کریں گے کہ جواب میں سنجیدگی اور متانت قائم رہے کیونکہ ہمارا مقصد عوام تک حق بات کا پہنچانا ہے کسی کی دِل آزاری مقصد نہیں، تاہم اگر ہمارا لب و لہجہ سخت معلوم ہو تو ہمیں اس میں معذور سمجھا جائے کیونکہ حبیب الرحمٰن صاحب نے اپنے رسالے میں جو زبان استعمال کی ہے اور جو انداز اپنایا ہے اس کے پیشِ نظر وہ اس سے بھی زیادہ کے مستحق ہیں۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

چمن میں تلخ نوائی مری گوارا کر
کہ زہر بھی کبھی کرتا ہے کارِ تریاقی

قبل اس کے کہ ہم اس رسالے کا جواب لکھنا شروع کریں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کے مصنف جناب حبیب الرحمٰن صاحب صدیقی کی شخصیت اور ان کے عقائد و نظریات کا کچھ تعارف کرا دیں تاکہ عوام کو ان کی شخصیت اور ان کے عقائد و نظریات معلوم ہونے کے بعد ان کی تحریرات کے متعلق فیصلہ کرنے میں آسانی ہو اور لوگوں کو پتہ چلے کہ جن صاحب کے یہ عقائد و نظریات ہیں ان کا شب برات کے خلاف لکھنا کوئی اچھنبے کی بات نہیں، اور نہ اس سے متاثر ہو کر پریشان ہونے کی ضرورت ہے،

صدیقی صاحب کے بارے میں جہاں تک ہمیں معلوم ہے وہ ایک بڑے اور علمی گھرانے کے فرد تھے خود عالم تھے، ان کے شروع دور کی تحریرات جاندار اور علمی ہوا کرتی تھیں، بعد میں جو اُن میں تغیر آیا اس کا کیا سبب بنا؟ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے سامنے سے جب مشہور منکرینِ حدیث تمنا عمادی، غلام احمد پرویز اور مشہور نامی محمود احمد عباسی وغیرہ کی تحریرات گزریں تو وہ اُن سے ـــ متاثر ہو گئے اور اپنے اکابر و اسلاف کی راہ کو چھوڑ کر ان غلط لوگوں کی راہ کو اپنا لیا اس طرح انکی عملی زندگی اور عقائد و نظریات میں تبدیلی آگئی،

موصوف کی عملی زندگی کے بارے میں ثقہ لوگوں کی روایت ہے کہ وہ اپنے والد کے نافرمان تھے اسی لیے ان کے والد اُن سے سخت ناراض تھے اور انہوں نے اُن سے لاتعلقی اختیار کر لی تھی، موصوف نماز بھی نہیں پڑھتے تھے، شاید اسی لیے وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فرمان "الصلوٰۃ عماد الدین" نماز دین کا ستون ہے ـــ کو ناقابلِ اعتبار سمجھتے ہیں[1]،

---

[1] ملاحظہ ہو مذہبی داستانیں ج ۱ ص ۴۱۷

Telegram : t.me/pasbanehaq1

موصوف متشرع و متدین بھی نہیں تھے،

صدیقی صاحب کے عقائد و نظریات جو ہم نے اُن کی تحریرات سے اخذ کئے ہیں، جن کی وہ تبلیغ کرتے تھے اور لوگوں کو دعوت دیتے تھے وہ درج ذیل ہیں موصوف

(۱) امت کے اجماعی عقیدے حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے منکر ہیں۔ [1]

(۲) حج کے بعد روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی نیت سے مدینہ منورہ جانے، روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رُخ کرکے دُعا مانگنے اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے طلب شفاعت کے منکر ہیں، اس سلسلہ میں ہم صدیقی صاحب کا ایک واقعہ درج کرتے ہیں، یہ واقعہ ذکر کرنے کو جی تو نہیں چاہتا صرف صدیقی صاحب کی ذہنیت دکھلانے کے لیے درج کر رہے ہیں۔

صدیقی صاحب لکھتے ہیں:

"میں جب عمرہ کے لیے مکہ پہنچا تو مدرسہ صولتیہ میں طعیش سے ملنے گیا اس نے فوراً سوال کیا، کیا مدینہ حضرت جی کی خدمت میں نہیں گئے، میں نے جواب دیا ابھی تو سب سے بڑے حضرت کے لیے مکہ آیا ہوں اگر وہ اجازت دے گا تو دیکھی جائے گی، اتفاق سے میرا اصل قیام جدہ میں تھا اور روزانہ شام کو مغرب کے وقت مکہ پہنچ جاتا اس طرح تقریباً ۲۵ یوم تک مکہ جاتا رہا پھر ایک روز ان حضرات نے جو مجھے لے کر گئے تھے مدینہ جانے کا ارادہ کر لیا۔ میں اس شرط کے

---

[1] ملاحظہ ہو مذہبی داستانیں ج ۴ ص ۲۸۵ تا ص ۲۹۵

Telegram : t.me/pasbanehaq1

ساتھ ان کے ساتھ گیا کہ مدینہ سے کل ہی واپس آجائیں گے اور یہ چالیس نمازوں والی کہانی پر کبھی عمل نہ کریں گے، دوسرے مسجد نبوی میں جو بھی دعا مانگیں گے قبلہ رُخ ہو کر اللہ سے مانگیں گے، قبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب دعا کے لیے ہاتھ نہ پھیلائیں گے۔ بیمار اس پر تصفیہ ہو گیا نتیجۃً میں مدینہ اس فیصلہ کے مطابق ایک روز کے لیے گیا، اور مولوی زکریا اگرچہ میرے خالہ زاد بھائی ہیں لیکن میں ان کے خیالات سے متفق نہ ہونے کے باعث ان سے نہیں ملا اور کراچی واپس چلا آیا، اگر میرے ساتھی مدینہ جانے پر مُصر نہ ہوتے تو میں کبھی مدینہ نہ جاتا کیونکہ صحابہ کرام مکہ سے فارغ ہو کر مدینہ نہ جاتے، اللہ مجھے معاف کرے"۔ [1]

(۳) وسیلے کے منکر ہیں۔ [2]

(۴) مطلقاً ایصالِ ثواب کے منکر ہیں اس سلسلہ میں انہوں نے ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام ہے "عقیدہ ایصالِ ثواب قرآن کی نظر میں"۔

یہ بھی ایک لطیفہ ہے کہ موصوف ایصالِ ثواب کے منکر ہیں لیکن جب ان کی اہلیہ کی وفات ہوئی تو اُن کی موجودگی میں ان کے گھر میں قرآن خوانی ہوتی رہی۔

(۵) حضرت امام مہدی کے ظہور کے منکر ہیں، اس مسئلہ پر ان کا ایک رسالہ ہے جس کا نام ہے "عقیدۂ ظہورِ مہدی"۔

(۶) حیاتِ عیسیٰؑ کے منکر ہیں۔ اس سلسلہ میں ان کی اپنی کوئی تحریر تو نظر سے نہیں گزری البتہ ان کی مجلسِ درسِ قرآن کے ایک حاضر باش اور اُن سے عقیدت رکھنے والے ایک شخص سے میری ملاقات ہوئی تھی وہ بڑی شدت کے

---

[1] مذہبی داستانیں ج ۴ ص ۲۸۷

[2] مذہبی داستانیں ج ۴ ص ۲۸۶

Telegram : t.me/pasbanehaq1

ساتھ اپنا اور اپنے استاذ صدیقی صاحب کا یہی عقیدہ و نظریہ بتاتا تھا،

(۷) حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہٗ کی خلافتِ راشدہ کے منکر ہیں، انہیں خلفاء راشدین میں سے نہیں مانتے۔ [1]

(۸) حضراتِ حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کی صحابیت کے منکر ہیں انہیں صحابی ماننے کے لیے تیار نہیں۔ [2]

(۹) تصوف کے بدترین مخالف ہیں اور صوفیاء کرام سے دلی بغض رکھتے ہیں۔ [3]

(۱۰) اعلیٰ درجہ کے ناصبی ہیں اہلبیت رضی اللہ عنہم سے خصوصی پرخاش رکھتے ہیں اسی لیے وہ ان تمام روایات کو جن میں سیدنا علی، سیدہ فاطمہ اور حضراتِ حسنین رضی اللہ عنہم کے فضائل و مناقب آئے ہیں بیک قلم غلط قرار دیتے ہیں۔ [4]

(۱۱) روافض کی طرح جلیل القدر محدثین و مؤرخین پر تبرا بازی کر کے ان کی عظمت کو داغ دار اور ان کی حیثیت کو مجروح کرتے ہیں۔

(۱۲) کتبِ احادیث میں آنے والی فضائل سے متعلق تمام روایات کو حتیٰ کہ خلفاء راشدین حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے بارے میں وارد فضائل کی احادیث کو بھی سخت مجروح قرار دیتے ہیں۔ [5]

---

[1] دیکھئے شب برات کیا ہے ص ۱۰۔

[2] مذہبی داستانیں ج ۱ ص ۲۸۷۔

[3] دیکھئے شب برات کیا ہے۔ مختلف صفحات۔

[4] مذہبی داستانیں جلد نمبر ۳، یہ پوری جلد اسی سلسلہ میں ہے۔

[5] مذہبی داستانیں ج ۴۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

(۱۳) اُن کا انداز بالکل منکرینِ حدیث جیسا ہے چنانچہ وہ صحیحین (بخاری و مسلم) کی عظمت دلوں سے نکالنے کے لیے اُن پر بے جا تنقید کرتے ہیں، انہوں نے "مسند امام احمد" جس میں تقریباً چالیس ہزار احادیث ہیں اس کی اہمیت کو ختم کرنے کے لیے اس کے خلاف مشہور منکرِ حدیث تمنا عمادی کا لمبا چوڑا مضمون اپنی کتاب مذہبی داستانیں جلد ۴ کا جزء بنایا ہے ان وجوہات کی بنا پر اگر یہ کہا جائے کہ صدیقی صاحب نے منکرین حدیث کی راہ اپنائی تھی تو اس میں کوئی مبالغہ نہیں ہوگا، اور اس راہ کو اپنا کر وہ دین کی جس بات پر بھی تنقید کریں اور جس چیز کی اہمیت کو گرائیں ان کے لیے معمولی سی بات ہوگی، شاید یہی وجہ ہے کہ صدیقی صاحب نے احادیث مبارکہ میں بیان کیے گئے عظیم واقعات، بہت سے اعمال پر دی گئی بشارات، اور اسلام کی عظیم شخصیات سے متعلق بیان کیے گئے فضائل و مناقب پر بیجا جرح کر کے انہیں مذہبی داستانوں کا نام دیا ہے اور "مذہبی داستانیں اور انکی حقیقت" کے نام سے چار جلدوں میں ایک کتاب لکھی ہے اور اس میں انتہائی دجل و فریب سے کام لے کر سادہ لوح عوام کو بہکانے کی کوشش کی ہے خدا کرے کوئی محقق عالم اس طرف توجہ کر کے صدیقی صاحب کے دجل و فریب سے پردہ اٹھا کر عوام کو گمراہی سے بچانے کا سامان پیدا کرے، ہم صدیقی صاحب کے جس رسالے کا جواب لکھ رہے ہیں انشاء اللہ العزیز اس سے صدیقی صاحب کی حقیقت کھل کر سامنے آجائے گی اور جس دجل و فریب سے وہ کام لیتے ہیں وہ طشت از بام ہو جائے گا، قارئین اس جواب کو پڑھ کر ضرور اندازہ کر لیں گے کہ جس شخص کا اتنے سے رسالے میں یہ حال ہے اُس نے بڑی کتابوں میں کیا کچھ نہ کیا ہوگا؟

Telegram : t.me/pasbanehaq1

صدیقی صاحب نے شبِ براءت کے خلاف جو رسالہ لکھا ہے اس کے ٹائٹل پر ان کا نام ان القابات کے ساتھ درج ہے "محققِ دوراں امام الحدیث والقرآن، علامہ قاری حبیب الرحمٰن صدیقی کاندھلوی" ان القابات کو پڑھ کر عام آدمی تو یہی سمجھے گا کہ صدیقی صاحب کوئی بڑے عالم ہیں اور ان کی تحریر یقیناً محققانہ ہوگی، لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے، صدیقی صاحب کے یہ القابات برعکس نہند نامِ زنگی کافور کا مصداق ہیں، معلوم نہیں ان کے چاہنے والوں نے انہیں یہ القابات ان کی زندگی میں دیئے تھے اور صدیقی صاحب کی نظر سے بھی گزرے تھے، یا مرنے کے بعد دیئے ہیں اور ان کی نظر سے نہیں گزرے کیونکہ ہمیں تو "امام الحدیث" اور "امام القرآن" کے القابات ہی سرے سے صحیح معلوم نہیں دیتے اس لیے کہ ان کا معنی بنتا ہے۔ حدیث اور قرآن کے امام۔ آپ خود سوچیے حدیث اور قرآن کے امام بننے کا کیا مطلب؟ کیونکہ امام کے معنی پیشوا اور مقتدیٰ کے آتے ہیں قرآن و حدیث تو خود ہمارے پیشوا ہیں۔ ان کے پیشوا بننے کا کیا مطلب؟ ہاں امام المحدثین اور امام المفسرین جیسے القاب یا شیخ الحدیث اور

اور شیخ التفسیر جیسے القاب یقیناً صحیح ہیں جن کا مطلب بالکل واضح ہے یعنی محدثین و مفسرین کے پیشوا و مقتدیٰ، اور حدیث و تفسیر کے ماہر،

قارئین محترم ہم نے اس رسالہ کو از اول تا آخر پڑھا ہے اس کے پڑھنے سے ہمیں یہ اندازہ ہوا کہ صدیقی صاحب یا تو خود دھوکہ کا شکار ہیں اور اپنے ساتھ دوسروں کو بھی دھوکے میں ڈالنا چاہتے ہیں یا پھر وہ جہلِ مرکب میں مبتلا ہیں اور جہالت کو علم اور تشکیک کو تحقیق سمجھ بیٹھے ہیں، ہمارے اس اندازے کی صداقت انشاء اللہ قارئین پر اس وقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جائے گی جب وہ ہماری اس جوابی تحریر کو پڑھیں گے۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

ہماری کوشش ہوگی کہ صدیقی صاحب کا دجل و فریب، ان کی دھوکہ دہی، قرآن و حدیث، اور اسماء الرجال سے جہالت، دلائل کے ساتھ بیان کی جائے تاکہ عوام کے سامنے ان کی حقیقت اچھی طرح کھل کر سامنے آجائے اور وہ ان کے گمراہ کن پروپیگنڈے سے بچیں۔

صدیقی صاحب کے اس تمام رسالہ کا خلاصہ یہ ہے کہ "شب برات کی شریعت میں کوئی حیثیت نہیں ہے اس شب کے بارے میں وارد تمام روایات موضوع و من گھڑت ہیں۔ اس شب کے بانی مبانی شیعہ ہیں۔ انہوں نے ہی اس شب اپنے بارہویں امام کی پیدائش کی خوشی میں روایات گھڑی ہیں اور یہ رات تبرے کی رات ہے کیونکہ برات اور تبرا ہم معنی ہیں" قارئین یہ خلاصہ صدیقی صاحب کے اپنے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیں، صدیقی صاحب لکھتے ہیں۔

"ان تمام آیات و احادیث سے یہ بات یقینی طور پر ثابت ہوئی کہ برات اور تبرا ہم معنی ہیں یعنی یہ دونوں لفظ بیزاری کے معنیٰ دیتے ہیں اور شب برات کے معنیٰ ہیں شب تبرا یعنی شب بیزاری اور یہ بات قطعی طور پر ثابت ہے کہ اس شب میں رافضی اپنے فرضی امام کی پیدائش کی خوشی مناتے اور صحابۂ کرام اور تمام مسلمانوں سے بیزاری کا اظہار کرتے ہیں" [1]

آگے چل کر لکھتے ہیں۔

"شب برات کے اصل بانی مبانی رافضی شیعہ تھے جنہوں نے اس قسم کی روایات گھڑ کر عوام میں پھیلائیں اور صوفیاء نے ہراول دستے کے طور پر ان کے لیے راہ ہموار کی۔" [2]

---

[1] شب برات کیا ہے ص ۸

[2] شب برات کیا ہے ص ۲۳

Telegram : t.me/pasbanehaq1

مزید رقمطراز ہیں :

" اس شب برات کی تمام فضیلت صرف اس لیے ہے کہ رافضیوں کے فرضی بارہویں امام کی ولادت اسی شب ہوئی تھی اور اسی لیے اس کی فضیلت میں روایات وضع کی گئیں" [1]

قارئین محترم ! صدیقی صاحب نے اپنی ان تحریرات میں انتہائی دجل و فریب سے کام لیا ہے اور وہ اس طرح کی باتیں کر کے عوام الناس کو ایک فضیلت والی رات میں شب بیداری اور عبادت گزاری سے محروم کرنا چاہتے ہیں - حقیقت یہ ہے کہ شب برات کی فضیلت و بزرگی کا تذکرہ دس جلیل القدر صحابۂ کرام سے مروی روایات کے اندر آیا ہے جیسا کہ وہ احادیث سلسلہ وار گزشتہ اوراق میں گزر چکی ہیں، ان میں صحیح، حسن، ضعیف ہر طرح کی احادیث ہیں لیکن ایسی کوئی ایک روایت بھی نہیں ہے جسے محدثین نے موضوع کہا ہو، یہ روایات احادیث کی مستند کتابوں میں موجود ہیں، ان احادیث مبارکہ پر عمل کرتے ہوئے ہمارے اسلاف و اکابر اہلسنت والجماعت اس شب کی فضیلت کے قائل ہوئے ہیں اور انہوں نے اس شب میں شب بیداری اور عبادت گزاری کو اپنایا ہے ،

اس شب کے متعلق علامہ ابن الحاج مالکی رحمہ اللہ (متوفی ۷۳۷ھ) کا بیان گزشتہ اوراق میں گزر چکا ہے یہاں ایک دفعہ پھر ملاحظہ فرماتے چلیں، آپ فرماتے ہیں۔

" اور کوئی شک نہیں کہ یہ رات بڑی بابرکت اور اللہ تعالیٰ کے یہاں بڑی عظمت والی ہے اور (ہمارے) اسلاف رضی اللہ عنہم اس کی بڑی تعظیم کرتے تھے اور اس کے آنے سے پہلے ہی اس کے لیے تیاری کرتے تھے جب یہ رات آتی تھی تو وہ اس کی ملاقات اور اس کی حرمت و عظمت بجالانے کے لیے مستعد ہو جاتے تھے کیونکہ یہ بات معلوم ہو چکی ہے

[1] شب برات کیا ہے ص ۶۷

Telegram : t.me/pasbanehaq1

کہ وہ شعائر اللہ کا بہت احترام کرتے تھے جیسا کہ اس کا ذکر گزر چکا۔"[1]

علامہ ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ (متوفی ۷۹۵ھ) تلمیذ رشید علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ (متوفی ۷۲۸ھ) اپنی کتاب "لطائف المعارف" میں شب برات کے فضائل ذکر کرنے کے بعد جلیل القدر تابعین حضرت خالد بن معدان (م ۱۰۳ھ) حضرت مکحول (م ۱۱۲ھ) حضرت لقمان بن عامر رحمہم اللہ کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں۔

"کہ یہ لوگ شعبان کی پندرہویں شب کی بڑی تعظیم کرتے تھے اور اس شب میں خوب مبالغہ کے ساتھ عبادت کرتے تھے، انہی حضرات سے لوگوں نے شب برات کی فضیلت و بزرگی کو اخذ کیا ہے۔"[2]

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ (متوفی ۲۰۴ھ) تحریر فرماتے ہیں۔

"بلغنا انه كان	ہمیں یہ خبر پہنچی ہے کہ
يقال ان الدعاء	(دورِ صحابہ و تابعین میں)
يستجاب في	یہ کہا جاتا تھا کہ پانچ
خمس ليال	راتوں میں دعا قبول ہوتی
في ليلة الجمعة	ہے (۱) شبِ جمعہ (۲)
وليلة الاضحى	عید الاضحیٰ کی رات (۳)
وليلة الفطر	عید الفطر کی رات (۴)
واول ليلة من	رجب کی پہلی رات

---

[1] المدخل ج ۱ ص ۲۹۲

[2] لطائف المعارف ص ۱۴۴

Telegram : t.me/pasbanehaq1

رجب و لیلۃ النصف (۵) شعبان کی پندرہویں
من شعبان" [1] رات

اس کے بعد آپ صحابہؓ و تابعین کا عید کی شب معمول ذکر فرما کر لکھتے ہیں۔

" و انا استحب مذکورہ راتوں کے متعلق
کل ما حکیت جو میں نے بیان کیا
فی ھذہ اللیالی ہے میں اسے مستحب
من غیر ان یکون سمجھتا ہوں فرض نہیں،
فرضا۔ [2]

قارئین ملاحظہ فرمائیے ہمارے اسلاف و اکابر کی رائے شب برات کے متعلق یہ ہے کہ وہ اسے عظمت و بزرگی والی رات سمجھتے ہیں اس میں عبادت و شب بیداری کے لیے پہلے سے تیاری کرتے ہیں اور اُن کا نظریہ ہے کہ اس شب دعائیں قبول ہوتی ہیں،

اسی طرح جلیل القدر فقہاء کرام علامہ ابن نجیم مصری (م ۹۷۰ھ) علامہ علاء الدین الحصکفی (م ۱۰۸۸ھ) علامہ حسن بن عمار شرنبلالی (م ۱۰۶۹ھ) اور مولانا عبد الحی لکھنوی (م ۱۳۰۴ھ) رحمہم اللہ کے حوالے سے یہ بات گزر چکی ہے کہ یہ سب حضرات فقہاء شب برات میں شب بیداری کو مستحب قرار دیتے ہیں۔

ان تصریحات کے ہوتے ہوئے یہ کہنا کہ " اس شب کے بانی مبانی شیعہ

---

[1] کتاب الام ج ۱ ص ۲۳۱

[2] کتاب الام ج ۱ ص ۲۳۱

Telegram : t.me/pasbanehaq1

تھے وہی اس شب خوشیاں مناتے ہیں اور انہوں نے ہی اس کی فضیلت میں روایات گھڑی ہیں" دجل و تلبیس اور دھوکہ دہی کے سوا کچھ نہیں، سوچنے کا مقام ہے کہ کیا ان دس صحابہ کرام اور تابعین عظام سے روایت کرنے والے سارے راوی شیعہ ہیں؟ کیا جلیل القدر تابعین حضرت خالد بن معدان، حضرت مکحول، حضرت لقمان بن عامر رحمہم اللہ یہ سب شیعہ ہیں؟ کیا حضرت امام شافعی رحمہ اللہ بھی شیعہ ہیں؟ کیا ابن الحاج مالکی، ابن رجب حنبلی رحمہما اللہ اور مذکورہ فقہاء یہ سب شیعہ ہیں؟

ع این کار از تو می آید مرداں چنیں کنند

عجیب بات ہے جس شب کی فضیلت میں دس صحابہ کرام سے احادیث مروی ہوں، جس کی فضیلت کے قائل صحابہ کرام، تابعین عظام، ائمہ مجتہدین ہوں جس شب میں اسلاف کا عمل تواتر و توارث کے ساتھ چلا آرہا ہو جس کے بارے میں فقہاء اپنی کتابوں میں احکام لکھیں اُسے شیعہ دشمنی کی بھینٹ چڑھا دیا جائے شیعہ اس شب کے بارے میں جو چاہیں عقیدہ رکھیں اور جو چاہیں عمل کریں وہ جانیں ہمیں اس سے کیا غرض؟ ہم اس شب کی عبادت گزاری کو جسے فقہاء مستحب قرار دے رہے ہیں کیوں چھوڑیں؟ اس طرح تو لازم آئے گا کہ وہ سب اعمال چھوڑ دیئے جائیں جو اصلاً تو اہلسنت کے اعمال ہیں لیکن کرتے ہیں شیعہ اور مرزائی بھی۔

براءت کے تبرّی کے ہم معنی ہونے کی بحث

صدیقی صاحب نے اس رسالہ میں اس پر بڑا زور دیا ہے کہ براءت اور تبرا ہم معنی ہیں اور قرآن و حدیث میں جہاں کہیں بھی لفظ براءت آیا ہے وہ

Telegram : t.me/pasbanehaq1

تبرّا کے معنیٰ میں ہے، چنانچہ موصوف شبِ برات یا شبِ تبرّا کی شہ سرخی کے تحت تحریر فرماتے ہیں۔

"عربی زبان میں ان کے معانی میں کوئی فرق نہیں اور یہ ہماری کوئی ذاتی اور انفرادی رائے نہیں بلکہ کتاب اللہ اور حدیثِ رسول میں جہاں جہاں بھی یہ لفظ استعمال میں آیا ہے اس نے یہی معنیٰ دیے ہیں۔" [1]

اس کے بعد صدیقی صاحب نے بطورِ استشہاد چند آیات واحادیث پیش کی ہیں۔

جواب

صدیقی صاحب نے اس عبارت میں دو دعوے کیے ہیں، ایک تو یہ کہ عربی زبان میں لفظِ برات اور لفظِ تبرّا کے معنی میں کوئی فرق نہیں دوسرے یہ کہ قرآن وحدیث میں جہاں بھی لفظِ برات آیا ہے اس کے معنیٰ تبرّا (بیزاری) کے ہیں۔

صدیقی صاحب کے دونوں دعوے غلط ہیں،

صدیقی صاحب کا یہ کہنا کہ "عربی زبان میں لفظِ برات اور لفظ تبرّا کے معنی میں کوئی فرق نہیں" ان کی ذاتی وانفرادی رائے ہے جو جہالت پر مبنی ہے کوئی ذی شعور بھی اس رائے سے اتفاق نہیں کر سکتا۔

صدیقی صاحب اگر عربی اردو کی کوئی چھوٹی ڈکشنری ہی دیکھ لیتے تو انہیں فرق

---

[1] شبِ برات کیا ہے ص ۵

Telegram : t.me/pasbanehaq1

معلوم ہو جاتا۔ ملاحظہ فرمائیے صاحب مصباح اللغات لفظ برء کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں۔

"بَرِئَ (س) بُرُوْءًا و بَرَاءً و بَرَاءَةً من العیب والدین: خلاصی پانا، نجات پانا، بَرِئَ (س) و بَرُءَ (ف) و بَرُؤَ (ک) بُرْءًا و بُرُوْءًا من المرض شفایاب ہونا، چنگا ہونا، بَرَّاَہٗ تَبْرِئَۃً بری کرنا، پاک کرنا، من التہمۃ دور کرنا ..... تَبَرَّءَ من الذنب: گناہ سے بیزار ہونا ..... اَلْبَرَاءَۃُ: بَرِئَ کا مصدر۔ فرمان پروانہ" [1]

قارئین ملاحظہ فرمائیے براءت کے معنی ہیں خلاصی پانا، نجات پانا نیز اس کے معنی فرمان اور پروانہ کے بھی ہیں جب کہ تبرا کے معنی فقط بیزاری کے ہیں اس قدر فرق کے ہوتے ہوئے بھی صدیقی صاحب کا یہ کہنا کہ ان میں کوئی فرق نہیں حقیقت سے آنکھیں موندنے کے مترادف ہے۔ ہاں یہ کہہ سکتے تھے کہ براءت کے معنی بیزاری کے بھی آتے ہیں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں تھا۔

صدیقی صاحب کا یہ کہنا کہ کتاب اللہ اور حدیث رسول میں جہاں جہاں بھی یہ لفظ استعمال میں آیا ہے اس نے یہی معنی دیے ہیں یہ بھی صدیقی صاحب کی قرآن و حدیث سے جہالت کی غمازی کرتا ہے۔

تحقیقی بات یہ ہے کہ لفظ براءت قرآن و حدیث میں بیزاری کے معنی میں بھی آیا ہے اور اس کے علاوہ دوسرے معنی میں بھی

---

[1] مصباح اللغات ص ۵۴

Telegram : t.me/pasbanehaq1

بیزاری والے معنی سے متعلق آیات و احادیث تو صدیقی صاحب نے پیش فرما دیں یہاں آپ وہ آیات و احادیث ملاحظہ فرمائیں جن میں یہ لفظ بیزاری کے علاوہ دیگر معانی میں آیا ہے۔

ارشادِ باری ہے :

(۱) أَكُفَّارُكُمْ خَيْرٌ مِّنْ أُولَٰئِكُمْ أَمْ لَكُم بَرَاءَةٌ فِي الزُّبُرِ

کیا تم میں جو کافر ہیں انہیں ان لوگوں سے کچھ فضیلت ہے، یا تمہارے لیے کتابوں میں کوئی معافی ہے۔

۵۴ : ۴۳ (ترجمہ حضرت تھانویؒ)

(۲) أُولَٰئِكَ مُبَرَّءُونَ مِمَّا يَقُولُونَ

یہ اس بات سے پاک ہیں جو یہ بکتے پھرتے ہیں

۲۴ : ۲۶ (ترجمہ حضرت تھانویؒ)

(۳) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ آذَوْا مُوسَىٰ فَبَرَّأَهُ اللَّهُ مِمَّا قَالُوا

اے ایمان والو تم مت ہو ان جیسے جنہوں نے ستایا موسیٰ کو پھر بے عیب دکھلا دیا اس کو اللہ نے ان کے کہنے سے

۳۳ : ۶۹ (ترجمہ حضرت شیخ الہندؒ)

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے

"مَنْ صَلّٰى لِلّٰهِ أَرْبَعِينَ يَوْمًا

جو شخص چالیس دن اخلاص کے ساتھ اسی طرح نماز پڑھے

Telegram : t.me/pasbanehaq1

فِيْ جَمَاعَةٍ	کہ اس کی تکبیر تحریمہ فوت
يُدْرِكُ التَّكْبِيْرَةَ	نہ ہو تو اس کو
الْأُوْلٰى كُتِبَ لَهٗ	دو پروانے ملتے ہیں
بَرَاءَتَانِ بَرَاءَةٌ	ایک پروانہ جہنم سے
مِّنَ النَّارِ وَبَرَاءَةٌ	چھٹکارے کا دوسرا
مِّنَ النِّفَاقِ"	نفاق سے بری ہونے
(ترمذی ج ۱ ص ۵۶)	کا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے واقعۂ افک سے متعلق حدیث میں ہے۔

"قَالَ لَهَا أَهْلُ	آپ کے متعلق تہمت
الْإِفْكِ مَا قَالُوْا	لگانے والوں نے جو کہنا
فَبَرَّأَهَا اللّٰهُ مِنْهُ"	تھا کہا اللہ تعالیٰ نے آپکو
(بخاری ج ۱ ص ۶۳)	اس سے پاک قرار دیا
"فَإِنْ كُنْتِ بَرِيْئَةً	اگر تم اس سے پاک ہو تو
فَسَيُبَرِّئُكِ اللّٰهُ"	اللہ تعالیٰ تمہاری پاکیزگی ظاہر
(بخاری ج ۱ ص ۶۵)	فرما دیں گے۔
"فَكَانَ أَوَّلَ	پہلی بات جو آپ نے
كَلِمَةٍ تَكَلَّمَ بِهَا	کی وہ یہ تھی کہ اے
أَنْ قَالَ	عائشہ اٹھو اللہ کا شکر
يَا عَائِشَةُ احْمَدِي اللّٰهَ	ادا کرو کہ اس نے تمہاری
فَقَدْ بَرَّأَكِ اللّٰهُ"	برادت (پاکیزگی) ظاہر فرما
(بخاری ج ۱ ص ۶۵)	دی ہے۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

قارئین آپ نے مذکورہ بالا آیات واحادیث میں ملاحظہ فرمالیا کہ لفظِ براءت بیزاری کے معنی کے علاوہ دیگر معانی میں بھی استعمال ہوا ہے، لہٰذا صدیقی صاحب کا یہ دعویٰ کہ ۔ کتاب اللہ اور حدیثِ رسولؐ میں جہاں جہاں بھی یہ لفظ استعمال میں آیا ہے اس نے یہی معنیٰ دیے ہیں ۔ غلط ہے اور قرآن وحدیث سے جہالت کا منہ بولتا ثبوت ہے ۔ ایسی صورت میں زبردستی براءت وتبرّا کو ہم معنی قرار دے کر شبِ براءت کو شبِ تبرّا قرار دینا ظلم ہے اعاذنا اللہ منہ

صدیقی صاحب لکھتے ہیں :

"یہ بھی ذہن نشین رہے کہ پانچویں صدی ہجری کی ابتداء تک حدیث وتفسیر کی جتنی کتابیں تصنیف کی گئیں اور اس سلسلہ کی جتنی روایات ان کتابوں میں نقل کی گئیں ان میں سے کسی روایت میں لیلۃ البراءت کا لفظ قطعاً نہیں پایا جاتا، بلکہ ہر روایت میں آپ کو یہ الفاظ ملیں گے اذا کانت لیلۃ النصف من شعبان یعنی جب نصف شعبان کی رات ہو، جو اس بات کا بین ثبوت ہے کہ اس کا یہ نام پانچویں صدی کے آخر میں وضع ہوا، اس کے واضع صوفیاء ہیں، اس رات کا نام ابن جہضم کی بہجۃ الاسرار، غزالی کی احیاء العلوم اور عبد القادر جیلانی کی غنیۃ الطالبین میں ملتا ہے اور یہ سب پانچویں چھٹی صدی کے افراد ہیں اور سب صوفی ہیں"۔ [1]

صدیقی صاحب نے اپنی اس تحریر میں بھی دو دعوے کیے ہیں۔

پہلا دعویٰ یہ کہ پانچویں صدی کی ابتداء تک حدیث وتفسیر کی جتنی کتابیں لکھی

---

[1] شبِ براءت کیسے ص ۹

Telegram : t.me/pasbanehaq1

گئی ہیں ان میں سے کسی میں بھی "لیلۃ البراءت" کا لفظ نہیں پایا جاتا۔

دوسرا دعویٰ یہ کہ یہ نام رکھنے والے صوفیاء ہیں اور ان ہی کی کتابوں میں یہ نام ملتا ہے۔

قارئین محترم صدیقی صاحب کے یہ دونوں دعوے بلا دلیل ہیں، پہلا تو اس لیے کہ یہ دعویٰ اس وقت صحیح ہوتا جبکہ صدیقی صاحب کی نظر سے پانچویں صدی کی ابتداء تک لکھی جانے والی تفسیر و حدیث کی تمام کتابیں گزری ہوتیں، اور ہم یہ دعوے سے کہہ سکتے ہیں کہ اُن کی نظر سے تفسیر و حدیث کی تمام کتابیں تو کجا تھوڑی سی بھی نہیں گزری ہونگی، اس لیے کہ "کشف الظنون" وغیرہ میں ایسی ہزاروں کتب تفسیر و حدیث کے نام ملتے ہیں جو آج دنیا میں ناپید ہیں، صدیقی صاحب تو کیا ان کے بڑوں نے بھی نہیں دیکھیں، ایسی صورت میں یہ دعویٰ کرنا کہ "پانچویں صدی کی ابتداء تک حدیث و تفسیر کی جتنی کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں سے کسی میں بھی لیلۃ البراءت" کا لفظ قطعاً نہیں پایا جاتا" دعویٰ بلا دلیل نہیں تو اور کیا ہے؟

اور اگر بالفرض مان بھی لیا جائے کہ "لیلۃ البراءت" کا لفظ پانچویں صدی کی ابتداء تک لکھی جانے والی کتب حدیث و تفسیر میں نہیں پایا جاتا، اور یہ پانچویں صدی کے آخر میں رکھا گیا ہے تو کیا ہوا؟ شب براءت کا یہ نام اس شب کے جو فضائل احادیث میں آئے ہیں اُن کے پیش نظر رکھا گیا ہے، ہم اس شب کو "لیلۃ البراءت" کہنا یا "شب براءت" کہنا نہ فرض سمجھتے ہیں نہ واجب، نہ سنت نہ مستحب، آپ "لیلۃ البراءت" یا شب براءت نہ کہیں "لیلۃ النصف من شعبان" کہہ لیں، ہمیں نہ اپنے نام پر اصرار ہے نہ آپ کے نام پر اعتراض

یہ بات بھی ذہن میں رہنی چاہیے کہ شعبان کی پندرہویں شب کا نام "لیلۃ البراءت" یا "شب براءت" اگر احادیث میں نہیں آیا تو اس سے ہرگز یہ لازم

Telegram : t.me/pasbanehaq1

نہیں آتا کہ اسے "لیلۃ البراءت" کہنا یا "شب براءت" کہنا جائز نہ ہو، کیونکہ ہمارے سامنے بہت سی ایسی چیزیں ہیں کہ احادیثِ مبارکہ میں اُن ناموں سے اُن کا تذکرہ نہیں ملتا لیکن اس کے باوجود ان کے وہ نام استعمال میں آتے ہیں اور اُن پر کوئی ذی شعور قدغن نہیں لگاتا۔ مثلاً سورج نکلنے کے فوراً بعد پڑھے جانے والے نوافل کو "اشراق"، کچھ دیر بعد پڑھے جانے والے نوافل کو "چاشت"، مغرب کے بعد پڑھے جانے والے نوافل کو "اَوَّابین" کہتے ہیں حالانکہ یہ نام احادیث میں نہیں آئے، لیکن ان نوافل کے مذکورہ ناموں پر کوئی ذی شعور اعتراض نہیں کرتا کہ چونکہ یہ احادیث میں نہیں آئے اس لیے یہ ناجائز ہیں۔

یا یوں سمجھ لیجئے کہ ہمارے دینی مدارس میں جو نصاب عام طور پر پڑھایا جاتا ہے اس کے مرتب حضرت ملا نظام الدین محمد سہالوی رحمہ اللہ (متوفی ۱۱۶۱ھ) ہیں لہٰذا وہ ان کی طرف نسبت سے "درسِ نظامی" کے نام سے مشہور ہوگیا۔ اب اگر کوئی اعتراض کرے کہ چونکہ یہ نام کسی حدیث میں نہیں آیا اس لیے اس نصاب کو درسِ نظامی کہنا جائز نہیں تو ظاہر بات ہے کہ اُس کے اس اعتراض کو بالکل لغو و لایعنی قرار دیا جائے گا کوئی بھی عقل مند آدمی اس کو صحیح نہیں کہے گا۔

رہا صدیقی صاحب کے دوسرے دعوے کا بے دلیل ہونا تو وہ اس لیے کہ نصف شعبان کی شب کا یہ نام ("لیلۃ البراءت") حضرت امام غزالی اور حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمہما اللہ کے ہمعصر مفسرین کی تفسیروں میں ملتا ہے، چنانچہ علامہ زمخشری (م ۵۳۸ھ) کی تفسیر کشاف جلد سوم میں یہ نام موجود ہے، اور یہ بات ظاہر ہے کہ یہ صوفی نہیں تھے اب اگر صدیقی صاحب یہ ثابت کر دیتے کہ انہوں نے صوفیاء سے یہ نام سیکھ کر اپنی تفسیر میں درج کیا ہے تو ان کا دعویٰ صحیح ہو سکتا تھا ورنہ تو کہا جا سکتا ہے کہ ممکن ہے ان سے صوفیاء

Telegram : t.me/pasbanehaq1

نے یہ نام لیکر اپنی کتابوں میں درج کیا ہو دوسرے یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ صدیقی صاحب کے بیان سے بظاہر ایسے معلوم ہوتا ہے کہ جیسے یہ نام بس صوفیاء کی کتابوں ہی میں ملتا ہے اور کہیں نہیں، حالانکہ اگر بنظرِ انصاف دیکھا جائے تو یہ بات غلط نظر آتی ہے اس لیے کہ آج کے دور میں قدیم مفسرین کی بہت سی ایسی تفسیریں موجود ہیں جن میں یہ نام پایا جاتا ہے چند ایک کے نام ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔

(۱) تفسیر کبیر تصنیف امام رازیؒ م ۶۰۶ھ

(۲) الجامع لاحکام القرآن " ابو عبداللہ محمد بن احمد قرطبیؒ م ۶۷۱ھ

(۳) انوار التنزیل و اسرار التاویل " ناصر الدین عبداللہ بن عمر بیضاوی م ۶۸۵ھ

اگر ان تمام باتوں سے قطع نظر کرتے ہوئے یہ مان بھی لیا جائے کہ یہ نام صوفیاء نے رکھا ہے تو کیا ہوا کونسی قیامت آگئی، کیا صوفیاء کرام کو کوئی حق حاصل نہیں؟ کیا امام غزالی اور شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہما اللہ اپنے وقت کے جید ترین علماء میں سے نہیں تھے؟ حضرت امام غزالی رحمہ اللہ وہ ہستی ہیں جن کے علم و فضل سے دنیا مستفید ہوئی اور جن کے صدقے بغداد کا جامعہ نظامیہ محفوظ رہا، حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ وہ ہستی ہیں جن کی بدولت ہزاروں کفار کو دولتِ اسلام اور ہزاروں عصاتِ مؤمنین کو توبہ کی توفیق نصیب ہوئی۔ صدیقی صاحب کو معلوم ہونا چاہیئے کہ سچے صوفیاء کرام جو علماء ربانیین ہوتے ہیں ان پر تاریخ اسلام کو فخر ہے، تاریخ بتلاتی ہے کہ صوفیاء کرام مسلمانوں کا وہ پاکباز اور مقدس طبقہ ہیں جن کے ہاتھوں پر لاکھوں نہیں کروڑوں افراد نے اسلام قبول کیا ہے جو ہمیشہ امن و آشتی اور صداقت و راستی کا پیغام دیتے رہے ہیں، جو ہمیشہ ایثار و ہمدردی سے کام لیتے ہوئے خلقِ خدا کی اصلاح میں لگے رہے ہیں۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

صدیقی صاحب لکھتے ہیں :

" یہ بھی ممکن ہے کہ یہ نام بنو بویہ اور دیلمیوں کے زمانہ میں وضع کیا گیا ہو کیونکہ وہ کٹر رافضی تھے اور ۳۲۲ھ سے ۳۶۸ھ تک بغداد پر قابض رہے ان ہی میں سے ایک شخص معز الدولہ نے ۳۳۶ھ میں عشرۂ محرم میں ماتم کی ابتداء کی ، موجودہ جمعے کے خطبات جو ہماری مساجد میں پڑھے جاتے ہیں یہ اُن ہی کے وضع کردہ ہیں اس نے خطبات میں سے عشرہ مبشرہ اور حضور کی تین صاحبزادیوں کے نام خارج کیے ازواجِ مطہرات کا ذکر حذف کر کے حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ وحسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذکر داخل کیا گیا ۔ اسی کے زمانہ میں اس بات کا فیصلہ کیا گیا کہ خلفاء راشدین چار ہیں ورنہ اس سے قبل تمام سُنّی تین خلفاء راشدین کے قائل تھے" [1]

صدیقی صاحب کی اس تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ شیعہ فوبیا کا شکار ہیں اور انہیں ساون کے اندھے کی طرح ہر چیز شیعیت کی پیداوار نظر آتی ہے ، ہم حیران ہیں کہ وہ شیعہ دشمنی میں اہلِ سنت کی تاریخ کو کیوں مسخ کر رہے ہیں ؟

پیچھے تو صدیقی صاحب بزور یہ ثابت کر چکے ہیں کہ یہ نام پانچویں صدی کے آخر میں وضع ہوا ہے اور اس کے واضع صوفیاء ہیں ، اور یہاں یہ راگ آلاپ رہے ہیں کہ ممکن ہے یہ نام بنو بویہ اور دیلمیوں کے زمانہ میں وضع ہوا ہو جنکا زمانہ چوتھی صدی ہجری کا ہے ، صدیقی صاحب کی کس بات کا اعتبار کیا جائے ؟ ایسے لگتا ہے کہ انہیں خود اپنی تحقیق پر اعتماد نہیں ،

اگر صدیقی صاحب امکان کی بات کرتے ہیں کہ " ممکن ہے یہ نام بنو بویہ

---

[1] شبِ برات کیا ہے ص ۱۰

Telegram : t.me/pasbanehaq1

اور دیلمیوں کے زمانے میں وضع کیا گیا ہو" تو ہمیں بھی امکانی بات کرنے کا حق حاصل ہے ہم بھی کہہ سکتے ہیں کہ ممکن ہے یہ نام خیر القرون کے دور میں وضع کیا گیا ہو اور اس کے واضع صحابہ و تابعین ہوں اس صورت میں جس دلیل سے صدیقی صاحب ہماری امکانی صورت کی تردید کریں گے اسی دلیل سے ہم ان کے امکان کی تردید کر دیں گے ،

صدیقی صاحب کا یہ کہنا کہ " موجودہ جمعے کے خطبات جو ہماری مساجد میں پڑھے جاتے ہیں یہ اُن ہی (بنو بویہ اور دیلمیوں) کے وضع کردہ ہیں" یہ سادہ لوح عوام کی آنکھوں میں دُھول جھونکنے کے مترادف ہے ، صدیقی صاحب کا بس نہیں چلتا ورنہ تو شاید وہ یہ کہنے سے بھی گریز نہ کرتے کہ موجودہ قرآن اور ذخیرۂ احادیث بھی شیعوں کا ہے ۔

صدیقی صاحب اور ان کے حواریین کو معلوم ہونا چاہیئے کہ علماء اہلسنت (دیوبند) کی مساجد میں بالعموم جو خطباتِ جمعہ پڑھے جاتے ہیں وہ حضرت شاہ ولی اللہ حضرت سید احمد شہید اور حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمہم اللہ کے مرتب کردہ خطبات ہیں جو وہ خود پڑھا کرتے تھے ، اور یہ وہ بزرگ ہیں جنہوں نے شیعیت کے خلاف قابلِ قدر خدمات انجام دی ہیں اور ہزاروں شیعہ حضرات نے ان بزرگوں کے دستِ حق پرست پر شیعیت سے توبہ کی ہے ان بزرگوں کے مرتب کردہ خطبات کو شیعوں کے وضع کردہ خطبات قرار دینا بڑی ناانصافی ہے کوئی منصف مزاج آدمی ایسی بات نہیں کر سکتا ،

صدیقی صاحب کا یہ کہنا کہ " اسی (معز الدولہ) کے زمانے میں اس بات کا فیصلہ کیا گیا کہ خلفاء راشدین چار ہیں ورنہ اس سے قبل تمام سنی تین خلفاء راشدین کے قائل تھے " یہ اِن کے ناصبی ہونے کی بڑی دلیل ہے اور اہل سنت

Telegram : t.me/pasbanehaq1

پر بہت بڑا بہتان ہے۔

صدیقی صاحب ایسی بات اگر نادانستہ طور پر کر رہے ہیں تو یہ انکی اہلسنت کی کتابوں سے جہالت کا نتیجہ ہے اور اگر دیدہ ، دانستہ ایسے کر رہے ہیں تو پھر یہ ظلم عظیم ہے ؎ ان کنت لاتدری فتلک مصیبۃ ۔۔ وان کنت تدری فالمصیبۃ اعظم

صدیقی صاحب کو معلوم ہونا چاہیئے کہ تمام اہل سُنّت شروع ہی سے اس بات کے قائل ہیں کہ خلفاء راشدین چار ہیں جیسا کہ اکابر اہلسُنّت کی کتابیں اس پر شاہد ہیں اور یہ مسئلہ دن کے سورج کی طرح واضح ہے جس میں کوئی خفا نہیں ہے اگر ہمیں طوالت کا اندیشہ نہ ہوتا تو ہم وہ تمام دلائل یہاں پیش کرتے ، قارئین اس سلسلہ میں اکابر اہلسُنّت کی کتب بالخصوص حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی کتاب " ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء " کی طرف مراجعت فرمائیں۔

کچھ آگے صدیقی صاحب رقمطراز ہیں :

" ایسی صورت میں یہ ممکن ہے کہ بنو بویہ رافضیوں نے شبِ برات کا سلسلہ جاری کیا ہو اور اس کے فضائل لوگوں میں پھیلائے ہوں جہاں سے صوفیاء اسے لے اڑے کیونکہ صوفیاء میں کوئی فرد واحد ایسا نہیں گزرا جس نے حدیث میں تحقیق سے کام لیا ہو ، حتیٰ کہ غزالی جو امامت کے رتبہ پر آج کل فائز سمجھے جاتے ہیں انہوں نے صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے علاوہ حدیث کی کوئی کتاب نہیں پڑھی یہ بھی صرف بطور تبرک " [1]

اس تحریر میں بھی صدیقی صاحب نے امکان کا دور چلایا ہے " ممکن ہے بنو بویہ رافضیوں نے شبِ برات کا سلسلہ جاری کیا ہو اور اس کے فضائل لوگوں

---

[1] شبِ برات کیا ہے ص ۱۰

Telegram : t.me/pasbanehaq1

میں پھیلائے ہوں"، صدیقی صاحب کے حواریین کو معلوم ہونا چاہیئے کہ صدیقی صاحب کا یہ ممکن ایسا ہے جس کا وقوع نہیں ہوا، ہم بہ دلائل ثابت کر آئے ہیں کہ شبِ برات کا سلسلہ خیرون القرآن سے جاری ہے اور صحابہؓ و تابعین اس کی عظمت و فضیلت کے قائل تھے، صدیقی صاحب کا شبِ برات کو شیوں کے کھاتے میں ڈالنا خود فریبی کے سوا کچھ نہیں،

دوسرے اس تحریر میں صدیقی صاحب نے صوفیاء کرام کے متعلق جو کچھ کہا ہے یہ صدیقی صاحب کی صوفیاء کرام سے نفرت اور ان کی خدمات سے جہالت کا نتیجہ ہے۔

صدیقی صاحب ماضی بعید کو چھوڑیئے، ماضی قریب کو لے لیجئے، اس میں حضرت شاہ ولی اللہؒ آپ کے صاحبزادگان، حضرت شاہ اسحٰق صاحبؒ حضرت شاہ عبدالغنی مجددی، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن، حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی، حضرت مولانا حسین احمد مدنی، علامہ انور شاہ کشمیری رحمہم اللہ نے جو تجدیدی کارنامے انجام دیے ہیں وہ کسی سے مخفی نہیں ہیں یہ حضرات ایک طرف شریعت کا درس دیتے تھے تو دوسری طرف طریقت و سلوک کی تعلیم دیتے تھے، یہ حضرات اپنے دور کے علمی میدان میں بھی شہسوار تھے اور تصوف و تزکیہ کی لائن میں بھی ان کا کوئی ثانی نہیں تھا، یہ حضرات اعلےٰ درجے کے صوفی بھی تھے محدث بھی، مفسر بھی، محقق بھی، امت مرحومہ پر ان حضرات کی تجدیدی خدمات کا احسان ہے، صدیقی صاحب کے حواریین بتائیں کہ کیا ان عظیم المرتبت حضرات میں کوئی ایسا فرد نہیں ہے جس نے حدیث میں تحقیق سے کام لیا ہو؟

Telegram : t.me/pasbanehaq1

صدیقی صاحب کا یہ کہنا کہ "امام غزالی نے صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے علاوہ حدیث کی کوئی کتاب نہیں پڑھی یہ بھی صرف بطور تبرک" یہ صدیقی صاحب کی امام غزالی رحمہ اللہ کی کتابوں سے جہالت کا نتیجہ ہے، صدیقی صاحب اگر "احیاء العلوم" کی احادیث کی تخریج جو علامہ عراقیؒ نے کی ہے اسے ملاحظہ فرما لیتے تو اس جہالت کا اُن سے صدور نہ ہوتا،

لیلۂ مبارکہ کی بحث

صدیقی صاحب نے "لیلۂ مبارکہ" کی بحث چھیڑی ہے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مختصر طور پر اس کے متعلق کچھ عرض کر دیا جائے تاکہ کسی قسم کا کوئی الجھاؤ باقی نہ رہے،

سورۂ دخان کی آیت مبارکہ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ۔ ہم نے اس کو اتارا ایک برکت کی رات میں ـــــ اس رات سے کونسی رات مراد ہے؟ اس میں مفسرین کا اختلاف ہے جمہور مفسرین اس بات کے قائل ہیں کہ اس رات سے مراد "لیلۃ القدر" ہے، بعض مفسرین جن میں سرفہرست حضرت عکرمہؒ ہیں اس بات کے قائل ہیں کہ اس سے مراد شعبان کی پندرہویں شب ہے جسے عرفِ عام میں شبِ برات کہا جاتا ہے، مفسرین میں سے کس کی بات صحیح ہے کس کی صحیح نہیں، ہم اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتے، ہم یہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ شبِ برات کی فضیلت اس آیت کریمہ کی تفسیر پر موقوف نہیں کیونکہ اسکی فضیلت میں مستقل احادیثِ مبارکہ موجود ہیں، یہی وجہ ہے کہ ہم نے اپنے سابقہ مضمون میں اس آیت کریمہ سے نفیاً و اثباتاً کسی طرح بھی تعرض نہیں کیا،

صدیقی صاحب نے جو اس آیت کریمہ کے متعلق لمبی چوڑی بحث کی ہے اس

Telegram : t.me/pasbanehaq1

کا خلاصہ جو ہماری سمجھ میں آیا ہے وہ دو باتیں ہیں

(۱) ایک بات تو یہ کہ شبِ برات کی فضیلت ثابت کرنے والوں نے اس آیت کریمہ میں وارد لیلۂ مبارکہ سے شبِ برات مراد لے کر ساری عمارت تعمیر کی ہے حالانکہ اس سے مراد لیلۃ القدر ہے نہ کہ لیلۃ البراءت ،، اس کے انہوں نے دلائل دیے ہیں

اس کے متعلق ہماری گزارش ہے کہ یہ صدیقی صاحب کی اپنی سوچ ہے ورنہ ہم عرض کر چکے ہیں کہ شبِ برات کی فضیلت لیلۂ مبارکہ سے ــــ لیلۃ البراءت مراد لینے پر موقوف نہیں اس کی فضیلت کے بارے میں مستقل احادیث موجود ہیں۔

(۲) دوسری بات یہ کہ لیلۂ مبارکہ کی تفسیر لیلۃ البراءت سے کرنے والا عکرمہ ہے اور یہ ایسا تھا ویسا تھا اسی نے سارا کھیل کھیلا ہے،، اس کے بعد صدیقی صاحب نے عکرمہ کے متعلق بعض ناقدینِ رجال کی جرح نقل کر کے ان کی ذات پر رکیک حملے کیے ہیں اس کے متعلق ہماری گزارش ہے کہ اگر عکرمہ نے لیلۂ مبارکہ سے مراد شبِ برات لی ہے تو کوئی جرم نہیں کیا، کیونکہ ان کا شمار جلیل القدر مفسرین میں ہوتا ہے۔

حضرت عکرمہؒ کے حالات اور انکی توثیق

حضرت عکرمہ، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے خصوصی شاگرد ہیں، آپ نے ان کو انتہائی محنت سے تعلیم دی ہے۔

حضرت عکرمہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے علاوہ حضرت علی، حضرت حسن بن علی، حضرت ابوہریرہ، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ

Telegram : t.me/pasbanehaq1

بن عمرو، حضرت ابوسعید خدری، حضرت عقبہ بن عامر، حضرت جابر، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہم جیسے جلیل القدر صحابۂ کرام سے روایت لی ہے [1]

آپ سے فیض یافتہ لوگوں کی ایک طویل فہرست ہے جن میں حضرت ابراہیم نخعی، ابوالشعثاء، جابر بن زید، امام شعبی، ابواسحٰق سبیعی، ابوالزبیر، قتادہ، سماک بن حرب، عاصم الاحول، حصین بن عبدالرحمٰن، ایوب سختیانی، خالد الحذاء، داؤد بن ابی ھند، عاصم بن بھدلہ، عبدالکریم الجزری، عبدالرحمٰن بن سلیمان، حمید الطویل [2] رحمہم اللہ جیسے اکابر محدثین سرفہرست ہیں،

حضرت عکرمہؒ فرماتے ہیں میں نے چالیس سال طلب علم میں گزارے [3]

حضرت عمرو بن دینارؒ فرماتے ہیں "مجھے حضرت جابر بن زیدؒ نے چند مسائل کی فہرست دی اور فرمایا جاؤ عکرمہ سے پوچھ کر آؤ، نیز فرمایا عکرمہ مولیٰ بن عباسؓ بحرالعلوم ہیں ان سے مسائل پوچھا کرو" [4]

حضرت امام شعبیؒ فرماتے ہیں "ہمارے زمانے میں کتاب اللہ کا کوئی عالم عکرمہ سے بڑا باقی نہیں رہا" [5]

حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں "تابعین میں چار آدمی سب سے زیادہ عالم تھے، عطاء بن ابی رباح، سعید بن جبیر، عکرمہ اور حسن بصری رحمہم اللہ" [6]

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۲۶۳ -

[2] تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۲۶۴ -

[3] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۹۶ -

[4] تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۲۶۶ -

[5] تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۲۶۶

[6] تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۲۶۶

Telegram : t.me/pasbanehaq1

نیز آپ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ "تابعین میں تفسیر (قرآن) کو سب سے زیادہ جاننے والے عکرمہ ہیں"۔ [1]

امام مَرْوَزِیؒ کہتے ہیں "میں نے امام احمدؒ سے پوچھا عکرمہ کی حدیث سے احتجاج کیا جا سکتا ہے آپ نے فرمایا ہاں کیا جا سکتا ہے"۔ [2]

عثمان دارمیؒ کہتے ہیں میں نے یحییٰ بن مَعینؒ سے پوچھا کہ آپ کو حضرت ابن عباسؓ کے شاگردوں میں سے عکرمہؒ زیادہ محبوب ہیں یا عبید اللہؒ فرمایا دونوں، میں نے عرض کیا عکرمہؒ اور سعید بن جبیرؒ میں سے کون محبوب ہیں فرمایا دونوں ثقہ ہیں"۔ [3]

جعفر طیالسیؒ یحییٰ بن معینؒ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا "جب تم کسی کو دیکھو کہ وہ عکرمہ اور حماد بن سلمہ کی برائی کر رہا ہے تو اسے اسلام کے بارے میں متہم جانو"۔ [4]

امام عجلیؒ فرماتے ہیں کہ "عکرمہ مکی ہیں اور ثقہ ہیں اور ان پر جو خارجی ہونے کا الزام لگایا جاتا ہے وہ اس سے بری ہیں"۔ [5]

امام بخاریؒ فرماتے ہیں "ہمارے تمام اصحاب عکرمہ سے احتجاج کرتے ہیں"۔ [6]

---

[1] تہذیب ج ۷ ص ۲۶۶۔

[2] تہذیب ج ۷ ص ۔

[3] تہذیب ج ۷ ص ۔

[4] تہذیب ج ۷ ص ۔

[5] تہذیب ج ۷ ص ۲۷۰۔

[6] تہذیب ج ۷ ص ۲۷۰۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

امام نسائیؒ فرماتے ہیں " عکرمہ ثقہ ہیں" [1]

ابن ابی حاتم کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے پوچھا عکرمہ کیسے ہیں؟ فرمایا ثقہ ہیں میں نے عرض کیا ان سے احتجاج کیا جا سکتا ہے فرمایا ہاں جبکہ اُن سے ثقہ راوی روایت کریں۔ [2]

بعض محدثین نے حضرت عکرمہؒ پر کچھ اعتراضات بھی کیے ہیں لیکن محققین علماء نے ان اعتراضات کو پوری تحقیق و تفتیش کے بعد رد کر دیا ہے، اس مسئلہ پر علامہ ابن حجر رحمہ اللہ نے " ہدی الساری مقدمۃ فتح الباری" میں نہایت مبسوط اور کافی شافی بحث کی ہے اور بتلایا ہے کہ متعدد ائمہ حدیث نے عکرمہ کے حالات کی تحقیق پر اور ان پر عائد کیے جانے والے اعتراضات کی تفتیش کے لیے مستقل کتابیں لکھی ہیں جن میں ابن جریر طبری، امام محمد بن نصر مروزی، ابو عبد اللہ ابن مندہؒ، ابو حاتم بن حبان اور ابو عمر بن عبد البر رحمہم اللہ جیسے حضرات شامل ہیں۔[3]

تقریباً تمام ائمہ حدیث نے آپ سے روایات لی ہیں، حضرت امام بخاریؒ نے جو نقد رجال کے معاملہ میں بہت سخت ہیں اور جنہوں نے مشتبہ راویوں تک کو چھوڑ دیا ہے انہوں نے بھی اپنی صحیح میں ان کی روایات نقل کی ہیں، حضرت امام مسلمؒ کی طرف منسوب ہے کہ وہ عکرمہؒ پر طعن کرتے تھے لیکن انہوں نے بھی اپنی صحیح میں عکرمہؒ کی روایت مقروناً ذکر کی ہے، حضرت امام مالکؒ کی طرف منسوب ہے کہ آپ عکرمہؒ کو ناپسند کرتے تھے لیکن خود آپ نے موطا کی کتاب الحج میں عکرمہؒ کی روایت نقل کی ہے، [4]

---

[1] تہذیب ج ۷ ص ۲۷۰ ۔ [2] تہذیب ج ۷ ص ۲۷۰۔

[3] ہدی الساری مقدمہ فتح الباری ص ۴۲۵ ۔

[4] ہدی الساری ص ۴۳۰

Telegram : t.me/pasbanehaq1

صدیقی صاحب پر حیرت ہے کہ انہوں نے خوفِ خدا کو بالائے طاق رکھ کر بعض لوگوں کو دھوکہ دینے کے لیے حضرت عکرمہؒ پر بعض محدثین کی جرحیں نقل کر کے انہیں ایک بھیانک شخص کے روپ میں پیش کر دیا، اور محقق علماء کرام نے جو ان جرحوں کے جوابات دیئے ہیں ان سے آنکھیں موند لیں، اور صرف یہی نہیں صدیقی صاحب نے حضرت عکرمہؒ کی بابت جھوٹ بولنے سے بھی گریز نہیں کیا۔

صدیقی صاحب کی دروغ گوئی

چنانچہ صدیقی صاحب لکھتے ہیں:

"اسی باعث امام مالک اور امام مسلم نے اس سے کوئی روایت نہیں لی اور عکرمہ کے اس قول کو تمام محدثین نے منکر قرار دیا" [1]

صدیقی صاحب نے اس دو سطری عبارت میں دو جھوٹ بولے ہیں ایک تو یہ کہ امام مالکؒ اور امام مسلمؒ نے عکرمہؒ سے روایت نہیں لی، دوسرے یہ کہ عکرمہؒ کے اس قول کو تمام محدثین نے منکر قرار دیا ہے۔

پہلے جھوٹ کے متعلق عرض ہے کہ حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام مسلمؒ دونوں نے عکرمہؒ سے روایت لی ہے۔ ملاحظہ فرمائیے امام مالکؒ کی روایت۔

"مالك عن ثور	حضرت امام مالکؒ ثور بن زید
بن زيد الديلي	کے واسطے سے حضرت
عن عكرمة مولى	عکرمہؒ مولیٰ ابن عباسؓ
ابن عباس قال	سے روایت کرتے ہیں کہ

---

[1] شب برات کیا ہے ص ۱۷۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

لا اظنه الا عن عبد الله بن عباس انه قال الذی یصیب اهله قبل ان یفیض یعتمر و یهدی [1]

انہوں نے فرمایا، مجھے یقین ہے کہ یہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ہی کا فرمان ہے آپ نے فرمایا جو شخص طوافِ افاضہ سے پہلے بیوی سے صحبت کرے وہ عمرہ کرے اور ہدی دے۔

امام مسلمؒ کی روایت بھی ملاحظہ فرماتے چلیں۔

(۱) حدثنا اسحٰق بن ابراهیم واللفظ له اخبرنا محمد بن بکر اخبرنا ابن جریج اخبرنی ابو الزبیر انه سمع طاؤسا و عکرمة مولی ابن عباس عن ابن عباس [2] الحدیث

(۲) حدثنا هٰرون بن عبد الله حدثنا ابو داود الطیالسی حدثنا حبیب بن یزید عن عمرو بن هَرِم عن سعید بن جبیر و عکرمة عن ابن عباس [3] الحدیث

یہ دو روایتیں تو حضرت عکرمہؒ سے مقرونا ہیں ایک میں عکرمہؒ کے مقابلہ

---

[1] مؤطا امام مالک ص ۳۰۶

[2] مسلم ج ۱ ص ۳۸۵

[3] مسلم ج ۱ ص ۳۸۵

Telegram : t.me/pasbanehaq1

طاؤس ؒ ہیں دوسری میں سعید بن جبیر ہیں رحمہم اللہ، اسی مسلم کی دوسری جلد میں ایک روایت عکرمہؒ سے مقارنت کے بغیر بھی موجود ہے ملاحظہ فرمائیے مسلم ۲۰۳/۱

جب مؤطا اور مسلم دونوں میں حضرت عکرمہؒ سے روایات موجود ہیں تو ایسی صورت میں صدیقی صاحب کا یہ کہنا کہ امام مالکؒ اور امام مسلمؒ نے عکرمہؒ سے روایت نہیں لی جھوٹ نہیں تو اور کیا ہے ؟

صدیقی صاحب کے دوسرے جھوٹ کی نسبت عرض ہے کہ اگر صدیقی صاحب کی یہ بات سچ ہے تو ان کے حواری اس کا ثبوت پیش فرمائیں ورنہ ہم اسے صدیقی صاحب کا جھوٹ شمار کرنے پر مجبور ہوں گے ،

صدیقی صاحب کا تضاد

صدیقی صاحب رقمطراز ہیں :

" یہ عکرمہ خارجی تھا اور تمام مسلمانوں کا قتل فرض سمجھتا تھا" [1]

آگے چل کر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے ارشادات کی حقیقت کے ذیل میں لکھتے ہیں :

" شب برات کا اصل بانی مبانی یہی ہے" [2]

پیچھے باحوالہ گزر چکا ہے کہ صدیقی صاحب شب برات کا بانی مبانی رافضیوں کو سمجھتے ہیں اور یہاں صدیقی صاحب عکرمہ کو خارجی قرار دے کر شب برات کا بانی مبانی اسے قرار دے رہے ہیں سوال یہ ہے کہ رافضی اور خارجی دونوں ایک ہوتے ہیں یا ان

---

[1] شب برات کیا ہے ص ۱۹ ۔

[2] شب برات کیا ہے ص ۱۹ ۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

میں فرق ہے ؟ اگر دونوں میں فرق ہے اور دونوں الگ الگ فرقے ہیں تو پھر عکرمہؒ کو خارجی قرار دے کر انہیں شب برات کا بانی مبانی قرار دینے کا کیا مطلب ؟ صدیقی صاحب تو دنیا سے جا چکے اُن کے حواری اس تضاد کو اٹھائیں۔

حضرت عثمان بن محمد بن مغیرہؒ کی روایت

صدیقی صاحب حضرت عثمان بن محمد بن مغیرہؒ کی روایت پیش کر کے اس پر یوں تبصرہ فرماتے ہیں۔

"عثمان بن المغیرہ کی اس روایت کو اگر فرشتے بھی نقل کرتے تب بھی یہ قابلِ اعتبار نہ ہوتی۔ کیونکہ عثمان بن مغیرہ کوئی صحابی نہیں بلکہ چھوٹے درجے کا تابعی ہے اور یہ روایت مرسل ہے اور پھر قرآن کے سراسر خلاف ہے"۔ [1]

غنیمت ہے صدیقی صاحب نے بات فرشتوں تک محدود رکھی اگر وہ کہہ دیتے کہ "اس روایت کو اگر اللہ تعالیٰ بھی نقل کرتے تب بھی یہ قابلِ اعتبار نہ ہوتی" تو کوئی اُن کا کیا بگاڑ لیتا،

صدیقی صاحب یہ روایت آپ کے یہاں اور آپ کے ہمنواؤں کے یہاں قابل اعتبار نہ ہو تو نہ ہو محدثین کے یہاں قابلِ اعتبار ہے اور وہ اس سے استدلال کرتے ہیں، جب عثمان بن محمد بن مغیرہؒ ثقہ راوی ہیں تو چاہے وہ چھوٹے درجے کے تابعی ہوں یا بڑے درجے کے روایت میں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا اور نہ ہی حدیث کا مرسل ہونا ہمارے نزدیک کوئی عیب ہے جمہور محدثین حدیثِ مرسل کو حجت مانتے ہیں۔

---

[1] شب برات کیا ہے ص ۲۱

Telegram : t.me/pasbanehaq1

باقی رہا صدیقی صاحب کا اس روایت کو قرآن کے خلاف قرار دینا یہ اُن کے فہم کا قصور ہے، چنانچہ ہم پیچھے "ایک اعتراض اور اس کا جواب" (ص ۳۵ کے ذیل میں تفصیل سے بیان کر آئے ہیں کہ مذکورہ احادیث قرآن کے قطعاً خلاف نہیں ہیں

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں چونکہ "لیلۃ مبارکہ" سے لیلۃ القدر مراد لی ہے (اور لیلۂ برات مراد لینے کو دور از کار قرار دیا ہے) اور حضرت عثمان بن محمد بن مغیرہؓ کی روایت اُن کے نزدیک بظاہر اس تفسیر کے معارض ہے اس لیے انہوں نے اُن کی روایت کو ذکر کر کے فرمادیا کہ "یہ روایت مرسل ہے اور ایسی روایت سے نصوص کا معارضہ نہیں کیا جا سکتا" ہمارا بھی اس پر صاد ہے ہم بھی لیلۂ مبارکہ سے شبِ برات مراد نہیں لیتے اور نہ ہمارا موقف اس پر موقوف ہے چنانچہ پیچھے ہم ذکر کر چکے ہیں کہ شبِ برات کی فضیلت لیلۂ مبارکہ سے شبِ برات مراد لینے پر موقوف نہیں اس کی فضیلت سے متعلق مستقل احادیث موجود ہیں اور وہ احادیث نصِ قرآنی کے معارض نہیں ہیں۔

آگے صدیقی صاحب نے حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کے حوالے سے جو یہ لکھا ہے کہ "لیلۂ مبارکہ سے جو شخص شبِ برات مراد لیتا ہے اس نے قرآن کی صریح مخالفت کی اور انتہائی خلافِ عقل بات کی" [1]

یہ صدیقی صاحب کا جھوٹ ہے، تفسیر ابنِ کثیر میں ایسی کوئی بات موجود نہیں ہے۔

صدیقی صاحب آگے چل کر حضرت عثمان بن محمد بن مغیرہؓ کی روایت کی سند پر بحث کرتے ہوئے اس سند کے ایک راوی عبداللہ بن صالح کو مجروح قرار دیتے ہیں۔

---

[1] شبِ برات کیا ہے ص ۲۱

Telegram : t.me/pasbanehaq1

قارئین محترم! صدیقی صاحب نے عبداللہ بن صالح کے متعلق محدثین کی جو جرحیں نقل کی ہیں اُن میں انہوں نے انتہائی دجل و فریب اور دھوکہ دہی سے کام لیا ہے چنانچہ انہوں نے اوّل تو عبداللہ بن صالح کے متعلق محدثین کے اقوال ادھورے نقل کیے ہیں اور اُن کی جانب ایسے الفاظ منسوب کر دیے ہیں جو انہوں نے نہیں کہے' دوسرے جن محدثین نے عبداللہ بن صالح کی توثیق کی ہے ان کے اقوال کو ہاتھ تک نہیں لگایا' ہم پہلے عبداللہ بن صالح کی توثیق کرنے والے محدثین کے اقوال ذکر کرتے ہیں پھر صدیقی صاحب کی خیانت، دھوکہ دہی اور بہتان تراشی کو ظاہر کریں گے۔

عبداللہ بن صالحؒ کی توثیق

① عبدالملک بن شعیب بن اللیثؒ فرماتے ہیں:

"ثقة مامون" — عبداللہ بن صالح ثقہ اور مامون ہیں

② ابوحاتمؒ کہتے ہیں میں نے یحییٰ بن معین کو عبداللہ بن صالح کے متعلق یہ فرماتے ہوئے سُنا ہے کہ:

"اقل احواله	ان کے اقل احوال میں سے
ان یکون	یہ ہے کہ انہوں نے امام لیث
قرأ هذه الكتب	سے یہ کتابیں پڑھی ہیں اور
على الليث	امام لیث نے انہیں ان کی
واجازها له"	اجازت دی ہے۔

③ ابوحاتمؒ کہتے ہیں:

"هو صدوق امين	جس حد تک مجھے معلوم ہے
ما علمته"	وہ صدوق اور امین ہیں۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

④ امام ابو زرعہؒ فرماتے ہیں:

" لم یکن عندی	وہ میرے نزدیک اُن لوگوں
ممن یتعمد	میں سے نہیں ہیں جو جان
الکذب وکان حسن	بوجھ کر جھوٹ بولتے ہیں اور
الحدیث "	اُن کی حدیث حسن ہے۔

⑤ فضیل بن محمد شعرانیؒ فرماتے ہیں:

" ما رأیت ابا	مَیں نے ابو صالح کو جب بھی
صالح الا وھو	دیکھا یا تو حدیث بیان کرتے
یحدث او یسبح "	دیکھا یا تسبیح پڑھتے دیکھا

⑥ ابن عدیؒ فرماتے ہیں

" ھو عندی مستقیم	وہ میرے نزدیک مستقیم الحدیث
الحدیث الا انہ	ہیں ہاں ان کی اسانید اور
یقع فی اسانیدہ	متون میں غلطی واقع ہوجاتی
و متونہ غلط ولا	ہے لیکن وہ جان بوجھ کر
یتعمد"	ایسا نہیں کرتے۔

⑦ ابن حبانؒ فرماتے ہیں:

" کان فی	عبداللہ بن صالح بذاتِ خود
نفسہ صدوقا	صدوق ہیں اور انکی احادیث
انما وقعت	میں جو منکر روایتیں آ گئی
المناکیر فی حدیثہ	ہیں وہ ان کے پڑوسی کی
من قبل جارٍ لہ "	کارستانی کی وجہ سے آئی ہیں'

Telegram : t.me/pasbanehaq1

عبداللہ بن صالح کے متعلق یہ تمام اقوال میزان الاعتدال ج ۲ صفحہ ۴۴۰، صفحہ ۴۴۱ میں موجود ہیں اور یہ وہی کتاب ہے جس سے صدیقی صاحب نے جرح میں نقل کی ہیں۔

صدیقی صاحب کی دھوکہ دہی اور بہتان تراشی

قارئین کرام عبداللہ بن صالح کی توثیق کے بعد اب آپ صدیقی صاحب کی دھوکہ دہی اور بہتان تراشی ملاحظہ فرمائیے:

صدیقی صاحب لکھتے ہیں:

" امام سعید بن منصور کا بیان ہے کہ یہ اتنا مُغفَّل انسان تھا کہ اگر زمین پر کوئی کاغذ کا پُرزہ مل جاتا اور اس میں کوئی روایت لکھی ہوتی تو اسے امام لیث اور زہری کی جانب منسوب کر دیتا " [1]

صدیقی صاحب نے اپنی اس تحریر میں امام سعید بن منصور پر بہت بڑا بہتان باندھا ہے انہوں نے یہ بات ہرگز نہیں کہی۔ قارئین ان کے اپنے الفاظ ملاحظہ فرمائیں تاکہ صدیقی صاحب کے بہتان کی قلعی کھل جائے۔

امام ذہبیؒ لکھتے ہیں:

" قال سعید بن منصور کلمنی یحیی بن معین قال احب ان تمسك عن عبد الله بن صالح فقلت لا امسك عنه وانا اعلم الناس به انما كان كاتبا للضياع "۔ [2]

---

[1] شب برات کیا ہے ص ۲۲۔

[2] میزان الاعتدال ج ۲ ص ۴۴۱۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

امام سعید بن منصور فرماتے ہیں کہ مجھ سے یحییٰ بن معین نے گفتگو کرتے ہوئے کہا میری خواہش ہے کہ آپ عبداللہ بن صالح سے ٹک جائیں، میں نے کہا کہ میں تو ان سے نہیں رُک سکتا جبکہ میں انہیں لوگوں سے زیادہ جانتا ہوں، وہ ضِیَاغ کی لکھت پڑھت کرتے تھے،

قارئین محترم ملاحظہ فرمائیے کہ حضرت سعید بن منصور کے قول میں یہ بات ہے کہ عبداللہ بن صالح مُغَفَّل انسان تھا؟ اور کیا انہوں نے فرمایا ہے کہ اگر عبداللہ بن صالح کو زمین پر کوئی کاغذ کا پُرزہ مل جاتا اور اس میں کوئی روایت لکھی ہوتی تو وہ اسے امام لیث اور زہری کی طرف منسوب کر دیتا تھا؟ اصل بات یہ ہے کہ صدیقی صاحب نے دھوکہ دہی اور خیانت سے کام لیتے ہوئے ایک صحیح بات کا جنگڑہ بنایا ہے اس لیے کہ ضِیَاغ، ضَیْعَۃٌ کی جمع ہے جس کے معنی جائداد کے آتے ہیں اس صورت میں معنی ہوگا کہ عبداللہ بن صالح جائداد کی لکھت پڑھت کرتے تھے لیکن صدیقی صاحب نے اس کے معنی زمین پر گرے پڑے کاغذ کے پرزہ کے کر کے خود ساختہ مطلب مراد لیا ہے اور دھوکہ دینے کی کوشش کی ہے۔

صدیقی صاحب لکھتے ہیں:

" امام ابن خزیمہ فرماتے ہیں یہ ایک پاگل انسان تھا " [1]

صدیقی صاحب نے امام ابن خزیمہؒ پر بہتان باندھا ہے، صدیقی صاحب کے حواریین کو ہمارا چیلنج ہے کہ اگر ہمت ہے تو یہ الفاظ میزان الاعتدال سے نکال کر دکھائیں، دیدہ باید۔

---

[1] شب برات کیا ہے ص ۲۲

Telegram : t.me/pasbanehaq1

صدیقی صاحب لکھتے ہیں :

" صالح جزرہ کہتے ہیں کذاب ہے " [1]

صدیقی صاحب نے امام صالح جزرہ کی آدھی بات نقل کی ہے اور آدھی کھا گئے ہیں اور جو نقل کی ہے اس کا مطلب بھی غلط لیا ہے، قارئین امام جزرہ کی پوری بات ملاحظہ فرمائیں۔

امام ذہبیؒ لکھتے ہیں :

" قال صالح جزرة كان ابن معين يوثقه وهو عندي يكذب في الحديث " [2]

امام صالح جزرہ فرماتے ہیں یحیی بن معین عبداللہ بن صالح کو ثقہ قرار دیتے تھے، لیکن وہ میرے نزدیک حدیث میں خطا کے مرتکب ہوتے ہیں،

قارئین محترم یہ ہیں صدیقی صاحب کی کارستانیاں جن پر ان کے حواری انہیں محقق دوراں اور امام الحدیث، نقاد، اور ماہر تاریخ جیسے القابات سے نوازتے ہیں۔

؎ خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

قارئین محترم : عبداللہ بن صالح صدوق اور ثقہ راوی ہیں امام بخاریؒ نے ان سے تعلیقاً اور ان کے علاوہ امام ترمذیؒ، امام ابوداودؒ، امام نسائیؒ اور امام ابن ماجہؒ نے ان سے اصالتاً روایات لی ہیں لہٰذا ان کی یہ روایت بالکل صحیح ہے اور اس کا مرسل ہونا ہمارے نزدیک کوئی عیب نہیں، یہی وجہ ہے کہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس روایت کو مرسل تو ضرور کہا ہے لیکن اس پر جرح کوئی نہیں کی صدیقی صاحب نے اس کے متعلق جو خامہ فرسائی کی ہے سب بیکار ہے۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

صدیقی صاحب لکھتے ہیں:

" اس سے یہ ثابت ہوا کہ نہ تو یہ روایت مغیرہ بن اخنس نے بیان کی تھی، نہ امام زہری نے اور نہ امام لیث اس کے ذمہ دار ہیں، بلکہ یہ عبداللہ بن صالح نے گھڑ کر یا کسی فرضی زمین پر پڑے ہوئے پرچہ کو دیکھ کر ان حضرات کی جانب منسوب کی اور یہ روایت دو سو سال بعد وجود میں آئی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان حضرات محدثین کی ذات اس جھوٹ سے مبرا ہے" [1]

ایسے محسوس ہوتا ہے کہ یا تو صدیقی صاحب کی عقل ماؤف ہو گئی تھی اور وہ جو جی میں آتا تھا لکھتے جاتے تھے، یا پھر وہ فنِ حدیث سے بالکل جاہل تھے۔ وجہ یہ ہے کہ اوّل تو عبداللہ بن صالح ثقہ راوی ہیں۔ اُن کے بارے میں یہ کہنا کہ انہوں نے یہ روایت گھڑ کر محدثین کیطرف منسوب کر دی ہے یہ انتہائی ناانصافی ہے، اگر رُواۃِ حدیث کے بارے میں یہی انداز اپنایا گیا تو کوئی حدیث بھی اس کی زد سے نہیں بچ سکے گی،

دوسری بات یہ ہے کہ اس حدیث کو امامِ لیث سے روایت کرتے میں عبداللہ بن صالح منفرد بھی نہیں ہیں بلکہ ان کے دو متابع (۱) آدم بن ابی ایاس (۲) اور سعید بن سلیمان موجود ہیں۔

قارئین دونوں کی روایات ملاحظہ فرمائیں

حافظ ابن جریر طبریؒ یہی روایت اپنی سند سے اس طرح بیان کرتے ہیں۔

" حدثنی عبید بن آدم بن ابی ایاس قال ثنا ابی قال ثنا اللیث عن عقیل بن خالد عن ابن

---

[1] شب برات کیا ہے ص ۲۲

Telegram : t.me/pasbanehaq1

شہاب عن عثمان بن محمد بن المغیرة بن الاخنس ،، الخ [1]

آدم بن ابی ایاسؒ صحاح ستہ کے راوی ہیں آپ کے متعلق حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں۔

" آدم بن ابی ایاس عبد الرحمٰن العسقلانی اصلہ خراسانی یکنی ابا الحسن نشأ ببغداد ثقة عابد من التاسعة مات سنة احدی وعشرین" [2]

آدم بن ابی ایاس اصلاً خراسانی ہیں ابو الحسن کنیت ہے بغداد میں نشوونما پائی ہے ثقہ ہیں عبادت گزار ہیں نویں درجہ کے راوی ہیں ۲۲۱ھ میں وفات پائی ہے۔

امام بیہقی رحمہ اللہ یہ روایت اپنی سند سے اس طرح بیان کرتے ہیں۔

" اخبرنا ابو عبد اللہ الحافظ و محمد بن موسی قالا نا ابو العباس الاصم نا محمد بن علی الوراق نا سعید بن سلیمان نا لیث بن سعد عن عقیل عن الزھری عن عثمان بن محمد بن المغیرة الاخنس " [3]

سعید بن سلیمانؒ صحاح ستہ کے راوی ہیں آپ کے متعلق حافظ ابن حجرؒ رقمطراز ہیں :

---

[1] جامع البیان فی تفسیر القرآن جزء ۲۵ ص ۶۵

[2] تقریب التہذیب ص

[3] شعب الایمان بیہقی ج ۳ ص ۳۸۶

Telegram : t.me/pasbanehaq1

"سعید بن سلیمان الضبی ابو عثمان الواسطی نزیل بغداد البزاز لقبہ سعدویہ ثقۃ حافظ من کبار العاشرۃ مات سنۃ خمس و عشرین و لہ مائۃ سنۃ"[1]

ابو عثمان الواسطی سعید بن سلیمان الضبی بغداد میں رہتے تھے پارچہ باف تھے ان کا لقب سعدویہ تھا ثقہ اور حافظ الحدیث تھے دسویں طبقہ کے کبار محدثین میں سے تھے ۱۲۵ آمیں سو سال کی عمر میں وفات پائی۔

ان حالات میں صدیقی صاحب کا یہ کہنا کہ " یہ عبداللہ بن صالح نے گھڑ کر یا کسی فرضی زمین پر پڑے ہوئے پرچہ کو دیکھ کر ان حضرات کی جانب منسوب کر دی" انصاف کا خون کرنے کے مترادف ہے۔

صدیقی صاحب کی جہالت

صدیقی صاحب لکھتے ہیں :

" افسوس کہ امام لیث کو اچھا شاگرد نہ مل سکا ورنہ شاید آج روئے زمین پر امام لیث کا مسلک بھی پایا جاتا " [2]

اس تحریر سے ایسے لگتا ہے جیسے صدیقی صاحب کے نزدیک امام لیث کے صرف ایک ہی شاگرد تھے عبداللہ بن صالح ، اور عبداللہ بن صالح ان کے نزدیک اچھے آدمی نہ تھے اس لیے وہ افسوس کا اظہار کر رہے ہیں، ہمیں تو خود صدیقی صاحب کی جہالت پر افسوس ہو رہا ہے کہ انہیں یہ بھی معلوم نہیں کہ امام لیث کے صرف ایک

---

[1] تقریب التہذیب
[2] شب برات کیا ہے ص ۲۳

Telegram : t.me/pasbanehaq1

ہی شاگرد نہیں بلکہ اور بھی کئی ایک ہیں چنانچہ آدم بن ابی ایاس بھی ان کے شاگرد ہیں جن کا اوپر تذکرہ گزرا۔ ان کے علاوہ ابن وھب، سعید بن ابی مریم، یحیی بن بکیر، یحیی بن یحیی نیشاپوری، یحیی بن یحیی قرطبی، قتیبہ بن سعید، محمد بن رمح، عیسی بن حماد، ابو الجہم وغیرہم بھی ان کے شاگرد ہیں کسی کے مسلک کا پایا جانا شاگردوں کی وجہ سے ضروری نہیں ہوتا یہ تو اللہ تعالی کا معاملہ ہے اس نے جس کا مسلک چاہا باقی رکھا جس کا چاہا ختم کردیا۔ صدیقی صاحب کے حواری بتائیں کہ ان اکابر محدثین میں کوئی بھی اچھا نہیں ہے؟

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث

آگے صدیقی صاحب نے "بقیع کی کہانی" کا عنوان قائم کرکے ص ۲۳ سے ص ۳۵ تک سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کے خلاف خوب دل کا غبار نکالا ہے اور وہ یہ سمجھ رہے ہیں کہ شاید شبِ برات کی ساری فضیلت صرف اسی ایک حدیث سے متعلق ہے اور احادیث ہیں ہی نہیں، اور شبِ برات کی فضیلت میں جب تک یہ حدیث بیان نہ ہو اس کی فضیلت کا بیان ہی ناتمام رہتا ہے اسی لیے صدیقی صاحب اس حدیث کے متعلق امام ترمذیؒ کا قول نقل کرتے ہوئے گوہر افشانی کرتے ہیں۔

"یہ دوسری بات ہے کہ اس دور کے علماء ان کے فیصلہ کو بیان نہ کریں اور شیرِ مادر سمجھ کر ہضم کرجائیں، اس لیے کہ اگر یہ علماء امام ترمذی کا وہ قول بھی نقل کردیں تو قصہ بقیع کی تمام عمارت زمین کے برابر ہوجائے گی، پھر یہ مجھے کیسے لگیں گے اور بازار میں ان کے مصنوعی مال کی مارکیٹ کیسے قائم ہوگی"۔ [1]

---

[1] شبِ برات کیا ہے ص ۲۲

Telegram : t.me/pasbanehaq1

یہ خیالات صدیقی صاحب کو مبارک ہوں ہمیں ان کے اس تبصرے کی کوئی پروا نہیں لیکن اُن کے حواریین کو سمجھ لینا چاہیے کہ شبِ برات کی فضیلت نہ اس روایت پر موقوف ہے اور نہ ہمیں اس روایت کے بیان کرنے پر اصرار ہے مگر ہمیں اس پر ضرور حیرت ہے کہ صدیقی صاحب اس حدیث کو موضوع قرار دے کر آخر اسلام کی کونسی خدمت کرنا چاہتے ہیں اور کونسی سنت کا احیاء ان کے پیش نظر ہے۔ ؟

قارئین محترم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث درج ذیل محدثین نے اپنی اپنی کتابوں میں ذکر کی ہے،

امام ترمذیؒ نے اپنی جامع میں، امام ابن ماجہؒ نے اپنی سنن میں، امام احمد بن حنبلؒ نے اپنی مسند میں، امام بیہقیؒ نے شعب الایمان اور فضائل الاوقات میں امام ابوبکر ابن ابی شیبہؒ نے اپنے مصنف میں، امام بغویؒ نے شرح السنۃ میں، امام عبد بن حمیدؒ نے اپنی مسند میں، شیخ ولی الدین الخطیبؒ نے مشکوٰۃ المصابیح میں لیکن ان جلیل القدر محدثین میں سے کسی نے بھی اس حدیث کو شدید قسم کی ضعیف یا موضوع قرار نہیں دیا، اس کے تمام راوی ثقہ ہیں اور اسے دیگر متعدد طرق سے تقویت حاصل ہے لہٰذا یہ حدیث حسن اور صحیح لغیرہ کے درجہ کی ہے۔ چنانچہ ناصر الدین البانی اس حدیث کے بارے میں رقم طراز ہیں:

" وجملة القول ان الحديث بمجموع هذه الطرق صحيح بلا ريب والصحة تثبت باقل منها عددًا ما دامت سالمة من الضعف الشديد كما هو الشان في هذا الحديث "[1]

---

[1] سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ ج ۳ ص ۱۳۸۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ یہ حدیث ان تمام طُرُق کے سبب بلاشک شبہ صحیح ہے ۔ اور حدیث کی صحت تو ان طرق سے بھی کم سے ثابت ہو جاتی ہے جب تک کہ وہ ضعفِ شدید سے سلامت رہے، جیسا کہ اس حدیث کا معاملہ ہے ۔

صدیقی صاحب نے حدیث کی مشہور کتاب سنن ابن ماجہ کے بارے میں اس روایت کے نقل کرنے کی وجہ سے جو کچھ لکھا ہے اس میں جھوٹ اور دھوکہ دہی سے کام لیا ہے، اگر ہم اس کے جواب کی طرف متوجہ ہوں تو بات لمبی ہو جائے گی، قارئین اس کی بابت مولانا عبدالرشید نعمانی صاحب کی کتاب "ابن ماجہ اور علم حدیث" کا مطالعہ فرمائیں انشاء اللہ صدیقی صاحب کے ڈھول کا پول کھل جائے گا ۔ البتہ انہوں نے امام ترمذیؒ کے حوالے سے اس حدیث کے بارے میں جو بات نقل کر کے اس پر اپنی طرف سے حاشیہ آرائی کی ہے اس کے متعلق ہم ضرور کچھ عرض کریں گے ۔

امام ترمذی رحمہ اللہ اس حدیث کو ذکر کر کے فرماتے ہیں ۔

" حدیث عائشة لا نعرفه الا من هذا الوجه من حديث الحجاج وسمعت محمدًا يقول يضعف هذا الحديث وقال يحيى بن ابي كثير لم يسمع من عروة قال محمد والحجاج لم يسمع من يحيى بن ابي كثير" [1]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث حجاج بن ارطاۃ کی اسی سند سے

---

[1] ترمذی ج ۱ ص ۱۵۶ باب ما جاء فی لیلۃ النصف من شعبان ۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

ہمیں معلوم ہوئی ہے اور امام بخاری رحمہ اللہ کو میں نے یہ کہتے سنا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے، کیونکہ یحیی بن ابی کثیر نے عروہ سے سماعت نہیں کی اور امام بخاریؒ کا کہنا ہے کہ حجاج بن ارطاۃ نے یحیی بن ابی کثیر سے سماعت نہیں کی'۔

امام ترمذی رحمہ اللہ کا کہنا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ اس حدیث کو ضعیف قرار دیتے ہیں وجہ ضعف کی یہ ہے کہ اس میں دو جگہ انقطاع ہے ایک تو یہ کہ حجاج بن ارطاۃ نے یحیی بن ابی کثیر سے سماعت نہیں کی، دوسرے یہ کہ خود یحیی بن ابی کثیر نے عروہ سے سماعت نہیں کی، بس ضعف کی فقط اتنی وجہ ہے'

اس کے متعلق عرض ہے کہ اول تو علامہ عینی رحمہ اللہ[1] کے بقول کچھ لوگ یحیی بن کثیر کی عروہ سے سماعت کے قائل ہیں اس صورت میں انقطاع فقط ایک رہ جاتا ہے، اور اگر عدم سماع ہی کا قول کیا جائے تو بھی اس حدیث میں سوائے انقطاع کے کوئی عیب نہیں اور عند الاحناف غیر القرون کا ارسال و انقطاع مضر نہیں جبکہ اس کے رُواۃ بھی ثقہ ہیں اور اس کی تائید بھی دیگر روایتوں سے ہو رہی ہے اسی لیے البانی صاحب نے اسے بلا شک و شبہ صحیح قرار دیا ہے حالانکہ موصوف معمولی جرح کی وجہ سے حدیث کو ضعیف اور موضوع قرار دے دیتے ہیں۔

صدیقی صاحب کی اصولِ حدیث سے جہالت

صدیقی صاحب لکھتے ہیں:

" اس طرح یہ روایت دو مقام سے منقطع ہوئی اور منقطع روایت

---

[1] دیکھئے عمدۃ القاری ج ۱۱ ص ۸۲

Telegram : t.me/pasbanehaq1

محدثین کے نزدیک ناقابل قبول ہے اور جو روایت دو جگہ سے منقطع ہو وہ محدثین کے نزدیک معضل کہلاتی ہے جو انتہائی شدید قسم کی ضعیف بلکہ منکر و مردود ہوتی ہے، اسی لیے حافظ بدرالدین عینی حنفی، ابن دحیہ اور ابن العربی مالکی نے اسے موضوع قرار دیا۔ [1]

پیچھے ہم عرض کر چکے ہیں کہ منقطع حدیث احناف کے یہاں قابلِ قبول ہے لہٰذا صدیقی صاحب کا علی الاطلاق یہ کہنا کہ منقطع روایت محدثین کے نزدیک ناقابلِ قبول ہے غلط ہے۔

صدیقی صاحب کا یہ کہنا کہ جو روایت دو جگہ سے منقطع ہو وہ محدثین کے نزدیک معضل کہلاتی ہے یہ بھی علی الاطلاق درست نہیں بلکہ اس میں یہ قید ہے کہ دو جگہ سے انقطاع متصلاً ہو اگر درمیان میں واسطہ آجائے تو وہ معضل نہیں رہتی اور اس روایت میں دو جگہ سے انقطاع متصلاً نہیں ہے درمیان میں واسطہ ہے لہٰذا صدیقی صاحب کا اسے معضل قرار دینا غلط ہے جو اصولِ حدیث سے جہالت کا نتیجہ ہے۔ باقی صدیقی صاحب کا یہ کہنا کہ فلاں فلاں نے اسے موضوع قرار دیا ہے، بلا حوالہ ہے اُن کے حواری اس کا حوالہ پیش فرمائیں دیدہ باید

صدیقی صاحب کا جھوٹ

صدیقی صاحب نے حسبِ سابق حجاج بن ارطاۃ کے متعلق بھی "میزان الاعتدال" سے توڑ مروڑ کر جرحیں تو نقل کیں لیکن ان کے متعلق محدثین کی توثیق اور اُن کا فیصلہ نقل نہیں کیا اور ساتھ ہی یہ جھوٹ بولدیا کہ

---

[1] شبِ برات کیا ہے ص ۲۷

Telegram : t.me/pasbanehaq1

"حجاج بن ارطاۃ تمام محدثین کے نزدیک ضعیف ہے"[1]

ہم قارئین کے سامنے حجاج بن ارطاۃ کی توثیق کے متعلق محدثین کے اقوال اور اُن کا فیصلہ ذکر کرتے ہیں تاکہ صدیقی صاحب کے اس جھوٹ کا پول بھی کھل جائے

حجاج بن ارطاۃ کی توثیق

(۱) امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں:

"کان من الحفاظ"[2]

حجاج بن ارطاۃ حفاظِ حدیث میں سے تھے،

(۲) حماد بن زیدؒ فرماتے ہیں:

"قدم علینا حجاج بن ارطاۃ وھو ابن احدی وثلاثین سنۃ فرأیت علیہ من الزحام مالم ارہ علی حماد بن ابی سلیمان، رأیت عندہ مطر الوراق وداود بن ابی ھند ویونس جثاۃ علی ارجلھم یقولون ما تقول فی کذا وما تقول فی کذا"[3]

حجاج بن ارطاۃ ہمارے پاس آئے اس وقت ان کی عمر ۳۱ سال تھی، میں نے ان کے ارد گرد اس قدر ازدحام دیکھا کہ اتنا ازدحام تو حماد بن ابی سلیمان کے ارد گرد بھی نہیں دیکھا تھا میں نے اُن کے پاس

---

[1] شب برات کیا ہے ص ۲۸

[2] میزان الاعتدال ج ۱ ص ۴۵۸

[3] ایضاً ص ۴۵۹

Telegram : t.me/pasbanehaq1

مطر الوراق، داود بن ابی ہند اور یونس کو دیکھا کہ دوزانو بیٹھے ہیں اور پوچھ رہے ہیں کہ اس بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں اور اس سلسلہ میں آپ کیا فرماتے ہیں؟

(۳) امام شعبہ بن حجاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"اکتبوا عن حجاج بن ارطاۃ وابن اسحٰق فانہما حافظان" [1]

حجاج بن ارطاۃ اور ابن اسحٰق دونوں سے حدیثیں لکھو کیونکہ یہ دونوں حافظ الحدیث ہیں۔

(۴) امام سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"علیکم بہ فانہ ما بقی احد اعرف بما یخرج من رأسہ منہ" [2]

تم لوگ حجاج بن ارطاۃ کو لازم پکڑ لو کیونکہ اب کوئی ایسا باقی نہیں رہا جو اپنے سر سے نکلی ہوئی بات کو حجاج سے زیادہ جانتا ہو۔

(۵) امام ابوزرعہؒ فرماتے ہیں:

"صدوق یدلس" [3]

یہ سچے ہیں تدلیس سے کام لیتے ہیں۔

(۶) امام بزارؒ فرماتے ہیں:

"کان حافظا مدلسا" [4] الخ؟

---

[1] میزان الاعتدال ج ۱ ص ۴۶۰

[2] تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۱۹۶

[3] تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۱۹۷ [4]

Telegram : t.me/pasbanehaq1

حجاج بن ارطاۃ حافظ الحدیث تھے۔ تولیس کرتے تھے۔

(۷) حضرت سفیان بن عیینہؒ فرماتے ہیں۔

"سمعت بن ابی نجیح یقول ما جاءنا منکم ـــــ مثله یعنی الحجاج بن ارطاۃ"[1]

میں نے ابن ابی نجیح کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ہمارے پاس حجاج بن ارطاۃ جیسا شخص تم میں سے کوئی اور نہیں آیا،

(۸) امام ذہبیؒ نے حجاج بن ارطاۃ کو "احد الاعلام" اور "اوعیۃ العلم" - علم کا خزانہ لکھا ہے۔ [2]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"اکثر ما نقم علیہ التدلیس"[3]

حجاج بن ارطاۃ پر زیادہ سے زیادہ جو الزام لگایا گیا ہے وہ فقط تدلیس کا ہے۔

قارئین ملاحظہ فرمائیے کبار محدثین حجاج بن ارطاۃ کی توثیق کر رہے ہیں لیکن صدیقی صاحب ہیں کہ انہیں صرف عیوب ہی نظر آتے ہیں چاہے وہ اس میں فی الواقع ہوں یا نہ ہوں ؎ چشم بد اندیش بر کندہ باد
عیب نماید ہنرش در نظر

امام شعبہؒ جن کا قاعدہ ہے کہ وہ صرف ثقہ راویوں ہی سے روایت لیتے ہیں وہ حجاج بن ارطاۃ سے صرف یہی نہیں کہ خود روایت لیتے ہیں بلکہ دوسروں سے بھی کہتے ہیں کہ تم ان سے حدیثیں لکھو۔ اسی پر بس نہیں۔ حضرت امام بخاری رحمہ اللہ

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۱۹۶۔

[2] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۸۶۔

[3] ایضاً ص ۱۹۸۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

نے حجاج بن ارطاۃ سے تعلیقاً روایت لی ہے۔

چنانچہ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں:

" قد رایت لہ فی البخاری روایۃ واحدۃ متابعۃ تعلیقاً فی کتاب العتق " [1]

میں نے بخاری شریف کی کتاب العتق میں ان کی ایک روایت بطور متابعت اور تعلیق کے دیکھی ہے۔

اور امام مسلم رحمہ اللہ نے بھی ان سے مقروناً روایت لی ہے۔

چنانچہ علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں۔

" قلت خرج لہ مسلم مقروناً بآخر " [2]

میں کہتا ہوں کہ امام مسلمؒ نے ان سے مقروناً روایت لی ہے

ان کے علاوہ دیگر اصحابِ صحاح ستہ نے بھی ان سے روایت لی ہے،

امام ترمذیؒ نے ایک مقام پر ان کی حدیث کو حسن قرار دیا ہے اور ایک مقام پر ایک حدیث کے بارے میں حسنٌ صحیحٌ کہا ہے۔ [3]

مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

" وابن ارطاۃ ان لم یکن من رجال الصحیح فھو حسن الحدیث حتما کما فی تدریب الراوی " [4]

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۹۸۔

[2] میزان الاعتدال ج ۱ ص ۴۵۹۔

[3] احسن الکلام ج ۲ ص ۱۵۱

[4] اعلاء السنن ج ۳ ص ۵۷

Telegram : t.me/pasbanehaq1

حجاج بن ارطاۃ اگرچہ رجالِ صحیح میں سے نہیں ہیں تاہم انکی حدیث یقیناً حسن درجہ کی ہے جیساکہ تدریب الراوی میں ہے،

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ حجاج بن ارطاۃ کی اس قدر محدثین نے توثیق کی ہے زیادہ سے زیادہ الزام اُن پر تدلیس کا ہے، محدثین نے اُن کی روایت کو قبول کیا ہے اور ان کی حدیث کم از کم حسن درجے کی قرار دی ہے۔ رہا ان کا مدلس ہونا تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ ہمارے ——— نزدیک خیر القرون کی تدلیس مضر نہیں ہے، لہٰذا صدیقی صاحب کا یہ کہنا کہ — "حجاج کی تو روایت ہی قابلِ قبول نہیں ..... حجاج بن ارطاۃ تمام محدثین کے نزدیک ضعیف ہے" یہ محدثین کے متعلق کھلا جھوٹ ہے جو صدیقی صاحب کی اصولِ حدیث اور اسماء الرجال سے جہالت کا نتیجہ ہے،

صدیقی صاحب لکھتے ہیں:

"بقیع کا قصہ جہاں عقلاً و نقلاً غلط ہے جیساکہ آپ سطورِ بالا میں پڑھ چکے ہیں وہاں سراسر احادیثِ صحیحہ اور تاریخ کے بھی خلاف ہے، مؤطا امام اور سنن نسائی میں صحیح سند کے ساتھ اس واقعہ کی صورت یہ بیان کی گئی ہے۔

ام المؤمنین فرماتی ہیں:

قام رسول الله	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
صلى الله عليه وسلم	ایک رات اُٹھے، پھر اپنے
ذات ليلة فلبس	کپڑے پہنے اور باہر تشریف
ثيابه ثم خرج	لے گئے۔ ام المؤمنین کہتی ہیں
قالت فامرت	میں نے اپنی باندی بریرہ رض

Telegram : t.me/pasbanehaq1

جا ریتی بریرة	کو حکم دیا کہ وہ آپکا پیچھا
تتبعه فتبعه	کرے ۔ وہ آپ کے پیچھے
حتی جاء البقیع	گئی حتیٰ کہ آپ بقیع پہنچے
فوقف فی	اور وہ کنارے کھڑے
ادناه ماشاء	ہوئے ۔ جب تک اللہ
الله ان یقف	نے چاہا کھڑے رہے پھر
ثم انصرف	واپس لوٹے ۔ بریرہؓ پہلے
فسبقته بریرة	پہنچ گئی ۔ اس نے مجھے
فاخبرتنی فلم	اطلاع دی ۔ میں نے صبح
اذکر له شیئا	تک آپ سے کوئی ذکر نہیں
حتی اصبح ثم	کیا ۔ صبح کے بعد میں نے
ذکرت ذلك له	آپ سے ذکر کیا ۔ آپ
فقال انی بعثت	نے فرمایا مجھے اہلِ بقیع کی
الی اهل البقیع لاصلی	جانب بھیجا گیا تھا تاکہ میں
علیهم	اُن کیلئے دعائے مغفرت کروں

(نسائی ج ۱ ص ۲۰۶ ، موطا امام مالک ص ۸۵)

یہ حدیث صحیح علی الاعلان یہ ثابت کر رہی ہے کہ نہ ام المؤمنین نے پیچھا کیا تھا اور نہ شبِ تبرا کی کوئی خوبی بیان کی گئی تھی اور نہ اس شب مخصوصہ کے باعث آپ بقیع تشریف لے گئے تھے ۔ بلکہ وہاں جانے کی صرف وجہ یہ تھی کہ آپ کو اہل بقیع کے لیے دعائے مغفرت کا حکم دیا گیا تھا اور یہ حکم قرآن میں صراحتاً موجود ہے ۔ ارشاد ہے ۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

وَصَلِّ عَلَيْهِمْ اِنَّ	اور ان کے لیے دعائے
صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ	رحمت کیجئے، بیشک تمہاری دعا
البراءت ۱۰۳	ان کے لیے سکون کا باعث ہے

گویا آپ اس حکم الٰہی پر عمل کرنے کے لیے بقیع تشریف لے گئے تھے، [1]

قارئین محترم! یہاں بھی صدیقی صاحب نے انتہائی دجل و تلبیس دھوکہ دہی و خیانت سے کام لیا ہے، صدیقی صاحب نے سنن نسائی کے جس صفحہ سے یہ حدیث نقل کی ہے اسی صفحہ پر اس حدیث سے متصلاً پہلی حدیث وہ ہے جس میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بقیع جانے اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا آپ کے پیچھے جانے کا تفصیلاً ذکر ہے ملاحظہ فرمائیے وہ حدیث یہ ہے،

اَخْبَرَنَا يُوْسُفُ بْنُ	حضرت محمد بن قیس بن
سَعِيْدٍ قَالَ حَدَّثَنَا	بن مخرمہ حضرت عائشہ
حَجَّاجٌ عَنِ ابْنِ	رضی اللہ عنہا سے نقل
جُرَيْجٍ قَالَ اَخْبَرَنِيْ	کرتے ہیں کہ انہوں نے
عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ اَبِيْ	فرمایا: کیا میں تمہیں اپنے
مُلَيْكَةَ اَنَّهٗ سَمِعَ	اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ
مُحَمَّدَ بْنَ قَيْسِ	وسلم کے متعلق نہ بتاؤں؟
بْنِ مَخْرَمَةَ يَقُوْلُ	ہم نے عرض کیا: ضرور
سَمِعْتُ عَائِشَةَ تُحَدِّثُ	بتائیے۔ فرمانے لگیں:
قَالَتْ اَلَا اُحَدِّثُكُمْ	ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ

---

[1] شب برات کیا ہے ص ۳۰-۳۱

Telegram : t.me/pasbanehaq1

عَنِّیْ وَعَنِ النَّبِیِّ
صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ
قُلْنَا بَلٰی قَالَتْ
لَمَّا کَانَتْ لَیْلَتِی
الَّتِیْ ھُوَ عِنْدِیْ
نَعَسَنِی النَّبِیُّ صَلَّی
اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ انْقَلَبَ
فَوَضَعَ نَعْلَیْہِ عِنْدَ
رِجْلَیْہِ وَبَسَطَ طَرَفَ
اِزَارِہٖ عَلٰی فِرَاشِہٖ
فَلَمْ یَلْبَثْ اِلَّا رَیْثَمَا
ظَنَّ اَنْ قَدْ رَقَدْتُّ
ثُمَّ انْتَعَلَ رُوَیْدًا
وَّ اَخَذَ رِدَآءَہٗ رُوَیْدًا
ثُمَّ فَتَحَ الْبَابَ
رُوَیْدًا وَّخَرَجَ رُوَیْدًا
وَجَعَلْتُ دِرْعِیْ فِیْ
رَأْسِیْ وَاخْتَمَرْتُ
وَتَقَنَّعْتُ اِزَارِیْ
وَانْطَلَقْتُ فِیْ اِثْرِہٖ
حَتّٰی جَآءَ الْبَقِیْعَ

علیہ وسلم کی میرے پاس
رہنے کی باری تھی۔ چنانچہ
آپؐ میرے پاس تھے۔ آپؐ
نے اپنی جوتیاں پیروں کے
پاس رکھ لیں اور چادر بچھا
کر صرف اتنی دیر لیٹے کہ آپ
سمجھے کہ میں سو گئی ہوں
آپؐ نے چپکے سے جوتیاں
پہنیں، چپکے سے چادر
اٹھائی، چپکے سے دروازہ
کھولا اور چپکے سے نکل
گئے۔ میں نے یہ دیکھا تو
میں نے بھی اپنا کرتہ اٹھا
کر سر پر ڈالا، اوڑھنی سر پر
باندھی، تہ بند لپیٹا اور آپ
کے پیچھے پیچھے چل دی۔ یہاں
تک کہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم بقیع تک
گئے پھر دونوں ہاتھ تین
مرتبہ اوپر اٹھائے اور کافی
دیر تک کھڑے رہے۔ پھر

Telegram : t.me/pasbanehaq1

فَرَفَعَ يَدَيْهِ ثَلٰثَ
مَرَّاتٍ فَاَطَالَ ثُمَّ
انْحَرَفَ فَانْحَرَفْتُ
فَاَسْرَعَ فَاَسْرَعْتُ
فَهَرْوَلَ فَهَرْوَلْتُ
فَاَحْضَرَ فَاَحْضَرْتُ
وَسَبَقْتُهُ فَدَخَلْتُ
فَلَيْسَ اِلَّا اَنْ
اضْطَجَعْتُ فَدَخَلَ
فَقَالَ مَا لَكِ يَا
عَائِشَةُ حَشْيٰى
رَابِيَةٌ قَالَتْ لَا
قَالَ لَتُخْبِرِيْنِيْ اَوْ
لَيُخْبِرَنِّيَ اللَّطِيْفُ
الْخَبِيْرُ قُلْتُ يَا
رَسُوْلَ اللّٰهِ بِاَبِيْ
اَنْتَ وَاُمِّيْ فَاَخْبَرْتُهُ
الْخَبَرَ قَالَ وَاَنْتِ
السَّوَادُ الَّذِيْ رَاَيْتُ
اَمَامِيْ قَالَتْ نَعَمْ
فَلَهَزَنِيْ فِيْ صَدْرِيْ

آپؐ واپس ہوئے تو میں
بھی واپس ہوئی آپؐ
جلدی چلے تو میں بھی جلدی
چلی، آپؐ دوڑے تو میں
بھی دوڑنے لگی۔ پھر آپؐ
تیز دوڑنے لگے میں بھی
تیز دوڑنے لگی اور آپ
سے آگے بڑھ کر گھر میں
داخل ہو گئی اور ابھی لیٹی
ہی تھی کہ رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم بھی داخل ہو
گئے اور فرمایا: عائشہ کیا
بات ہے تمہارا سانس پھول
رہا ہے اور پیٹ پھولا ہوا
ہے۔ میں نے کہا کچھ نہیں
آپؐ نے فرمایا: یا تو تم خود
مجھے بتا دو ورنہ تمام باریکیوں
کا علم رکھنے والا تو مجھے
بتا ہی دے گا میں نے
عرض کیا: یا رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم میرے ماں

Telegram : t.me/pasbanehaq1

لَهْزَةً اَوْجَعَتْنِیْ
ثُمَّ قَالَ اَظَنَنْتِ
اَنْ یَّحِیْفَ اللّٰهُ
عَلَیْكِ وَرَسُوْلُهٗ
قُلْتُ مَهْمَا یَكْتُمِ
النَّاسُ فَقَدْ عَلِمَهُ
اللّٰهُ قَالَ فَاِنَّ
جِبْرَئِیْلَ اَتَانِیْ
حِیْنَ رَاَیْتِ وَلَمْ
یَدْخُلْ عَلَیَّ وَقَدْ
وَضَعْتِ ثِیَابَكِ فَنَادَانِیْ
فَاَخْفٰی مِنْكِ فَاَجَبْتُهٗ
فَاَخْفَیْتُهٗ مِنْكِ
فَظَنَنْتُ اَنَّكِ قَدْ
رَقَدْتِ وَكَرِهْتُ
اَنْ اُوْقِظَكِ وَخَشِیْتُ
اَنْ تَسْتَوْحِشِیْ فَاَمَرَنِیْ
اَنْ اٰتِیَ الْبَقِیْعَ
فَاَسْتَغْفِرَ لَهُمْ قُلْتُ
كَیْفَ اَقُوْلُ یَا رَسُوْلَ
اللّٰهِ؛ قَالَ قُوْلِیْ

باپ آپؐ پر قربان اور
پھر میں نے آپؐ کو پوری
بات بتا دی۔ آپؐ نے
فرمایا: تو وہ سیاہی تم ہی
تھیں جو میں اپنے سامنے دیکھ
رہا تھا۔ میں نے عرض کیا:
جی ہاں۔ پھر آپؐ نے میرے
سینے پر ہاتھ مارا جس سے
مجھے تکلیف ہوئی۔ پھر فرمایا:
کیا تم سمجھتی ہو کہ اللہ اور
اس کا رسول تم پر ظلم کر
سکتے ہیں۔ میں نے عرض کیا
لوگ جتنا مرضی چھپائیں اللہ
تو سب چیزوں کا علم رکھتا
ہے۔ پھر آپؐ نے فرمایا:
جب تم نے مجھے دیکھا اس وقت
جبریل علیہ السلام آئے
تھے لیکن چونکہ تم کپڑے اُتار
چکی تھیں اس لیے اندر نہیں
آئے۔ پھر انہوں نے تم سے
چھپا کر مجھے آواز دی اور

Telegram : t.me/pasbanehaq1

السلام علی اھل الدیار من المؤمنین والمسلمین و یرحم اللہ المستقدمین منا والمستاخرین و انا ان شاء اللہ بکم لاحقون"[1]

میں نے بھی تم سے چھپا کر ہی انہیں جواب دیا۔ پھر میں سمجھا کہ تم سو چکی ہو اور تمہیں جگانا اچھا نہیں لگا پھر میں اس سے بھی ڈرا کہ تم پریشان نہ ہو۔ جبریل علیہ السلام نے مجھے حکم دیا کہ میں بقیع پہنچوں اور ان کے لیے استغفار کروں۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (جب بقیع کے قبرستان جاؤں تو) کس طرح کہا کروں آپؐ نے فرمایا اس طرح کہا کرو۔ السلام علیٰ اھل الدیار من المومنین والمسلمین و یرحم اللہ المستقدمین منا والمستاخرین و انا ان شاء اللہ بکم لاحقون۔

---

[1] سنن نسائی ج ۱ ص ۲۲۲ باب الامر بالاستغفار للمؤمنین، مسلم ج ۱ ص ۳۱۲

Telegram : t.me/pasbanehaq1

صدیقی صاحب کے حواری بتلائیں کہ اس حدیث صحیح میں ام المؤمنین رضؓ کا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پیچھا کرنے کا ذکر ہے یا نہیں ؟ ہمیں یہ تسلیم ہے کہ اس روایت میں یہ ذکر نہیں ہے کہ یہ شب کون سی تھی اور نہ اس میں کسی شب کی فضیلت کا ذکر ہے ، لیکن اس حدیث کا طرز بالکل وہی ہے جو شب برات میں ذکر کی گئی احادیث کا ہے لہٰذا اگر اُن احادیث کو اس حدیث کی تفصیل قرار دے لیا جائے تو کیا مضائقہ ہے ۔ ؟

صدیقی صاحب کی دھوکہ دہی

صدیقی صاحب آیت مبارکہ " وَصَلِّ عَلَيْهِمْ إِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ " کا تعلق اپنی بیان کردہ حدیث کے ساتھ جوڑ کر تحریر فرماتے ہیں۔

" گویا آپ اس حکم الٰہی پر عمل کرنے کے لیے بقیع تشریف لے گئے تھے "

صدیقی صاحب نے اس میں دھوکہ دہی سے کام لیا ہے ورنہ اس آیت کا تعلق صدیقی صاحب کی ذکر کردہ حدیث سے بالکل نہیں ہے ، ہم حیران ہیں کہ جنہیں امام المحدیث کہا جاتا ہے انہیں اتنا بھی پتہ نہیں کہ یہ آیت تو غزوہ تبوک میں شریک ہونے سے رہ جانے والے ان چند صحابہ کرام کے بارے میں نازل ہوئی ہے جنہوں نے نادم ہو کر اپنے آپ کو مسجد نبوی کے ستونوں سے باندھ لیا تھا پھر جب ان کی توبہ کی قبولیت نازل ہوئی اور قید سے کھولے گئے تو ان حضرات نے بطور شکرانہ اپنا سارا مال صدقہ کرنے کے لیے پیش کر دیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول کرنے سے انکار فرمایا کہ مجھے مال لینے کا حکم نہیں ہے اس پر آیت مبارکہ خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ الآیۃ نازل ہوئی اور آپؐ نے پورے مال کے بجائے

Telegram : t.me/pasbanehaq1

ایک تہائی مال کا صدقہ کرنا قبول کر لیا۔ اس آیت میں صلوٰۃ سے مراد ان حضرات کے لیے دعاءِ رحمت کرنا ہے نہ کہ بقیع کے مدفونین کے لیے دعائے مغفرت یا نمازِ جنازہ،

جب اس آیت مبارکہ کا تعلق اس حدیث سے ہے ہی نہیں اور نہ ہی اس سے مراد بقیع کے مدفونین کے لیے دُعائے مغفرت کرنا ہے تو آگے صدیقی صاحب نے تاریخیں نکال کر جو کچھ لکھا ہے وہ سب بیکار اور ایک جھوٹ کے لیے سو جھوٹ گھڑنے کے مترادف ہے،

صدیقی صاحب آگے لکھتے ہیں:

"بلکہ قاضی عیاض شرح مسلم میں یہاں تک فرماتے ہیں، ای فی آخر عمرہ لا قبل یدل علیہ احادیث اخر یعنی آخر عمر میں نہ کہ اس سے قبل جیسا کہ اس پر دیگر احادیث دلالت کرتی ہیں"۔ [1]

افسوس ہے کہ یہاں بھی صدیقی صاحب نے دھوکہ دہی سے کام لیا ہے، حقیقت یہ ہے کہ قاضی عیاضؒ کے اس قول کا تعلق نہ تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اُس حدیث سے ہے جو صدیقی صاحب نے آپ کے بقیع جانے کے متعلق پیش کی ہے نہ اُحد جا کر جنازہ پڑھنے والی حدیث سے ہے بلکہ اس کا تعلق مسلم شریف کی درج ذیل حدیث سے ہے۔

"عن عائشۃ انہا قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کلما کان لیلتہا من رسول اللہ

---

[1] شب برات کیا ہے ص ۲۳

Telegram : t.me/pasbanehaq1

صلی اللہ علیہ وسلم یخرج من آخر اللیل الی البقیع فیقول السلام علیکم دار قوم مؤمنین وانا کم ما توعدون غدًا مؤجلون وانا ان شاء اللہ بکم لاحقون اللّٰھم اغفر لاھل بقیع الغرقد" [1]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی ان کے یہاں رات گزارتے تھے تو رات کے آخری حصے میں جنت البقیع تشریف لے جاتے تھے اور فرماتے تھے اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ دَارَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِیْنَ وَاَتَاکُمْ مَّا تُوْعَدُوْنَ غَدًا مُّؤَجَّلُوْنَ وَاِنَّا اِنْ شَاءَ اللّٰہُ بِکُمْ لَاحِقُوْنَ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِاَھْلِ بَقِیْعِ الْغَرْقَدِ"

اس حدیث شریف کے حاشیہ میں علامہ ابوالحسن سندھیؒ نے حضرت عیاضؒ کا وہ قول نقل کیا ہے۔ جسے صدیقی صاحب نے اپنی پیش کردہ حدیث کے ساتھ جوڑا ہے، چنانچہ علامہ سندھیؒ فرماتے ہیں۔

" قولہ کلما کانت لیلتھا من رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یخرج الخ خطر بالبال ان ھذا محمول علی آخر عمرہ ثم رأیت القاضی صرح بذالک فقال یعنی فی آخر عمرہ لاقبل ذالک یدل علیہ الاحادیث الاخر" [2]

---

[1] مسلم ج۱ ص ۳۱۳ [2] حاشیہ مسلم ج۱ ص ۳۱۳

Telegram : t.me/pasbanehaq1

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس فرمان کہ جب بھی میری باری کی رات ہوتی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جنت البقیع تشریف لے جاتے ——— کے متعلق میرے دل میں یہ آتا ہے کہ آپ کا یہ معمول آخر عمر میں بنا ہے پھر میں نے دیکھا کہ قاضی عیاضؒ نے اسی کی تصریح کی ہے چنانچہ اُن کا کہنا ہے کہ آپ کا یہ معمول آخر عمر میں ہوا ہے اس سے پہلے نہیں جیسا کہ اس پر دیگر احادیث دلالت کرتی ہیں۔

قارئین کرام: ملاحظہ فرمائیے مذکورہ حدیث اور قاضی عیاض رحمہ اللہ کی تشریح یہ تو دونوں صدیقی صاحب کے خلاف جا رہی ہیں۔ کیونکہ ان سے تو ثابت ہو رہا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بارہا جنت البقیع تشریف لے گئے ہیں، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا تو جنت البقیع جانا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول بتلا رہی ہیں، فرماتی ہیں جب بھی میری باری کی رات ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم جنت البقیع تشریف لے جاتے، قاضی عیاضؒ فرما رہے ہیں کہ آپ کا یہ معمول (روزانہ رات کو جنت البقیع جانا) آخر عمر میں بنا ہے پہلے ایسا معمول نہیں تھا، اس سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ آپ رات کو صرف ایک مرتبہ جنت البقیع تشریف لے گئے ہیں باقی کبھی نہیں حیرت ہے صدیقی صاحب پر کہ انہوں نے قاضی عیاضؒ کی عبارت سے یہ کیسے کشید کر لیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو صرف ایک مرتبہ وفات سے پانچ روز پہلے تشریف لے گئے تھے باقی کبھی نہیں۔

صدیقی صاحب کا جھوٹ

صدیقی صاحب اپنی اُلٹی سیدھی تحقیق کے بعد لکھتے ہیں

"یہ تمام ائمہ یہ دعوے کر رہے ہیں کہ آپ بقیع رات کے وقت

Telegram : t.me/pasbanehaq1

وفات سے صرف چند روز پیشتر تشریف لے گئے اور اس سے قبل کبھی تشریف نہ لے گئے تھے ..... قاضی عیاض نے یہ کہہ کر کہ زندگی میں آپ کبھی رات کو تشریف نہ لے گئے تھے صرف آخر عمر میں تشریف لے گئے جیسا کہ دیگر احادیث اس کی شہادت دے رہی ہیں ہر تخیل کو باطل کر دیا" [1]

قارئین محترم آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مذکورہ حدیث اور اس کی شرح میں قاضی عیاض رحمہ اللہ کا قول دونوں سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جنت البقیع جانا معمول تھا جس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ آپ روزانہ رات کو جایا کرتے تھے پھر صدیقی صاحب کا یہ کہنا کہ " یہ تمام ائمہ یہ دعوے کر رہے ہیں کہ آپ بقیع رات کے وقت وفات سے صرف چند روز پیشتر تشریف لے گئے تھے" الخ ان محدثین پر بہتان ہے، کسی محدث نے ایسی بات نہیں کہی یہ صرف صدیقی صاحب کے باطل تخیلات ہیں جو وہ زبردستی لوگوں پر مسلط کرنا چاہتے ہیں ،

صدیقی صاحب کی خیانت

صدیقی صاحب اپنے والد محترم کی شرح موطا کے حوالے سے حضرت ابو مویہبہ رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کرتے ہیں جس سے وہ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جنت البقیع جانا وفات سے چند روز پیشتر ہوا ہے فقط، اس سے پہلے نہیں لیکن ہمیں حیرت ہے کہ انہوں نے اپنے والد محترم کی شرح

---

[1] شب برات کیا ہے ص ۲۳

Telegram : t.me/pasbanehaq1

سے حوالہ نقل کرنے میں بھی خیانت سے کام لینے سے گریز نہیں کیا چاہیئے تو یہ تھا کہ وہ ان کی پوری بات نقل کرتے لیکن انہوں نے پوری بات نقل کرنے کے بجائے صرف مفید مطلب بات نقل کر کے اپنی صفائی پیش کرنی شروع کر دی۔ اگر وہ پوری بات نقل کر دیتے تو ان کی بنی بنائی ساری عمارت ڈھے جاتی۔ ہم صدیقی صاحب کے والد کی وہ عبارت نقل کرتے ہیں جو صدیقی صاحب چھوڑ گئے ہیں۔

حضرت مولانا اشفاق الرحمٰن کاندھلوی مرحوم اپنے عبدالبر کے حوالے سے حضرت ابو مویہبہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ذکر کر کے تحریر فرماتے ہیں۔

" قلت ویحتمل ان یکون غیر ذالك لان الظاهر ان مثل هذه القصة وقعت مرارًا "[1]

میں کہتا ہوں کہ حضرت ابو مویہبہ رضی اللہ عنہ کے اس واقعہ میں یہ احتمال ہو سکتا ہے کہ یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس قصہ کے علاوہ کوئی واقعہ ہو، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جنت البقیع میں جانے کے واقعات تو بارہا پیش آئے ہیں۔

صدیقی صاحب حیات ہوتے تو ہم ان سے پوچھتے کہ انہیں کس نے امام الحدیث بنا دیا؟ وہ تو اس دنیا میں نہیں رہے ان کے حواری ہی بتائیں کہ کیا ایسے لوگ جو اس درجے خیانت کے مرتکب ہوں وہ بھی امام الحدیث کہلانے کے مستحق ہو سکتے ہیں، آخر آپ لوگ ایسی خیانت، دجل و تلبیس اور جھوٹ سے بھری تحقیقیں پیش کر کے کس اسلام کی خدمت کر رہے ہیں؟

---

[1] حاشیہ موطا امام مالک ص ۲۲۴

Telegram : t.me/pasbanehaq1

صدیقی صاحب رقمطراز ہیں :

"یہ بھی ایک غور طلب امر ہے کہ ۸ھ تک یعنی عمرۂ جعرانہ تک زیارتِ قبور کی قطعاً ممانعت تھی لیکن جب اس عمرہ کے دوران جو ذی قعدہ ۸ھ میں ہوا، آپ کا گزر آپ کی والدہ کی قبر پر سے ہوا تو آپ نے اللہ تعالیٰ سے ان کے لیے دُعائے مغفرت کی اجازت طلب کی جس کی آپ کو ممانعت کر دی گئی آپ نے زیارتِ قبر کی اجازت طلب کی تو اس کی اجازت دیدی گئی آپ قبر پر تشریف لے گئے اور صحابہؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا کنت نہیتکم عن زیارۃ القبور فزوروھا فانھا تذکرکم الموت مسلم ج ۱ ص ۳۳۴ میں نے تمہیں زیارتِ قبور سے منع کیا تھا اب تم ان کی زیارت کر سکتے ہو کیونکہ یہ زیارت تمہیں موت یاد دلائے گی، یہ واقعہ تمام کتب صحاح میں حضرت بریدہؓ اور حضرت ابوہریرہؓ وغیرہ سے مروی ہے اور جب ۸ھ سے قبل زیارتِ قبور ممنوع تھی تو یہ ناممکن ہے کہ حضور اس سے قبل زیارت کے ارادے سے بقیع تشریف لے گئے ہوں گے، ظاہر ہے کہ یہ وقوعہ ذی القعدہ ۸ھ کے بعد ہی پیش آ سکتا ہے" [1]

یہاں بھی صدیقی صاحب نے انتہائی دجل و تلبیس سے کام لے کر اپنا مطلب حاصل کرنے کی ناکام کوشش کی ہے۔ اوّل تو ان کے ذمہ چیلنج ہے کہ وہ صدیقی صاحب کے کردہ الفاظ کے ساتھ یہ حدیث مسلم شریف میں دکھائیں کہ وہ ان الفاظ میں کہ ہے؟ دیدہ باید،

---

[1] شبِ برات کیا ہے ۔ ص ۳۵

Telegram : t.me/pasbanehaq1

دوسری بات یہ ہے کہ صدیقی صاحب جو کہہ رہے ہیں کہ "ششہ تک یعنی عمرہ جعرانہ تک زیارتِ قبور کی قطعاً ممانعت تھی"۔ اُن کے پاس اس کی کیا دلیل ہے ؟ کیا اُن کے حواری اس کا کوئی ثبوت پیش کر سکتے ہیں ؟ صدیقی صاحب نے دلیل کے طور پر جو کچھ لکھا ہے وہ محض دھوکہ دہی ہے انہوں نے دو حدیثوں کو ملا کر ایک کر دیا ہے جس حدیث میں یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے والدہ کی قبر کی زیارت کی اجازت طلب کی اور آپ زیارت کے لیے تشریف لے گئے اس میں یہ ہے ہی نہیں کہ "میں نے تمہیں زیارتِ قبور سے منع کیا تھا اب تم انکی زیارت کر سکتے ہو" اور جس حدیث میں ہے (کہ میں نے تمہیں زیارتِ قبور سے منع کیا تھا الخ) اس میں والدہ کی قبر کی زیارت کے لیے اجازت طلب کرنے کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

صدیقی صاحب نے خواہ مخواہ دو الگ الگ حدیثوں کو ایک کر کے دھوکہ دینے کی کوشش کی ہے ، قارئین کی تسلی کے لیے ہم مسلم شریف کے اس مقام سے فوٹو نقل کرتے ہیں تاکہ قارئین اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں کہ یہ دونوں حدیثیں بالکل الگ الگ ہیں جس حدیث میں والدہ کی قبر کی زیارت کیلئے اجازت لینے کا ذکر ہے اس کے راوی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں اور جس حدیث میں لوگوں کو زیارتِ قبور کی ممانعت ختم کر کے اجازت دی گئی اس کے راوی حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ ہیں۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

قالت قلت لا شيء قال لتخبريني أو ليخبرني اللطيف الخبير قالت قلت يا رسول الله بأبي أنت وأمي فأخبرته قال فأنت السواد الذي رأيت أمامي قلت نعم فلهدني في صدري لهدة
أوجعتني ثم قال أظننت أن يحيف الله عليك ورسوله قالت مهما يكتم الناس يعلمه الله نعم قال فإن جبريل عليه السلام أتاني حين رأيت فناداني فأخفاه عنك فأجبته
فأخفيته منك ولم يكن يدخل عليك وقد وضعت ثيابك وظننت أن قد رقدت فكرهت أن أوقظك وخشيت أن تستوحشي فقال إن ربك يأمرك أن تأتي أهل البقيع
فتستغفر لهم قالت قلت كيف أقول لهم يا رسول الله قال قولي السلام على أهل الديار من المؤمنين والمسلمين يرحم الله المستقدمين منا والمستأخرين وإنا إن شاء الله بكم للاحقون حدثنا
أبو بكر بن أبي شيبة وزهير بن حرب قالا نا محمد بن عبد الله الأسدي عن سفيان عن علقمة بن مرثد عن سليمان بن بريدة عن أبيه قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم
إذا خرج إلى المقابر فكان فيما يعلمهم يقول في رواية أبي بكر السلام على أهل الديار وفي رواية زهير السلام عليكم أهل الديار من المؤمنين والمسلمين وإنا إن شاء الله للاحقون
أسأل الله لنا ولكم العافية حدثنا يحيى بن أيوب ومحمد بن عباد واللفظ ليحيى قالا نا مروان بن معاوية عن يزيد يعني ابن كيسان عن أبي حازم عن أبي هريرة قال
قال رسول الله صلى الله عليه وسلم استأذنت ربي أن أستغفر لأمي فلم يأذن لي واستأذنته أن أزور قبرها فأذن لي حدثنا أبو بكر بن أبي شيبة وزهير بن حرب
نا محمد بن عبيد عن يزيد بن كيسان عن أبي حازم عن أبي هريرة قال زار النبي صلى الله عليه وسلم قبر أمه فبكى وأبكى من حوله فقال صلى الله عليه وسلم استأذنت
ربي في أن أستغفر لها فلم يؤذن لي واستأذنته في أن أزور قبرها فأذن لي فزوروا القبور فإنها تذكر الموت حدثنا أبو بكر بن أبي شيبة ومحمد بن عبد الله
ابن نمير ومحمد بن المثنى واللفظ لأبي بكر وابن نمير قالوا نا محمد بن فضيل عن أبي سنان وهو ضرار بن مرة عن محارب بن دثار عن ابن بريدة عن أبيه قال قال رسول الله
صلى الله عليه وسلم كنت نهيتكم عن زيارة القبور فزوروها ونهيتكم عن لحوم الأضاحي فوق ثلاث فأمسكوا ما بدا لكم ونهيتكم عن النبيذ إلا في سقاء فاشربوا في الأسقية
كلها ولا تشربوا مسكرا قال ابن نمير في روايته عن عبد الله بن بريدة عن أبيه حدثنا يحيى بن يحيى قال نا أبو خيثمة عن زهير قال نا أبو إسحاق عن محارب بن دثار عن ابن بريدة
عن أبيه الشك من أبي خيثمة عن النبي صلى الله عليه وسلم ح وحدثنا أبو بكر بن أبي شيبة قال نا قبيصة بن عقبة عن سفيان عن علقمة بن مرثد عن سليمان بن بريدة
عن أبيه عن النبي صلى الله عليه وسلم ح وحدثنا ابن أبي عمر ومحمد بن رافع وعبد بن حميد جميعا عن عبد الرزاق عن معمر عن عطاء الخراساني قال حدثني عبد الله
ابن بريدة عن أبيه عن النبي صلى الله عليه وسلم كلهم بمعنى حديث أبي سنان حدثنا هارون بن سلام الكوفي قال نا زهير عن سماك عن جابر بن سمرة قال
أتى النبي صلى الله عليه وسلم رجل فقال نفسه بشاقص فزنى فصل عليه

صدیقی صاحب تحریر فرماتے ہیں :

" اس پر تمام مؤرخین و مفسرین اور محدثین کا اتفاق ہے کہ ازواجِ مطہرات کے لیے پردہ کا حکم ۵ھ میں نازل ہوا اور واقعہ ایلاء یعنی حضور نے ازواج سے علیحدگی اختیار کی تھی یہ وقوعہ ۵ھ میں پیش آیا اور اس واقعہ کے وقت جو آیات نازل ہوئیں ان میں ازواجِ مطہرات کو حکم دیا گیا وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ الاحزاب ۳۳ اور اپنے گھروں میں ٹھہری رہو اور بے پردہ نہ رہو جیسے اگلی جاہلیت کی بے پردگی ۔ کیا ایسی صورت میں یہ ممکن ہے کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضؓ بلا عذر شرعی گھر سے صرف حضورؐ کا پیچھا کرنے کے لیے باہر نکلیں ، ام المؤمنین کے بارے میں ایسا گمان کوئی بدباطن تو کر سکتا ہے لیکن کوئی انکا بیٹا اپنی ماں پر اتنا بڑا الزام قائم نہیں کر سکتا "[1]

صدیقی صاحب نے اس تحریر میں جو کچھ لکھا ہے یا تو نمبر بنانے کے لیے یا اپنے حواریوں کو خوش کرنے کے لیے یا دل کی بھڑاس نکالنے کے لیے صدیقی صاحب کا آیت کریمہ سے استدلال کرنا بالکل فضول ہے ، کیونکہ اس آیت کا یہ مطلب ہے ہی نہیں کہ ازواجِ مطہرات وغیرہ کے لیے کسی صورت میں بھی گھر سے نکلنا جائز نہیں بلکہ ضرورتِ شرعیہ کے تحت نکلنا باجماعِ امت جائز ہے اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ نکلنا بلا ضرورت نہ تھا بضرورت تھا اور وہ ضرورت یہ تھی کہ اُن کے دل میں ایک خلش سی پیدا ہوئی تھی جسے وہ رفع کرنا چاہتی تھیں ،

---

[1] شب برات کیا ہے ص ۳۵

Telegram : t.me/pasbanehaq1

چنانچہ حضور علیہ السلام کو بقیع میں دیکھ کر جب وہ خلش دُور ہوگئی تو وہاں ٹھہری نہیں فوراً واپس چلی آئیں۔ اُن کا بلا عذر گھر سے نکلنا صدیقی صاحب کو نظر آرہا ہے اور کسی کو نہیں، لہٰذا سیدہ مطہرہ اماں عائشہؓ پر ان کا کوئی روحانی بیٹا الزام قائم نہیں کر رہا۔ ہاں صدیقی صاحب ایسی باتیں کر کے ضرور اماں عائشہ رضی اللہ عنہا کے تقدس کو مجروح کر رہے ہیں،

آگے صدیقی صاحب لکھتے ہیں۔

"اگر کوئی احمق کہے کہ جب زیارتِ قبور کی اجازت دے دی گئی تو اب ان کے جانے پر کیا اعتراض ہو سکتا ہے تو اس کے لیے ابن عباسؓ اور ابوہریرہؓ کی یہ حدیث کافی ہے لعن اللہ الزوارات القبور (ترمذی ج ۱ ص ۱۰۸) اللہ قبروں کی زیارت کرنے والیوں پر لعنت بھیجتا ہے ایسی صورت میں یہ ناممکن ہے کہ ام المؤمنین نے حضور کا پیچھا کیا ہو بلکہ یہ تو آپ کو بدنام کرنے کی ایک بھرپور سعی ہے" [1]

صدیقی صاحب کا جواب بالکل فضول ہے، اس لیے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا زیارتِ قبور کے لیے نکلی ہی نہیں وہ تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جستجو میں نکلی تھیں، جب دیکھا کہ آپ بقیع کے مدفونین کے لیے دعاء و استغفار میں مصروف ہیں تو وہیں سے واپس چلی آئیں، لہٰذا وہ اس وعید والی حدیث کی کسی صورت مصداق نہیں بنتیں، دوسرے صدیقی صاحب کے ذہن میں یہ بھی رہنا چاہیئے تھا کہ محدثین اس وعید والی حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ کنت نہیتکم الحدیث سے منسوخ ہو چکی ہے۔ ایسی صورت میں تو سیدہ عائشہؓ پر کسی طور اعتراض عائد نہیں ہوتا،

---

[1] شبِ برات کیا ہے ص ۳۵

Telegram : t.me/pasbanehaq1

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی حدیث

صدیقی صاحب کا حدیث شریف کے ساتھ استہزاء اور انکی جہالت

صدیقی صاحب حضرت موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی حدیث ذکر کر کے اس کے ساتھ استہزاء تحریر فرماتے ہیں۔

"نزولِ الٰہی کا ذکر تو بچپن سے سنتے آئے تھے اور احادیثِ صحیحہ میں بھی اس کا ذکر موجود ہے، لیکن یہ طلوعِ الٰہی کیا شئے ہے اور اس کا کیا مفہوم ہے ہم اس کے سمجھنے سے قاصر ہیں اس لیے کہ قرآن اور حدیث صحیح میں ہم نے آج تک اس کا ذکر کہیں نہیں پڑھا اور نہ کسی محدث و فقیہ نے اس کی معانی و مفہوم پر بحث کی ہم تو صرف اتنا جانتے ہیں کہ طلوع و غروب کا تعلق چاند، سورج اور مجسم اشیاء سے ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات جسم سے منزہ ہے" الخ [1]

صدیقی صاحب نے اپنی اس تحریر میں حدیث شریف کے ساتھ استہزاء کیا ہے طلوع کا ذکر صرف اسی ایک حدیث میں نہیں ہے بلکہ حضرت معاذ بن جبل اور حضرت

---

[1] شب برات کیا ہے ص ۳۶

Telegram : t.me/pasbanehaq1

ابو ثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہما کی احادیث میں بھی ہے، ان احادیث کو محققین نے قوی اور صحیح قرار دیا ہے جیسا کہ پیچھے گزر چکا، اگر صدیقی صاحب کو اس کا مفہوم سمجھ نہیں آسکا تھا تو کسی عالم سے پوچھ لیتے یا حدیث کی کسی شرح میں دیکھ لیتے، انہیں حدیث شریف کے ساتھ استہزاء و تمسخر کسی طرح زیب نہیں دیتا، اگر انہوں نے قرآن اور صحیح حدیث میں اس کا ذکر نہیں پڑھا تو یہ اُن کی جہالت ہے ہم نے عرض کر دیا ہے کہ اس کا ذکر حضرت ابو موسیٰ اشعری کے علاوہ حضرت معاذ بن جبل اور حضرت ابو ثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہم کی احادیث میں بھی آیا ہے۔ صدیقی صاحب نہ پڑھیں تو اُن کا قصور ہے،

صدیقی صاحب کا یہ کہنا کہ "نہ کسی محدث و فقیہ نے اس کے معانی و مفہوم پر بحث کی" یہ بھی ان کی جہالت ہے ہم بتلاتے ہیں کہ علامہ طیبیؒ (متوفی ۷۴۳ھ) علامہ ابن حجرؒ (م ۸۵۲ھ) اور ملا علی قاریؒ (م ۱۰۱۴ھ) نے اسکے معنی و مفہوم سے بحث کی ہے ملاحظہ فرمائیے۔

علامہ طیبی رحمہ اللہ اس کی تشریح میں فرماتے ہیں

"قوله ليطلع ههنا كينزل و معناه على ما سبق في التحريض على قيام الليل" الخ[1]

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد "لیطلع" یہاں پر ایسے ہے جیسے "ینزل" اور نزول کے معنی ماسبق میں باب التحریض علی قیام اللیل میں گزر چکے۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں

---

[1] شرح الطیبی ج ۳ ص ۱۶۸

Telegram : t.me/pasbanehaq1

"ای یتجلی علی خلقه بمظهر الرحمة العامة والاکرام الواسع قاله ابن حجر و قال الطیبی بمعنی ینزل و قد مرّ والاظهر ان یقال ای ینظر نظر الرحمة السابقة والمغفرة البالغة" [1]

طلوع کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق پر عام رحمت اور وسیع اکرام کے مظہر کے ساتھ تجلی فرماتے ہیں یہ مطلب علامہ ابن حجرؒ نے بیان کیا ہے علامہ طیبیؒ کا کہنا ہے کہ طلوع، نزول کے معنیٰ میں ہے اور یہ پہلے گزر چکا ہے، زیادہ ظاہر بات یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ (مخلوق کو) رحمتِ سابقہ اور مغفرتِ بالغہ کی نظر سے دیکھتے ہیں،

صدیقی صاحب کے حواری بتلائیں کہ علامہ طیبی، علامہ ابن حجر، ملا علی قاری رحمہم اللہ یہ محدث اور فقیہ ہیں یا نہیں؟

باقی رہا صدیقی صاحب کا یہ فرمانا کہ "طلوع و غروب کا تعلق چاند سورج اور مجسم اشیاء سے ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات جسم سے منزہ ہے" یہ صحیح ہے! لیکن سوال یہ ہے کہ صدیقی صاحب نزولِ الٰہی کو تو مانتے ہیں چنانچہ وہ فرماتے ہیں "نزولِ الٰہی کا ذکر تو بچپن سے سنتے آئے تھے اور احادیث صحیحہ میں اس کا ذکر موجود ہے" نزول کے معنی اترنے کے ہیں آخر اترنے چڑھنے کا تعلق بھی تو مجسم اشیاء سے ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات جسم سے منزہ ہے۔ صدیقی صاحب اس کی کیا

---

[1] مرقاۃ المفاتیح ج ۳ ص ۱۹۶

Telegram : t.me/pasbanehaq1

توجیہہ کریں گے ؟ جو وہ نزول کی توجیہہ کریں گے وہی ہم طلوع کی کر دیں گے ،
صدیقی صاحب لکھتے ہیں ،

"یہ بھی ذہن نشین رہے کہ اس روایت میں اس شب کا کوئی نام مذکور نہیں بلکہ نصف شعبان درج ہے ، اگر مہینہ تیس دن کا ہو تو یہ پندرہویں شب ہوگی اور اگر مہینہ انتیس کا ہے تو نصف شعبان کی کوئی بھی شب نہ ہوگی حالانکہ ہمارے علماء اور عوام ایک متعینہ شب میں یہ کام انجام دیتے ہیں" [1]

صدیقی صاحب نے یہاں بھی محض دجل سے کام لیا ہے، ورنہ یہ کوئی ایسی پیچیدہ بات نہیں ہے، محدثین نے نصف شعبان کی شب کو طے کر دیا ہے کہ اس سے مراد شعبان کی پندرہویں شب ہے چاہے تیس کا مہینہ ہو یا انتیس کا ، دوسرے پندرہویں شب میں امت کا تعامل و توارث بھی اس کا مؤید ہے تیسرے عرف میں بھی اسی کا اعتبار ہے چنانچہ جب کسی مہینہ کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ آدھا مہینہ گزر گیا تو اس سے مراد بھی پندرہ دن ہوتے ہیں، چاہے مہینہ تیس کا ہو یا انتیس کا ، لہٰذا شبِ برات کے خلاف صدیقی صاحب کا یہ تیر بھی بیکار ہے ۔

صدیقی صاحب کی جہالت اور خیانت

صدیقی صاحب حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی حدیث پر معنوی حیثیت سے بحث کرنے کے بعد آگے اس کی سند پر بحث کرتے ہیں، یہاں بھی انہوں نے حسبِ عادت اس کے راویوں پر محدثین کی صرف جرح نقل کی ہے اور

---

[1] شبِ برات کیا ہے ص ۳۶

Telegram : t.me/pasbanehaq1

محدثین نے جو ان کی توثیق کی ہے وہ بالکل ہضم کر گئے ہیں، پھر جرح بھی ادھوری اور بہت سی خود ساختہ نقل کی ہے وہ الفاظ بھی لکھے ہیں جو محدثین نے ہرگز نہیں کہے ہم یہاں اولاً محدثین کی توثیق ذکر کریں گے پھر صدیقی صاحب کی خیانت ظاہر کریں گے۔

صدیقی صاحب اس روایت کے ایک راوی ابن لَهِيْعَة کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اس کا ناقل ابن لھیعہ ہے اس کا انتقال ۱۷۴ھ میں ہے بخاری، مسلم نے اس کی کوئی روایت نقل نہیں کی، ترمذی نے اس کی روایت نقل کر کے ضعیف قرار دیا، نسائی نے دعویٰ کیا کہ میں نے اپنی کتاب میں اس کی صرف ایک روایت نقل کی ہے اور وہ بھی مجبور ہو کر" [1]

قارئین محترم: صدیقی صاحب کا یہ سارا بیان ان کی فنِ حدیث اور رجالِ حدیث سے جہالت کا نتیجہ ہے اس کا زندہ ثبوت علامہ ابن حجر رحمہ اللہ کی وہ تحریر ہے جو آپ نے تہذیب التہذیب میں درج کی ہے ہم وہ تحریر من وعن نقل کر رہے ہیں آپ اس سے اندازہ فرما لیں کہ صدیقی صاحب کیا کہہ رہے ہیں اور حقیقت کیا ہے؟

ابن حجر رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

"روی مسلم مقرونا بعمرو بن الحارث، وروی البخاری فی الفتن من صحیحه عن

---

[1] شب برات کیا ہے ص ۳۷

Telegram : t.me/pasbanehaq1

المقری عن حیوة وغیرہ عن ابی الاسود
قال قطع علی اھل المدینة بعث الحدیث،
عن عکرمة عن ابن عباس، وروی فی
الاعتصام، وفی تفسیر سورة النساء وفی آخر
الطلاق، وفی عدة مواضع ھذا مقرونا
ولا یسمیه وھو ابن لھیعة لا شك فیه
وروی النسائی احادیث کثیرة من حدیث
ابن وھب وغیرہ یقول فیھا عن عمرو بن
الحارث و ذکر آخر، وجاء کثیر من ذالك
فی روایة غیرہ مبیّنا انه ابن لھیعة
وروی له الباقون. قلت قال الحاکم استشھد
به مسلم فی موضعین" [1]

امام مسلمؒ نے ابن لھیعہ سے عمرو بن الحارث کے ساتھ مقرونًا روایت لی ہے
امام بخاریؒ صحیح بخاری کی کتاب الفتن میں اس سند سے روایت لائے ہیں،

حدثنا عبد اللہ بن یزید (المقری) قال حدثنا
حیوة وغیرہ قالا حدثنا ابو الاسود ح و
قال اللیث عن ابی الاسود قال قطع علی
اھل المدینة بعث فاکتتبت فیه فلقیت عکرمة
فاخبرته فنھانی اشد النھی ثم قال اخبرنی

---

[1] تھذیب التھذیب ج ۵ ص ۳۷۷

Telegram : t.me/pasbanehaq1

ابن عباس ان اناسا الحدیث ،

(بخاری جلد ۲ ص ۱۰۴۹) اس کے علاوہ امام بخاریؒ بخاری شریف کی کتاب الاعتصام (ص ۱۰۸۶) تفسیر سورۂ نساء (ص ۶۶۱) کتاب الطلاق کے آخر نیز اور بہت سی جگہ (ابن لھیعہ سے) مقرونًا روایت لائے ہیں اُن کا نام نہیں لیا اور کوئی شک نہیں ہے کہ مراد ابن لھیعہ ہی ہیں۔ امام نسائی نے ابن وھب وغیرہ کی بہت سی احادیث روایت کی ہیں جن میں وہ فرماتے ہیں عن عمرو بن الحارث و ذکر آخر، اور یہ ابن وھب وغیرہ کی روایت میں بکثرت آیا ہے جس میں صاف طور پر بیان کیا گیا ہے کہ غیرہ سے مراد ابن لھیعہ ہیں میں کہتا ہوں کہ امام حاکم نے کہا ہے کہ امام مسلم نے ابن لھیعہ سے مسلم شریف میں دو جگہ استشہاد کیا ہے۔

اس سے ثابت ہو رہا ہے کہ ابن لھیعہ سے صحاح ستہ کے تمام مصنفین نے روایت لی ہے، امام بخاریؒ نے اشارتًا مقرونًا، امام مسلمؒ نے صراحتًا مقرونًا اور امام نسائیؒ نے صرف ایک نہیں کثیر روایات لی ہیں، لہٰذا صدیقی صاحب کا یہ کہنا کہ "بخاری و مسلم نے اس کی کوئی روایت نقل نہیں کی اور..... نسائی نے دعویٰ کیا کہ میں نے اپنی کتاب میں اس کی صرف ایک روایت نقل کی ہے وہ بھی مجبور ہو کر" یہ صدیقی صاحب کی جہالت ہے، معلوم نہیں انہیں کس نے امام الحدیث اور نقّادؒ کا لقب دے دیا، جس کے وہ ہرگز اہل نہیں ہیں۔

ابن لھیعہؒ کے حالات اور انکی توثیق

قارئین محترم ابن لھیعہؒ ایک ثقہ راوی ہیں مصنفین صحاح ستہ نے اُن سے

Telegram : t.me/pasbanehaq1

روایات لی ہیں، مصر میں قاضی رہے ہیں کبار محدثین اُن کے شاگرد ہیں جن میں عبداللہ بن مبارک، عبداللہ بن وہب، ابوعبدالرحمٰن المقری، امام اوزاعی، عمرو بن الحارث، سفیان، امام شعبہ رحمہم اللہ شامل ہیں جو قدیم تلامذہ میں سے ہیں ان کے علاوہ ابوصالح قتیبہ بن سعید، یحیی بن بکیر، محمد بن رمح، کامل بن طلحہ رحمہم اللہ وغیرہ نے بھی اُن سے حدیث کا سماع کیا ہے

علامہ ذہبیؒ نے ابن لھیعۃ کا تذکرہ ان الفاظ سے شروع کیا ہے

" ابن لهيعة الامام الكبير قاضي الديار المصرية وعالمها ومحدثها " الخ [1]

ابن لھیعہ جو بڑے امام ہیں مصر کے قاضی، عالم اور محدث ہیں،

عبداللہ بن وہبؒ فرماتے ہیں

" حدثني الصادق البار والله عبد الله بن لهيعة " [2]

مجھ سے حدیث بیان کی سچے اور نیکوکار انسان نے بخدا وہ عبداللہ بن لھیعہ ہیں۔

امام احمدؒ فرماتے ہیں:

" من كان مثل ابن لهيعة بمصر في كثرة حديثه وضبطه واتقانه " [3]

مصر میں کثرتِ حدیث اور حدیث کے ضبط و اتقان میں ابن لھیعہ جیسا

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۳۷۔

[2] میزان الاعتدال ج ۲ ص ۴۷۷

[3] ایضاً ص ۴۷۷ " "

Telegram : t.me/pasbanehaq1

اور کون ہو سکتا ہے۔

احمد بن صالحؒ فرماتے ہیں:

"کان ابن لهيعة صحيح الكتاب طلاً بالعلم" [1]

ابن لہیعہ صحیح الکتاب اور علم کے بہت زیادہ طلب کرنے والے ہیں۔

سفیانؒ فرماتے ہیں:

"کان عند ابن لهيعة الاصول وعندنا الفروع" [2]

—— قال وسمعته يقول حججت حجاً لِاَلقى ابن لهيعة" [3]

ابن لہیعہ کے پاس اصول ہیں اور ہمارے پاس فروع، زید بن حباب کہتے ہیں کہ میں نے آپ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ایک حج میں نے صرف ابن لہیعہ کی ملاقات کی غرض سے کیا تھا۔

ابوداودؒ فرماتے ہیں:

"سمعت احمد يقول ما كان محدث مصر الا ابن لهيعة" [4]

میں نے امام احمدؒ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ مصر کے محدث تو ابن لہیعہ ہی ہیں۔

قتیبہؒ فرماتے ہیں:

---

[1] میزان الاعتدال ج ۲ ص ۴۷۷

[2] ایضاً " " ص ۴۷۷

[3] تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۳۷۶

[4] میزان الاعتدال ج ۲ ص ۴۷۸

Telegram : t.me/pasbanehaq1

"حضرت موتٔ ابن لهيعة فسمعت الليث يقول ما خلف مثله" [1]

میں ابن لہیعہ کی وفات کے وقت حاضر ہوا تو امام لیثؒ کو یہ کہتے ہوئے سُنا کہ ابن لہیعہ نے اپنے پیچھے کوئی اپنے جیسا نہیں چھوڑا،

محدث ابن شاہینؒ فرماتے ہیں:

"قال احمد بن صالح ابن لهيعة ثقة وماروى من الاحاديث فيها تخليط يطرح ذالك التخليط" [2]

احمد بن صالح فرماتے ہیں کہ ابن لہیعہ ثقہ ہیں اور ان کی جن مرویات میں تخلیط ہے اس تخلیط کو دور پھینکا جائے۔

بعض محدثین نے یقیناً انہیں ضعیف قرار دیا ہے، حقیقت یہ ہے کہ ان کے ضعف کی وجہ ایسی نہیں ہے کہ اس کی وجہ سے ان کی روایت کو بالکل ہی ناقابلِ اعتبار قرار دے دیا جائے ہمارا خیال تو یہ ہے کہ بعض نے صرف انہیں قاضی ہونے کی وجہ سے ضعیف قرار دیا ہے کیونکہ اُس زمانہ میں کچھ لوگوں کے نزدیک قاضی ہونا بھی عیب تھا اور بعض نے اس وجہ سے ضعیف کہا ہے کہ اُن کے گھر میں آگ لگ جانے سے اُن کی کتابیں جل گئی تھیں، یہی وجہ ہے کہ اُن سے جن لوگوں نے قدیماً سماع کیا ہے اُن کی روایت کو سب درست قرار دیتے ہیں۔

چنانچہ علامہ ھیثمیؒ (م ۸۰۷ھ) ابن لہیعہ کے بارے میں ایک مقام پر تحریر فرماتے ہیں۔

---

[1] میزان الاعتدال ج ۲ ص ۴۷۸

[2] تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۳۷۸۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

"وفیہ ابن لھیعۃ وقد احتج بہ غیر واحد" [1]

اس میں ابن لھیعہ ہیں اور اُن سے بہت سے محدثین نے احتجاج کیا ہے۔

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:

"رواہ ابن لھیعۃ وفیہ ضعف وھو حسن الحدیث" [2]

اس حدیث کو ابن لھیعہ نے روایت کیا ہے ان میں کچھ ضعف ہے تاہم ان کی حدیث حسن ہے'

صدیقی صاحب نے ان تمام اقوال سے صرفِ نظر کرتے ہوئے فقط جرحیں نقل کی ہیں اور اُن میں بھی خیانت سے کام لیا ہے چنانچہ لکھتے ہیں۔

"نسائی نے دعویٰ کیا کہ میں نے اپنی کتاب میں اس کی صرف ایک روایت نقل کی ہے وہ بھی مجبور ہو کر" [3]

امام نسائیؒ کے قول میں مجبور ہو کر کے الفاظ نہیں ہیں یہ صدیقی صاحب کا اضافہ ہے جو ان کی مجبوری ہے اس کی امام نسائیؒ کی طرف نسبت غلط ہے۔

آگے لکھتے ہیں:

"امام ابوزرعہ رازی فرماتے ہیں کذاب ہے" [4]

---

[1] مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۶

[2] مجمع الزوائد ج ۸ ص ۱۰۲

[3] شبِ برات کیا ہے ص ۳۷

[4] شبِ برات کیا ہے ص ۳۷

Telegram : t.me/pasbanehaq1

یہ صدیقی صاحب نے امام ابوزرعہؒ پر بہتان باندھا ہے انہوں نے ہرگز ابن لھیعہ کو کذاب نہیں کہا، صدیقی صاحب کے حواری امام ابوزرعہؒ کا یہ قول ثابت کریں دیدہ باید۔

مزید لکھتے ہیں:

"ابن عدی اور ذہبی کہتے ہیں ابن لھیعہ کی یہ روایت منکر ہے"[1]

صدیقی صاحب نے حوالہ درج نہیں فرمایا کہ ابن عدی اور ذہبی نے اس روایت کو کس بنا منکر قرار دیا ہے اگر وہ حوالہ درج فرماتے تو ہم ضرور تحقیق کرتے اور دیکھتے کہ انہوں نے کیا لکھا ہے؟

ابن عدیؒ کی الکامل اور علامہ ذہبیؒ کی میزان تو ہم نے دیکھ لیں وہاں تو اس کا نام ونشان بھی نہیں ہے اس لیے اگر ہم یہ کہیں کہ ان حضرات نے اس حدیث کو منکر نہیں کہا بلکہ یہ صدیقی صاحب کا ان پر افتراء ہے تو بیجا نہ ہوگا،

منکر کا معنیٰ

تاہم بالفرض ان حضرات نے اس روایت کو منکر کہا بھی ہو تو بھی یہ ہمارے خلاف نہیں جاتا کیونکہ کسی حدیث کا منکر ہونا اس کے ضعف کو مستلزم نہیں اس لیے کہ متقدمین کے نزدیک منکر وہ روایت کہلاتی ہے "جس کا راوی ایک ہو، اور وحدتِ راوی کوئی جرح نہیں ہے، تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیے اعلاء السنن ج ۱ ص ۱۹۸، ایسی صورت میں صدیقی صاحب کا بار بار احادیث کو منکر قرار دے کر لوگوں کو یہ تاثر دینا کہ شبِ برات سے متعلق احادیث شدید قسم کی ضعیف یا

---

[1] شبِ برات کیا ہے ص ۳۷

Telegram : t.me/pasbanehaq1

موضوع ہیں بالکل غلط ہے، دوسرے یہ بھی پیش نظر رہنا چاہیئے کہ جہالت، سرقت نکارت تو ایسی جرحیں ہیں جو شواہد و متابعات سے ختم ہو جاتی ہیں اور شب برات سے متعلق احادیث میں ایک دوسرے کے شواہد بھی موجود ہیں اور متابع بھی لہٰذا اس قسم کی جرحیں کرنا ہی فضول ہے، خاص کر جبکہ یہ احادیث فضائلِ اعمال سے متعلق ہیں نہ کہ احکام سے۔

آگے صدیقی صاحب لکھتے ہیں:

"عبداللہ بن لھیعہ نے یہ روایت کس سے سنی تو کبھی تو وہ دعوے کرتا ہے کہ یہ روایت زید[1] بن سلیم سے مروی ہے اور کبھی کہتا ہے ضحاک بن ایمن سے مروی ہے ..... یہ دونوں فرضی ہیرو ہیں جن کا بظاہر کوئی وجود نہیں گویا یہ صرف ابن لھیعہ کی ذہنی پیداوار ہیں، عبداللہ بن لھیعہ آگے چل کر دعویٰ کرتا ہے کہ ان دونوں نے یہ روایت ضحاک بن عبدالرحمٰن بن عرزب سے نقل کی ہے اور کبھی کہتا ہے کہ عبدالرحمٰن بن عرزب سے نقل کی ہے اور اتفاق سے یہ دونوں بھی مجہول ہیں جن سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ عبداللہ بن لھیعہ نے یا تو یہ روایت اپنے دماغ کی بھٹی میں تیار کی یا یہ روایت اس وقت کی ہے جب اسے ہذیان کے دورے پڑنے لگے تھے، اس طرح اس روایت کے چار راوی تو قطعاً مجہول ہیں اور ایک شدید ضعیف ہے یہ روایت تو ردی کی ٹوکری میں پھینکنے کے قابل بھی نہیں" [2]

---

[1] یہ غلط ہے صحیح زبیر بن سلیم ہے

[2] شب برات کیا ہے ص ۳۷

Telegram : t.me/pasbanehaq1

صدیقی صاحب نے اس حدیث کی دو سندوں کو خلط ملط کر کے اس کی حیثیت گرانے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے ہذیان میں آکر وہ باتیں کی ہیں جو کوئی بھی سنجیدہ آدمی نہیں کر سکتا ایسے معلوم ہوتا ہے جیسے صدیقی صاحب کو ہذیان کے دورے پڑتے تھے اور وہ اس دوران ایسی باتیں لکھتے جاتے تھے جن کا انہیں بھی پتہ نہیں چلتا تھا کہ کیا لکھ رہا ہوں۔ قارئین پہلے اس حدیث کی دونوں سندیں ملاحظہ فرمائیں اس کے بعد ہم صدیقی صاحب کی غلط بیانیوں کو ظاہر کریں گے،

ابن ماجہ میں اس حدیث کی پہلی سند اس طرح ہے۔

(۱) راشد بن سعید بن راشد الرملی: حافظ ابن حجرؒ انکے بارے میں لکھتے ہیں "صدوق من العاشرۃ"۔ [1]

(۲) ولید بن مسلم: حافظ ابن حجرؒ کے بارے میں لکھتے ہیں "ثقۃ کثیر التدلیس"۔ [2]

(۳) ابن لھیعہ: ان کی توثیق پیچھے گزر چکی ہے۔

(۴) ضحاک بن ایمن: ان کے متعلق حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں "مجہول من السادسۃ"۔ [3]

(۵) ضحاک بن عبد الرحمٰن بن عرزب: ان کے متعلق حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں: "ثقۃ من الثالثۃ"۔ [4]

---

[1] تقریب التہذیب ص ۹۹

[2] تقریب التہذیب ص ۳۷۱

[3] ایضاً " ص ۱۵۴

[4] ایضاً " " ص ۱۵۴

Telegram : t.me/pasbanehaq1

(۶) حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں۔

قارئین ملاحظہ فرمائیے اس سند میں صرف ایک راوی ضحاک بن ایمن مجہول ہیں، باقی تمام راوی ثقہ ہیں ابن طیعہ کے بارے میں گزر چکا ہے کہ وہ مختلف فیہ راوی ہیں لیکن ان کی حدیث حسن درجہ کی ہے۔

اب دوسری سند ملاحظہ فرمائیے۔

(۱) محمد بن اسحٰق الصاغانی : ان کے بارے میں حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں "ثقة ثبت" [۱]

(۲) ابو الاسود نضر بن عبد الجبار : ان کے بارے میں حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں "ثقة من العاشرة" [۲]

(۳) ابن طیعہ : ان کی توثیق گزر چکی۔

(۴) زبیر بن سلیم : ان کے بارے میں حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں "مجہول من السادسة" [۳]

(۵) ضحاک بن عبد الرحمٰن : ان کے بارے میں حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں "ثقة من الثالثة" [۴]

(۶) عبد الرحمٰن بن عرزب : ان کے بارے میں حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں "مجہول من الثالثة" [۵]

---

[۱] تقریب التہذیب ص ۲۸۹

[۲] ایضاً " ص ۳۵۸

[۳] ایضاً " ص ۱۰۶

[۴] ایضاً " ص ۱۵۴

[۵] ایضاً " ص ۲۰۶

Telegram : t.me/pasbanehaq1

(۷) حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ

اس سند میں دو راوی مجہول ہیں، لیکن ہم نے جو روایت نقل کی ہے وہ پہلی سند سے ذکر کی ہے، جس میں صرف ایک راوی ضحاک بن ایمن مجہول ہے' صدیقی صاحب اپنی جہالت یا دھوکہ دہی کی وجہ سے اس سند کے ایک اور راوی ضحاک بن عبدالرحمٰن کو بھی مجہول قرار دے رہے ہیں حالانکہ یہ قطعاً مجہول نہیں ہیں، پھر ابن لہیعہ کو شدید ضعیف قرار دے کر (حالانکہ وہ حسن الحدیث ہیں) دونوں سندوں کو خلط ملط کر کے لکھتے ہیں " اس طرح اس روایت کے چار راوی تو قطعاً مجہول ہیں اور ایک شدید ضعیف ہے "، صدیقی صاحب تو دنیا سے چلے گئے ورنہ ہم اُن سے پوچھتے کہ بتائیے ہماری پیش کردہ سند کے کونسے چار راوی مجہول ہیں؟ اب ہم اُن کے حواریین سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ ہماری پیش کردہ سند میں چار مجہول راوی ثابت کریں، ہم نے جو روایت پیش کی ہے اس میں ایک راوی کے مجہول ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ اول تو خیر القرون میں جہالت مضر ہی نہیں، دوسرے اس کا شاہد موجود ہے اور ہم یہ پہلے بتلا چکے ہیں کہ جب کسی روایت کے شواہد و متابع موجود ہوں تو جہالت، ستارت، نکارت جیسی جرحیں فضول ہوتی ہیں کیونکہ وہ شواہد و متابع کی وجہ سے ختم ہو جاتی ہیں، پھر ایسی احادیث تو احکام میں حجت بن جاتی ہیں چہ جائیکہ فضائل، یہی وجہ ہے کہ اس حدیث کو ناصر الدین البانی صاحب نے " حسن " قرار دیا ہے دیکھئے صحیح سنن ابن ماجہ ص ۲۳۲،

قارئین ملاحظہ فرمائیے جس حدیث کو محدثین حسن قرار دے رہے ہیں اس حدیث کے بارے میں صدیقی صاحب کہتے ہیں کہ یہ روایت تو ردی کی ٹوکری میں پھینکنے کے قابل بھی نہیں" ع بریں عقل و دانش بباید گریست

Telegram : t.me/pasbanehaq1

صدیقی صاحب کی جہالت

صدیقی صاحب لکھتے ہیں :

"یہ بھی ایک عجیب بات ہے کہ زید بن سلیم، ضحاک بن ایمن، ضحاک بن عبدالرحمٰن اور عبدالرحمٰن بن عزرب سے ابن ماجہ کے علاوہ کسی محدث نے روایت نہیں لی اور نہ اس روایت کو ابن ماجہ کے علاوہ کسی نے نقل کیا ہے۔" [1]

صدیقی صاحب کی یہ عبارت بھی ان کے ـــ ہذیان کا شاہکار نظر آتی ہے اس لیے کہ ضحاک بن عبدالرحمٰن سے صرف ابن ماجہ ہی نے روایت نہیں لی بلکہ ان کے علاوہ امام ابوداؤدؒ نے اپنی مراسیل میں اور امام ترمذیؒ نے اپنی جامع میں اور امام بیہقیؒ نے شعب الایمان میں اُن سے روایت لی ہے اگر صدیقی صاحب "تقریب التہذیب" ہی اٹھا کر دیکھ لیتے تو اس جہالت کا شکار نہ ہوتے۔

صدیقی صاحب کا یہ کہنا کہ "نہ اس روایت کو ابن ماجہ کے علاوہ کسی نے نقل کیا" یہ بھی اُن کی جہالت کا نتیجہ ہے، کیونکہ اس روایت کو ابن ماجہ کے علاوہ امام بیہقیؒ نے شعب الایمان (ج ۳ ص ۳۸۲) اور فضائل الاوقات (ص ۱۳۲) میں، حافظ ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں (ج ۵ ص ۳۵۷) اور علامہ مزنی نے تہذیب الکمال (ج ۹ ص ۳۰۹) میں نقل کیا ہے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی روایت

---

[1] شب برات کیا ہے؟ ص ۲۹

Telegram : t.me/pasbanehaq1

صدیقی صاحب لکھتے ہیں :

" اس سلسلہ کی ایک روایت حضرت ابوبکر صدیق ؓ کی جانب بھی منسوب کی جاتی ہے جس کے الفاظ حسب ذیل ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا" الخ [1]

قارئین محترم صدیقی صاحب نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی حدیث کا اُردو ترجمہ ذکر کیا ہے اس کا عربی متن ذکر نہیں کیا اس لیے انہیں لکھنا چاہیئے تھا " جس کا ترجمہ یا مفہوم حسب ذیل ہے" نہ یہ کہ " جس کے الفاظ حسب ذیل ہیں" کیونکہ صدیقی صاحب نے حدیث کے الفاظ ذکر نہیں کیے ۔ معلوم ہوتا ہے صدیقی صاحب میں اتنی بھی لیاقت نہیں رہی تھی کہ وہ اتنی معمولی ـــــ سی بات بھی سمجھتے ،

صدیقی صاحب کی جہالت اور دھوکہ دہی

صدیقی صاحب لکھتے ہیں :

" یہ روایت کتب حدیث میں قطعاً نہیں پائی جاتی بلکہ ابن عدی نے اس روایت کو اپنی کامل میں نقل کر کے اسے منکر قرار دیا ہے [2]

صدیقی صاحب کا قطعیت کے ساتھ یہ کہنا کہ یہ روایت کتب حدیث میں قطعاً نہیں پائی جاتی ، ان کی حدیث دانی سے قطعی جہالت کا نتیجہ ہے اس لیے کہ یہ روایت امام بیہقی ؒ نے شعب الایمان (ج ۳ ص ۳۸۰) میں امام بغوی ؒ نے شرح السنۃ (ج ۴ ص ۱۲۷) میں اور امام بزار ؒ نے اپنی مسند میں ذکر کی ہے ، صدیقی صاحب کے حواری بتائیں یہ حدیث کی کتابیں ہیں یا کسی اور

---

[1] شب برات کیا ہے ص ۳۸ ۔

[2] شب برات کیا ہے ص ۳۹ ۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

فن کی ؟

صدیقی صاحب کا یہ فرمانا کہ " ابن عدی نے اس روایت کو اپنی کامل میں نقل کرکے اسے منکر قرار دیا ہے" اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ پیچھے ہم ذکر کر چکے ہیں کہ منکر وہ حدیث کہلاتی ہے جسے ایک راوی نے روایت کیا ہو اور محدثین کے نزدیک تفرد راوی کوئی جرح نہیں ہے۔

یہی وجہ ہے کہ علامہ منذریؒ اس روایت کے بارے میں فرماتے ہیں:

" روی البزار والبیهقی من حدیث ابی بکر الصدیق رضی الله عنه بنحوه باسناد لا بأس به "[1]

امام بزار اور امام بیہقی رحمہما اللہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ایسی ہی ایک حدیث نقل کی ہے، ایسی سند کے ساتھ کہ اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے،

ناصر الدین البانی لکھتے ہیں:

" لا بأس باسناده "[2]

اس کی سند میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

معجم طبرانی کبیر کے محقق حمدی عبدالمجید السلفی تحریر فرماتے ہیں:

" قال شیخنا فی تعلیقه علی رسالة لیلة النصف من شعبان (ص: ۲) وهو حدیث صحیح لشواهده الکثیرة ..... فهذه الطرق الکثیرة لا یشك من وقف علیها

---

[1] الترغیب والترہیب ج ۳ ص ۴۵۹۔

[2] سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ ج ۳ ص ۱۳۷۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

ان الحدیث صحیح لا سیما و بعض طرقہ حسن لذاتہ کحدیث معاذ و ابی بکر رضی اللہ عنہما" [1]

ہمارے شیخ "لیلۃ النصف من شعبان" نامی رسالہ پر اپنی تعلیق میں فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے کیونکہ اس کے بہت سے شواہد ہیں ..... یہ اس قدر کثیر طرق ہیں کہ ان پر مطلع ہونے والے کو پھر اس حدیث کی صحت میں شک نہیں رہتا، بالخصوص اس صورت میں کہ اس کے بعض طرق حسن لذاتہ ہیں جیسے حضرت معاذ بن جبل اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہما کی حدیث۔

ان تصریحات کی موجودگی میں صدیقی صاحب کا اس حدیث کو منکر قرار دینا پھر اس کے راویوں پر جھوٹی سچی اور خود ساختہ جرح کرنا بالکل فضول ہے، اس سے ان کے حواری تو ضرور خوش ہو سکتے ہیں لیکن منصف مزاج آدمی متاثر نہیں ہو سکتا،

اس کے بعد اب ضرورت تو محسوس نہیں ہوتی کہ اس کی سند کے بارے میں مزید کچھ لکھا جائے لیکن چونکہ ہم چاہتے ہیں کہ صدیقی صاحب کی دیانت عوام کے سامنے پیش کریں اس لیے ان کی خود ساختہ باتوں کا جواب مختصر انداز میں پیش کیا جاتا ہے،

صدیقی صاحب اس حدیث کے ایک راوی عبد الملک بن عبد الملک

---

[1] معجم طبرانی کبیر ج ۲۰ ص ۹۱

Telegram : t.me/pasbanehaq1

کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

" ابن حبان کہتے ہیں یہ ایسی روایات بیان کرتا ہے جس کی تائید کوئی اور نہیں کرتا یعنی اس کی روایات خود ساختہ ہیں میزان ص۱۵۶ ج۲"

صدیقی صاحب نے یہ جو لکھا ہے کہ " یعنی اس کی روایات خود ساختہ ہیں" نہ یہ ابن حبان کی عبارت کا مطلب ہے اور نہ یہ جملہ میزان الاعتدال میں موجود ہے، یہ صرف صدیقی صاحب کی دوسروں کو دھوکہ دینے کے لیے خود ساختہ عبارت ہے، قارئین علامہ ذہبیؒ کی اصل عبارت ملاحظہ فرمائیں:

علامہ ذہبی تحریر فرماتے ہیں:

" قال ابن حبان وغیرہ لا یتابع علی حدیثہ" [1]

ابن حبان وغیرہ کا کہنا ہے کہ ان کی حدیث کی متابعت نہیں کیجاتی،

اس کا مطلب تو فقط اتنا ہے کہ عبدالملک بن عبدالملک نے جو حدیث ذکر کی ہے اس میں اس کا کوئی متابع نہیں ہے، یعنی مصعب بن ابی ذئب سے فقط یہی بیان کرتے ہیں کوئی اور نہیں، نہ اس سے عبدالملک کا ضعیف ہونا ثابت ہوتا ہے اور نہ ہی ان کی روایات کا خود ساختہ ہونا' معلوم نہیں صدیقی صاحب کو اصولِ حدیث سے واسطہ نہیں پڑا یا وہ جان بوجھ کر دھوکہ دیتے ہیں؟

صدیقی صاحب لکھتے ہیں:

" ابن عدی نے اس کی سند اس طرح بیان کی ہے کہ مجھ سے یہ روایت عمرو بن الحارث نے بیان کی اس نے عبدالملک بن عبدالملک سے سنی، عبدالملک کا حال اوپر گزر چکا اب عمرو

---

[1] میزان الاعتدال ج۲ ص ۶۵۹

Telegram : t.me/pasbanehaq1

بن الحارث کے بارے میں فرماتے ہیں یہ کوئی معروف شخص نہیں اور اس سے اسحٰق بن ابراہیم ذبریق اور اس کی باندی علوہ کے علاوہ کوئی حدیث روایت نہیں کرتا میزان ج ۳ ص ۲۵۱ گویا یہ راوی بھی قابلِ اعتماد نہیں ،، [1]

صدیقی صاحب نے یہاں بھی انتہائی دجل وفریب سے کام لیا ہے اول تو سند پوری ذکر نہیں کی ، دوسرے جس عمرو بن الحارث کا تذکرہ کیا ہے وہ اس سند میں مراد ہی نہیں ہے ،، پہلے ہم پوری سند ذکر کرتے ہیں پھر بتاتے ہیں کہ اس سند میں وہ عمرو بن الحارث مراد نہیں ہیں جن کا تذکرہ صدیقی صاحب نے کیا ہے بلکہ یہ اور بزرگ ہیں۔

ابن عدی لکھتے ہیں :

" حدثنا محمد بن جعفر الامام قال : حدثنا یعقوب بن حمید، ثنا عبد اللہ بن وھب اخبرنی عمرو بن الحارث عن عبد الملک بن عبد الملک عن مصعب بن ابی ذئب عن القاسم بن محمد عن عمہ او غیرہ عن ابی بکر الصدیق الخ ،، [2]

اس سند سے واضح ہو رہا ہے کہ عمرو بن الحارث کے شاگرد ، عبد اللہ بن وھب ہیں ، جبکہ صدیقی صاحب لکھ رہے ہیں کہ " اس سے اسحٰق بن ابراہیم زبریق اور اس کی باندی علوہ کے علاوہ کوئی حدیث روایت نہیں کرتا ،، اگر صدیقی

---

[1] شبِ برات کیا ہے ص ۴۱ [2] الکامل فی ضعفاء الرجال ج ۵ ص ۱۹۴۶

Telegram : t.me/pasbanehaq1

صاحب کی بات صحیح مانی جائے تو پھر سند میں بجائے عبداللہ بن وہب کے اسحٰق بن ابراہیم کا نام آنا چاہیئے تھا اس سے معلوم ہوا کہ جو عمرو بن الحارث صدیقی سے مراد لے رہے ہیں وہ مراد ہی نہیں ہے بلکہ سند میں مذکور عمرو بن الحارث صحاح ستہ کے راوی ہیں جنہیں محدثین نے ثقہ قرار دیا ہے۔

علامہ ذہبیؒ ان کا تذکرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"عمرو بن الحارث (ع) عالم الدیار المصریۃ رشیخھا و مفتیھا مع اللیث بن سعد فو ثقوہ" [1]

عمرو بن حارث دیار مصر کے عالم، وہاں کے شیخ اور لیث بن سعد کے ساتھ مل کر فتویٰ دینے والے ہیں محدثین نے ان کی توثیق کی ہے

"قال ابن معین والعجلی و النسائی وغیرھم ثقۃ" [2]

ابن معین، عجلی اور نسائی تینوں کا کہنا ہے کہ عمرو بن الحارث ثقہ ہیں،

"قال ابن وھب سمعت من ثلاثمائۃ و سبعین شیخا فما رایت احدًا احفظ من عمرو بن الحارث" [3]

عبداللہ بن وہب کہتے ہیں کہ میں نے تین سو ستر مشائخ سے

---

[1] میزان الاعتدال ج ۳ ص ۲۵۲

[2] ایضاً " " ص ۲۵۲

[3] تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۱۵

Telegram : t.me/pasbanehaq1

احادیث سنی ہیں لیکن عمرو بن الحارث سے بڑھ کر کسی کو حافظِ حدیث نہیں پایا۔

اس عظیم راوی کے بارے میں صدیقی صاحب لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونکتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"گویا یہ راوی بھی قابلِ اعتماد نہیں"

ان کنت لا تدری فتلك مصيبة
وان كنت تدری فالمصيبة اعظم

صدیقی صاحب لکھتے ہیں:

"عبدالملک بن عبدالملک نے یہ روایت مصعب بن ابی ذئب سے نقل کی ہے یہ کون حضرت ہیں مجھے ان کا حال آج تک معلوم نہیں ہو سکا۔ نہ ابن عدی نے اس کا تذکرہ کیا، نہ ذہبی نے نہ بخاری نے نہ نسائی اور نہ حافظ ابن حجر نے، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ اس زمین سے تعلق نہیں رکھتا تھا، اس طرح یہ روایت انتہائی شدید ضعیف ہوئی" [1]

صدیقی صاحب کا طرز استدلال ملاحظہ فرمائیے ان کو یمن چار ناقدینِ فن کی کتابوں میں ایک راوی کا ذکر نہیں ملا تو انہوں نے فوراً محسوس کر لیا کہ یہ اس سرزمین کا باشندہ ہی نہیں ہے۔ اس کی مثال یوں بن سکتی ہے کہ کسی مجلس میں صدیقی صاحب کا ذکر ہو وہاں کوئی شخص یہ کہے کہ میں نے تذکرہ کی فلاں فلاں کتاب پڑھی ہے اس میں صدیقی صاحب کا نام مجھے نہیں ملا۔

---

[1] شب برات کیا ہے ص ۴۱

Telegram : t.me/pasbanehaq1

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ اس زمین سے تعلق نہیں رکھتے تھے"، کیا ایسی صورت میں صدیقی صاحب کا وجود معدوم کہلائے گا؟ سیدھی سی بات ہے کہ اگر ناقدین نے مصعب بن ابی ذئب کا تذکرہ نہیں کیا تو اس سے صرف یہ معلوم ہوا کہ وہ غیر معروف راوی ہیں جس کی وجہ سے سند کمزور ہو گئی، لیکن جب اس روایت کے شواہد بھی پائے گئے تو سند کا ضعف بھی جاتا رہا اسی لیے محدثین نے اس روایت کو لیا ہے رد نہیں کیا، پیچھے آپ امام منذری اور ناصر الدین البانی کا قول ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ انہوں نے اس کی سند کے بارے میں لا بأس بہ کہا ہے کہ اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے اور حمدی عبد المجید سلفی نے اپنے شیخ کے حوالے سے لکھا ہے کہ وہ اسے حسن لذاتہ قرار دیتے ہیں۔ ایسی صورت میں صدیقی صاحب کا یہ کہنا کہ " اس طرح یہ روایت انتہائی شدید ضعیف ہوئی"۔ خواہ مخواہ کا تحکم اور سینہ زوری ہے۔

آگے صدیقی صاحب نے اس روایت کو ساقط الاعتبار گردانے کے لیے ایک اور پینترا بدلا ہے، اور دھوکہ دہی کی ناکام کوشش کی ہے، لکھتے ہیں:

" مصعب بن ابی ذئب نے یہ روایت قاسم بن محمد سے نقل کی ہے، قاسم مدینہ کے بہت بڑے امام، حضرت عائشہؓ کے بھتیجے اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پوتے، جعفر بن محمد کے نانا اور باقر کے خسر ہیں، ان کی ذات شک و شبہ سے پاک ہے۔ لیکن یہ روایت ان کی جانب جو منسوب کی گئی ہے وہ غلط ہے اور ان تینوں راویوں نے انہیں بدنام کرنے کی کوشش کی ہے اس کا ثبوت جہاں ان تینوں کا ناقابلِ اعتبار ہونا ہے وہاں ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ ان راویوں کا دعویٰ ہے کہ قاسم نے یہ روایت اپنے والد

Telegram : t.me/pasbanehaq1

محمد بن ابی بکرؓ سے نقل کی۔ حالانکہ قاسم نے اپنے باپ کو دیکھا بھی نہیں" الخ [1]

قارئین محترم اس روایت کی نسبت قاسم بن محمد کی طرف غلط نہیں ہے، نہ ہی ان رُواۃ نے انہیں بدنام کرنے کی کوئی کوشش کی ہے، صدیقی صاحب بلاوجہ ان راویوں کو ناقابل اعتبار ٹھہرا رہے ہیں حالانکہ ایسی بات نہیں ہے، صدیقی صاحب کا یہ کہنا کہ "ان راویوں کا دعوٰی ہے کہ قاسم نے یہ روایت اپنے والد محمد بن ابی بکرؓ سے نقل کی ہے" سرے سے یہ بات ہی غلط ہے ان راویوں نے یہ کہا ہی نہیں، ہم نے ابن عدی کے حوالے سے اس روایت کی سند پیچھے ذکر کی ہے یہاں دوبارہ ذکر کر دیتے ہیں، صدیقی صاحب کے حواری چشمۂ انصاف سے دیکھیں کہ اس سند میں قاسم کے والد کا ذکر ہے۔

ابن عدی لکھتے ہیں:

"حدثنا محمد بن جعفر الامام: حدثنا یعقوب بن حمید، ثنا عبد اللہ بن وھب اخبرنی عمرو بن الحارث عن عبد الملک بن عبد الملک عن مصعب بن ابی ذئب عن القاسم بن محمد عن عمہ او غیرہ عن ابی بکر الصدیق"

قارئین کرام ملاحظہ فرمائیے اس سند میں قاسم بن محمد کے بعد اُن کے چچا کا ذکر ہے کہ انہوں نے یہ روایت اپنے چچا وغیرہ سے سنی، اُن کے والد کا ذکر نہیں ہے، لہٰذا صدیقی صاحب کا اسے دوسرا ثبوت قرار دینا بڑا دھوکہ ہے،

---

[1] شب برات کیا ہے ص ۴۱

Telegram : t.me/pasbanehaq1

پھر آگے جو صدیقی صاحب نے زہر اگلا ہے کہ محمد ایسے تھے ایسے تھے اور خود انہوں نے اپنے والد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نہیں سنی یہ سب بناء الفاسد علی الفاسد کے قبیل سے ہے۔

؎ خشت اول چوں نہد معمار کج تا ثریا می رود دیوار کج

آگے صدیقی صاحب نے ایک شہ سرخی قائم کی ہے "شعبان میرا مہینہ ہے[1]" اور اس سرخی کے تحت ایک حدیث ذکر کر کے اس کے خلاف زہر اگلا ہے، اگر یہ حدیث موضوع و من گھڑت بھی ہو تو چونکہ نصف شعبان کی شب سے اس کا نفیاً و اثباتاً کوئی تعلق نہیں اس لیے ہمارے ذمہ اس کا جواب نہیں ہے، کیونکہ ہماری بحث فقط نصف شعبان کی شب، شب برات سے ہے۔

صدیقی صاحب کی اصولِ حدیث سے جہالت

کچھ آگے چل کر صدیقی صاحب نے ایک سرخی قائم کی ہے "ایک دعا[2]" اس کے تحت موصوف غنیۃ الطالبین سے ایک دعا نقل کر کے لکھتے ہیں۔

"اس روایت کی تحقیق سے قبل حدیث کا ایک اصول ذہن نشین کر لیجئے کہ اصولِ حدیث کی رو سے صرف وہی روایت قابل قبول ہوتی ہے جس کی مصنف نے پوری سند بیان کی ہو یعنی اپنے دور سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور تک تمام راوی بیان کئے

---

[1] شب برات کیا ہے ص ۴۳

[2] شب برات کیا ہے ص ۴۵

Telegram : t.me/pasbanehaq1

ہوں اور وہ سب ثقہ ہوں ان کا حافظہ بھی قوی ہو، اور ہر ایک کا دوسرے سے حدیث سننا بھی ثابت ہو۔ ان میں سے ہر راوی کو نہ تو مغالطہ ہوتا ہو نہ اس میں وہم کا مادہ زیادہ ہو اور نہ ان میں سے کسی پر محدثین نے جرح کی ہو یہ صحتِ حدیث کا پہلا معیار ہے جو روایت اس معیار پر پوری نہ اترے وہ اس قابل نہیں کہ اس کی جانب توجہ دی جائے۔" [1]

صدیقی صاحب نے اس اصول میں دو جگہ جہالت کا مظاہرہ کیا ہے، ایک تو یہ کہ انہوں نے قبولِ روایت کے اس اصول کو علی الاطلاق بیان کیا ہے جس کا مطلب ہے کہ خواہ احادیثِ احکام ہوں یا احادیث فضائل سب میں یہ اصول جاری ہوگا حالانکہ اصولِ حدیث سے معمولی مس رکھنے والا بھی بخوبی جانتا ہے کہ قبول روایت کا یہ اصول صرف احادیثِ احکام سے متعلق ہے نہ کہ احادیثِ فضائل سے، احادیثِ فضائل کے قبول میں اتنی سختی نہیں کی جاتی بلکہ اُن میں تساہل سے کام لیا جاتا ہے چنانچہ امام نوویؒ فرماتے ہیں:۔

یجوز عند اھل الحدیث وغیرھم التساھل فی الاسانید وروایۃ ماسوی الموضوع من الضعیف والعمل بہ من غیر بیان ضعفہ فی غیر صفات اللہ تعالیٰ والاحکام" [2]

محدثین وغیرہ کے نزدیک اسانید (ضعیفہ) میں تساہل جائز ہے اسی طرح ایسی ضعیف حدیث روایت کرنا بھی جائز ہے جو موضوع

---

[1] شب برات کیا ہے ص ۴۵

[2] تقریب النواوی مع تدریب ج ۱ ص ۲۹۸ طبع میر محمد کراچی

Telegram : t.me/pasbanehaq1

نہ ہو اور ضعیف حدیث پر اس کا ضعف بتلائے بغیر عمل کرنا بھی جائز ہے سوائے اللہ کی صفات اور احکام کے،

دوسرے انہوں نے قبولِ روایت کو اس اصول میں منحصر کر دیا ہے حالانکہ اس میں انحصار قطعاً غلط ہے،

صدیقی صاحب کی دروغ گوئی

صدیقی صاحب لکھتے ہیں:

"حتیٰ کہ محدثین اس پر بھی متفق ہیں کہ اگر ایک مسلمہ تابعی حضور کا فرمان نقل کرے اور درمیان سے صحابی کا نام ترک کر دے جس سے اس نے روایت سنی ہے تو یہ روایت بھی قابلِ قبول نہیں کیونکہ ممکن ہے کہ اس نے یہ حدیث صحابی سے نہ سُنی ہو بلکہ جس سے سُنی ہو وہ ناقابلِ اعتبار ہو۔ ایسی روایت جس میں صرف صحابی کا تذکرہ نہ ہو محدثین کی اصطلاح میں مرسل کہلاتی ہے اور مرسل روایت قابلِ قبول نہیں حتیٰ کہ محدثین نے تصریح کی ہے کہ امام مجاہد، امام عطاء بن ابی رباح، امام حسن بصری، امام زہری اور امام سفیان بن عیینہ کی مرسلات بھی کوئی حیثیت نہیں رکھتیں"[1]

صدیقی صاحب کے اس بیان سے ایسے لگتا ہے کہ یا تو وہ اصولِ حدیث سے بالکل جاہل ہیں یا پھر وہ جان بوجھ کر دروغ گوئی سے کام لیتے ہیں اور سادہ لوح عوام کی آنکھوں میں دھول جھونکتے ہیں۔ ہم حیران ہیں کہ صدیقی صاحب

---

[1] شب برات کیا ہے ص ۴۵

Telegram : t.me/pasbanehaq1

نے حدیثِ مرسل کے قبول نہ کرنے کو محدثین کا متفق علیہ مسئلہ کیسے لکھ دیا؟ حالانکہ جمہور محدثین حضرت امام ابوحنیفہ، حضرت امام مالک، حضرت امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ مطلقاً اور حضرت امام شافعی رحمہ اللہ چند شرائط کے ساتھ مرسل حدیث کو قبول کرتے ہیں اور اُسے حجت مانتے ہیں، صدیقی صاحب اگر "قواعد فی علوم الحدیث" ہی دیکھ لیتے تو ایسی بات نہ کرتے، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ وہ سب کچھ جانتے بوجھتے ایسی باتیں کرتے ہیں، تاکہ انکارِ حدیث کی راہ ہموار ہو ظاہر بات ہے کہ جب مرسل حدیث کے قبول نہ کرنے کو محدثین کا متفق علیہ مسئلہ کہا جائے گا تو لاکھوں حدیثیں خود بخود بیکار ہو جائیں گی۔

قارئین محترم یہ امر بھی قابلِ غور ہے کہ مرسل حدیث میں فقط اتنی بات ہوتی ہے کہ خیر القرون کے دور کا ایک شخص (تابعی) صحابی کا نام نہیں لیتا، اور کوئی سقم اس میں نہیں ہوتا محض اتنی سی بات پر صدیقی صاحب اس حدیث کو ماننے کے لیے تیار نہیں لیکن رُواتِ حدیث پر ناقدین کی جرح جو کئی کئی صدیوں بعد کے لوگوں کی کتابوں میں بلا سند ملتی ہے اُسے صحیفۂ آسمانی سمجھتے ہیں اور اس پر بغیر کسی تحقیق و تفتیش کے ایمان لے آتے ہیں آخر اسکی کیا وجہ ہے؟

مرسل حدیث کی حجیت کے سلسلہ میں ہم یہاں تفصیل میں نہیں جانا چاہتے جسے تفصیل درکار ہو وہ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کی کتاب "قواعد فی علوم الحدیث" کا مطالعہ کرے اس میں مرسل حدیث کے قبول و عدم قبول، نیز کن کن بزرگوں کی مرسلات قبول ہیں کن کی نہیں یہ سب تفصیل سے بیان کیا گیا ہے، صدیقی صاحب نے جن بزرگوں کی مرسلات کے عدمِ قبول کی بابت نام گنوائے ہیں ان میں بھی غلو سے کام لیا ہے،

Telegram : t.me/pasbanehaq1

صدیقی صاحب آگے رقمطراز ہیں :

" جب ایک راوی کے جھوٹ جاننے سے روایت قابل قبول نہیں رہتی تو اس روایت کا کیا درجہ ہوگا جس میں پورے پانچ سو سال کے راوی چھوڑ دیے جائیں وہ تو بے پر کی گپ ہوگی ، شیخ جیلانی نے اس روایت کی کوئی سند بیان نہیں کی اور پورے پانچ سو سال کے راوی چھوڑ دیے جو کم از کم بارہ تیرہ ہونے چاہیئے تھے اس قسم کی روایات کے جھوٹ ہونے میں کیا شک وشبہہ کیا جاسکتا ہے" [1]

معلوم نہیں صدیقی صاحب نے یہ ضابطہ کہاں پڑھا ہے کہ " جس روایت کی سند بیان نہ کی جائے ، درمیان کے راوی چھوڑ دیے جائیں تو وہ بلاشک شبہ جھوٹی ہوتی ہے" محدثین نے تو ایسا کوئی ضابطہ بیان نہیں کیا ، بلکہ بہت سے محدثین نے ایسی کتابیں لکھی ہیں جن میں سند کے بیان کرنے کا التزام نہیں کیا ، شیخ خطیب عمریؒ کی مشکوٰۃ ، امام سیوطیؒ کی جمع الجوامع ، شیخ علی متقیؒ کی کنز العمال ، شیخ نورالدین الہیثمیؒ کی مجمع الزوائد میں ہزاروں احادیث موجود ہیں لیکن ان کی سندیں ذکر نہیں کی گئیں اسی طرح موطا امام مالک کی بلاغات بخاری کی تعلیقات اور ترمذی کی ما فی الباب بغیر سند ہی کے مذکور ہیں تو کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ احادیث سب جھوٹی ہیں ، العیاذ باللہ۔

اگر شیخ جیلانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کی سند ذکر نہیں کی تو کیا ہوا ؟ صدیقی صاحب شعب الایمان للبیہقی ج ۴ ص ۳۷۵ ، اور فضائل الاوقات للبیہقی ص ۱۰۵ دیکھ لیتے تو انہیں اس کی سند مل جاتی اور اگر انہیں یہ کتابیں دستیاب نہ تھیں تو

Telegram : t.me/pasbanehaq1

مسند احمد ج ۱ ص ۲۵۹ دیکھ لیتے وہاں اس کی سند مل جاتی۔ ایسے معلوم ہوتا ہے صدیقی صاحب کو انکار حدیث کا شوق ہے اس لیے جو حدیث ان کی دسترس سے باہر ہوتی ہے یا اس میں معمولی قسم کا سقم ہوتا ہے اُسے بے پر کی گپ قرار دے دیتے ہیں۔ مائۃ من ذالک آگے اس حدیث کے بارے میں صدیقی صاحب نے جو خامہ فرسائی کی ہے اس کے جواب کی ہمیں ضرورت نہیں کیونکہ یہ ہمارے موضوع سے باہر ہے۔

ص۴۸ پر صدیقی صاحب نے ایک حدیث کو موضوع قرار دیا ہے اس کے جواب کی بھی ضرورت نہیں کیونکہ اس کا تعلق بھی شبِ برات سے نہیں ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث

ص۴۹ پر صدیقی صاحب نے "شبِ برات کا روزہ" کی شرعی قائم کر کے اس میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت کو موضوع قرار دینے کی ناکام کوشش کی ہے۔ پہلے ہم اس روایت کی سندی حیثیت ذکر کرتے ہیں اس کے بعد صدیقی صاحب کا جھوٹ اور خیانت ظاہر کریں گے، ملاحظہ فرمائیے ابن ماجہ میں، اس روایت کے راوی درج ذیل ہیں۔

(۱) حسن بن علی الخلال (م ۲۴۲ھ) امام نسائی کے علاوہ باقی اصحاب صحاح ستہ میں سے ہر ایک نے آپ سے روایت لی ہے۔ یعقوب بن شیبہ فرماتے ہیں "کَانَ ثِقَۃً ثَبْتًا"[1] آپ ثقہ اور ثبت راوی ہیں امام نسائی

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۳۰۳

Telegram : t.me/pasbanehaq1

فرماتے ہیں "ثقۃ"[1] آپ ثقہ ہیں، خطیب بغدادی فرماتے ہیں "کان ثقۃ حافظا"[2] آپ ثقہ اور حافظ الحدیث تھے۔ ابن حبان نے آپ کو ثقات میں ذکر کیا ہے[3]، حافظ ابراہیم بن ادرمہ فرماتے ہیں۔

"بقی الیوم فی الدنیا ثلثۃ: محمد بن یحیی الذھلی بخراسان، احمد بن الفرات باصبھان، والحسن بن علی الحلوانی بمکۃ"[4]

دنیا میں تین ہی بزرگ رہ گئے ہیں (۱) محمد بن یحیی الذھلی خراسان میں (۲) احمد بن الفرات اصفہان میں (۳) حسن بن علی الحلوانی مکہ مکرمہ میں،

(۲) عبدالرزاق بن ہمام صنعانی: (م ۲۱۱ھ) آپ سے اصحاب صحاح ستہ میں سے ہر ایک نے روایت لی ہے اور تقریباً سب ہی نے آپ کی توثیق کی ہے، آپ ابن جریج، ثور بن یزید، معمر، اوزاعی، سفیان ثوری، مالک بن انس رحمہم اللہ جیسے اکابر ائمہ کے شاگرد، اور امام احمد بن حنبل، اسحٰق بن راہویہ، یحیی بن معین امام ذہلی، احمد بن صالح، علی بن مدینی اور عبد بن حمید رحمہم اللہ جیسے عظیم محدثین کے استاذ ہیں،

(۳) ابوبکر بن عبداللہ بن محمد بن ابی سبرۃ: (م ۱۶۲ھ)

امام ذہبیؒ آپ کا تذکرہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں

الفقیہ الکبیر، قاضی ابن ابی سبرۃ بڑے فقیہ

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۳۰۳

[2] ایضاً " " ص ۳۰۳

[3] ایضاً " " ص ۳۰۳

[4] سیر اعلام النبلاء ج ۱۰ ص ۳۹۸

Telegram : t.me/pasbanehaq1

العراق ، ابوبکر بن
عبد الله بن محمد
بن ابی سبرة بن
ابی رُهم وکان
جد ابیه ابوسبرة
بدریا من
السابقین المهاجرین
ابن ابی رُهم
بن عبد العزیٰ
القرشی ، ثم العامری
توفی زمن عثمان
رضی الله عنهما ، و
کانت امه برّة عمّة
رسول الله صلی الله علیه
وسلم واخوه لامه
ابا سلمة المخزومی رض[1]

اور عراق کے قاضی ہیں ،
ان کا نام و نسب اس طرح
ہے ، ابوبکر بن عبد اللہ
بن محمد بن ابی سَبْرَۃ بن
ابی رُہم ۔ ان کے پردادا
ابو سبرۃ بدری صحابی اور
اولین مہاجرین میں سے تھے
جو ابو رُہم بن عبد العزیٰ القرشی
ثم العامری کے فرزند تھے
حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ
کے زمانۂ خلافت میں انکا انتقال
ہوا ان کی والدہ برّہ ، رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی
پھوپھی تھیں ، اور ابو سلمہ
مخزومی رضی اللہ عنہ ان کے
ماں شریک بھائی تھے ۔

آپ حضرت عطا بن ابی رباح ، عبد الرحمٰن بن ھرمز الاعرج ، زید بن اسلم ، ھشام بن عروہ ، شریک بن عبد اللہ بن ابی نمر رحمہم اللہ جیسے اکابر محدثین کے شاگرد اور ابن جریج رح ، ابو عاصم النبیل رح ، محمد بن عمر واقدی رح ، عبد الرزاق بن ھمام

---

[1] سیر اعلام النبلاء ج ۷ ص ۲۳۰

Telegram : t.me/pasbanehaq1

صنعانیؒ، عبداللہ بن ولید عدنیؒ وغیرہ کے استاذ تھے[1]

(۱) امام ابوداؤدؒ آپ کے بارے میں فرماتے ہیں،

"کان مفتی اھل المدینۃ"[2]

آپ اہل مدینہ کے مفتی تھے،

(۲) حضرت مُعَنؒ فرماتے ہیں کہ حضرت امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں مجھ سے ابوجعفر منصور نے پوچھا،

"من بقی بالمدینۃ من المشیخۃ؟ قلت ابن ابی ذئب، وابن ابی سبرۃ، وابن ابی سلمۃ الماجشون"[3]

مدینہ طیبہ کے مشائخ میں سے اب کون باقی رہ گیا؟ میں نے کہا کہ ابن ابی ذئب، ابن ابی سبرۃ، اور ابن ابی سلمہ ماجشون،

(۳) مصعب بن عبداللہ بن الزبیری فرماتے ہیں:

"کان من علماء قریش وَوَلّاہ المنصور القضاء"[4]

ابن ابی سبرہ علماء قریش میں سے تھے اور انہیں منصور نے قاضی بنایا تھا،

(۴) محمد بن سعد فرماتے ہیں:

"کان کثیر العلم والسماع والروایۃ ولی

---

[1] سیر اعلام النبلاء ج ۷ ص ۳۳۰

[2] ایضاً " ج ۷ ص ۳۳۱

[3] سیر اعلام النبلاء ج ۷ ص ۳۳۱

[4] تہذیب الکمال ج ۳۳ ص ۱۰۴

Telegram : t.me/pasbanehaq1

قضاء مکة لزیاد بن عبید اللہ وکان یفتی بالمدینة و قدم بغداد فمات بها سنة اثنتین و مئة فی خلافت المهدی وکان ابن ستین سنة وهو علی قضاء المهدی"[1]

ابن ابی سبرۃ وسیع العلم، کثیر السماع اور کثیر الروایت تھے، زیاد بن عبید اللہ کی طرف سے مکہ مکرمہ کے قاضی بنے، مدینہ طیبہ میں فتویٰ دیا کرتے تھے۔ پھر بغداد چلے آئے اور یہیں انکا ۱۶۲ھ میں مہدی کے زمانۂ خلافت میں انتقال ہوا۔ اس وقت آپ کی عمر ساٹھ سال تھی اور آپ مہدی کی طرف سے قضاء کے عہدے پر فائز تھے

علی بن مدینیؒ اور امام نسائیؒ نے آپ کو متروک الحدیث کہا ہے، امام بخاریؒ نے ضعیف کہا ہے، حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے صاحبزادے عبداللہ اور صالح نے اپنے والد سے ان کے بارے میں وضع حدیث کی روایت نقل کی ہے، ابن عدی نے ان کے بارے میں "مِنْ جملةِ مَنْ یَضَعُ الحدیث" کہا ہے[2]، امام بزار نے "لَیِّنُ الحدیث" قرار دیا ہے[3]

قارئین محترم! آپ نے ابن ابی سبرۃ کے بارے میں موافق و مخالف آراء ملاحظہ فرمائیں، ان آراء سے معلوم ہو رہا ہے کہ ابن ابی سبرہ مختلف فیہ راوی

---

[1] تہذیب الکمال ج ۳۲ ص ۱۰۶

[2] سیر اعلام النبلاء ج ۷ ص ۳۳۱

[3] کشف الاستار ج ۲ ص ۴۱۳

Telegram : t.me/pasbanehaq1

ہیں، اب ہم اس بات کا تجزیہ کرتے ہیں کہ آیا اُن پر جو وضعِ حدیث کا الزام ہے وہ حقیقت ہے یا اس میں مبالغہ ہے؟ تحقیق کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ یہ الزام مبالغہ سے خالی نہیں ہے جس کی درج ذیل وجوہات ہیں۔

پہلی وجہ: یہ ہے کہ ائمہ محدثین کے یہاں یہ بات طے شدہ ہے کہ جرحِ مبہم (یعنی اگر کسی راوی پر بغیر تفصیل کے جرح کی جائے تو وہ) قابلِ قبول نہیں ہوتی، جب تک کہ اس جرح پر کوئی دلیل پیش نہ کی جائے اور اس کی تفصیل بیان نہ کی جائے، ابن ابی سبرہ پر وضعِ حدیث وغیرہ کا الزام لگانے والے بزرگوں میں سے کسی نے بھی ان کے واضع الحدیث اور متروک الحدیث ہونے کی کوئی تفصیل بیان نہیں کی اور نہ اس پر کوئی دلیل قائم کی، نہ کوئی ایسی حدیث بیان کی جو ان سے مروی ہو اور موضوع ہو، ابن عدی نے ان کی چند مرویات ذکر کی ہیں لیکن اُن میں سے کوئی بھی موضوع نہیں ہے۔

دوسری وجہ: یہ ہے کہ ابن ابی سَبْرَۃ پر وضعِ حدیث کا الزام بعد کے لوگوں نے لگایا ہے اُن کے اَقران میں سے کسی نے بھی نہیں لگایا، بلکہ ان کے زمانے کے لوگ تعریف کر رہے ہیں چنانچہ پیچھے گزر چکا ہے کہ حضرت امام مالکؒ نے انہیں مدینہ طیبہ کے مشائخ میں سے شمار کیا ہے سوچنے کا مقام ہے کہ جو شخص واضع الحدیث ہو وہ مدینہ طیبہ کے مشائخ میں سے ہو سکتا ہے؟

تیسری وجہ: یہ ہے کہ محمد بن سعد کے بیان سے معلوم ہو رہا ہے کہ ابن ابی سبرۃ مراکز اسلام میں سے مدینہ طیبہ کے مفتی، مکہ مکرمہ اور عراق کے قاضی تھے، جس زمانے میں آپ مفتی اور قاضی تھے وہ خیر القرون کا زمانہ تھا، اور یہ بھی ایک طے شدہ امر ہے کہ مفتی اور قاضی کے لیے عادل، صادق اور کتاب وسنت کا عالم ہونا ضروری ہے، اِن امور کو سامنے رکھتے ہوئے غور کرنے

Telegram : t.me/pasbanehaq1

کا مقام ہے کہ ایک ایسا شخص جو صادق و عادل نہ ہو، بلکہ جھوٹا اور واضع الحدیث ہو یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ بولنے والا ہو وہ خیر القرون میں مدینہ طیبہ کا مفتی کیونکر بن سکتا ہے؟ جبکہ مدینہ طیبہ میں امام مالکؒ جیسی ہستی بھی موجود ہو اور یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ امام مالکؒ کی موجودگی میں ایک واضع حدیث اور جھوٹے شخص کے پاس اہل مدینہ فتوے پوچھنے جائیں، آخر اہل مدینہ اتنے لاعلم تو نہیں تھے، پھر یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ ایک واضع الحدیث اور جھوٹے شخص کو مدینہ طیبہ کے مشائخ میں شمار کریں۔

اسی طرح اُس زمانے میں مکہ مکرمہ اور عراق میں بڑے بڑے محدثین و فقہاء موجود تھے ان کے ہوتے ہوئے کیونکر ممکن ہے کہ ایک حدیثیں گھڑنے والا اور کذاب شخص قاضی بن جائے؟

چوتھی وجہ: یہ ہے کہ ابن ابی سَبْرَۃ کے واضع الحدیث ہونے کی صورت میں یہ بات عجیب سی لگتی ہے کہ امام بخاریؒ جیسے نقاد اُنہیں صرف ضعیف قرار دیں، اور امام بزارؒ صرف لین الحدیث قرار دیں، کیونکہ "لَیِّنُ الْحَدِیْث" اور "یَضَعُ الحدیث" میں زمین و آسمان کا فرق ہے، ان وجوہات کی بنا پر ہم یہ سمجھنے پر مجبور ہیں کہ ابن ابی سبرۃ پر "وضع حدیث" وغیرہ کی نسبت مبالغے سے خالی نہیں، پیچھے ایک مقام پر ہم لکھ چکے ہیں کہ اُس زمانہ میں کسی کا قاضی یا مفتی بننا بھی بعض محدثین کے نزدیک عیب شمار ہوتا تھا اور وہ اس وجہ سے بھی جرح کر دیتے تھے۔ ابن ابی سبرہ کے بارے میں ہمیں امام ذہبیؒ کا فیصلہ قبول ہے وہ ان کے بارے میں فرماتے ہیں،

"وھو ضعیف الحدیث من قبل حفظہ"[1]

---

[1] سیر اعلام النبلاء ج ۷، ص ۳۳۰

Telegram : t.me/pasbanehaq1

ابن ابی سبرہ حافظہ میں کمزوری کی وجہ سے ضعیف الحدیث ہیں

اور امام بخاری رحمہ اللہ نے جو انہیں ضعیف قرار دیا ہے اسے بھی ہم اسی پر محمول کرتے ہیں کہ انہوں نے مِنْ جہۃ الحفظ ہی ضعیف قرار دیا ہے نہ کہ من جہۃ العدالۃ۔

(۴) ابراہیم بن محمد: (م) ان کا تذکرہ امام بخاری رحمہ اللہ کی تاریخ کبیر، امام ذہبیؒ کی میزان الاعتدال میں موجود ہے دونوں میں سے کسی ایک نے بھی انہیں ضعیف نہیں کہا حافظ ابن حجرؒ تحریر فرماتے ہیں:

"ابراھیم بن محمد بن معاویۃ ابن عبد اللہ بن جعفر ھو ابراھیم بن محمد بن علی بن عبد اللہ بن جعفر صدوق من السادسۃ" [1]

ابراہیم بن محمد بن معاویہ بن عبداللہ بن جعفر، یہ ابراہیم بن محمد بن علی بن عبداللہ بن جعفر ہیں، صدوق ہیں چھٹے طبقہ کے ہیں،

آپ سے امام ترمذی نے اپنی جامع میں ابن ماجہ نے اپنی سنن میں اور امام نسائی نے مسندِ علی میں روایت لی ہے۔

(۵) معاویہ بن عبداللہ بن جعفر: (م) آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بھتیجے عبداللہؓ کے صاحبزادے ہیں آپ کو شرفِ تابعیت حاصل ہے، امام بخاری رحمہ اللہ نے تعلیقاً آپ کی روایت ذکر کی ہے، ان کے علاوہ امام نسائی اور امام ابنِ ماجہ نے بھی آپ سے روایت لی ہے،

عجلیؒ آپ کو ثقہ قرار دیتے ہیں، ابنِ حبان نے بھی آپ کو ثقات میں ذکر کیا ہے [2]

---

[1] تقریب التہذیب ص ۲۳

[2] تہذیب الکمال ج ۲۸ ص ۱۹۷

Telegram : t.me/pasbanehaq1

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ آپ کے بارے میں لکھتے ہیں :

" معاویۃ بن عبد اللہ بن جعفر بن ابی طالب الھاشمی مقبول من الرابعۃ " [1]

حضرت معاویہ بن عبد اللہ چوتھے درجہ کے مقبول راوی ہیں

(۶) عبد اللہ بن جعفر : (م ۸۰ھ) آپ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بھتیجے ہیں۔

(۷) جعفر بن ابی طالب : آپ ـــــ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چچازاد بھائی ، جلیل القدر صحابی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حقیقی بھائی ہیں غزوۂ موتہ میں شہید ہوئے ہیں۔

(۸) حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہٗ : آپ کی شخصیت محتاجِ تعارف نہیں۔

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ اس حدیث کے راویوں میں ابن ابی سبرۃ کے کے علاوہ کوئی راوی ضعیف نہیں ہے ، اور ان کا ضعف بھی بقول امام ذہبیؒ کے مِنْ جِھَۃِ الْحِفْظ ہے نہ کہ مِنْ جِھَۃِ الْعَدَالَتْ ، لہٰذا یہ حدیث حسن درجے کی ہے زیادہ سے زیادہ ضعیف کہہ سکتے ہیں موضوع نہیں یہی وجہ ہے کہ کسی بھی امام اور حافظ الحدیث نے اسے موضوع قرار نہیں دیا ، نہ کسی محدث نے اسے ابن ماجہ کی موضوع احادیث میں شمار کیا ہے ،

علامہ عراقی نے بھی تخریج احیاء العلوم میں اس حدیث کو صرف ضعیف کہا ہے موضوع نہیں کہا چنانچہ آپ تحریر فرماتے ہیں۔

" حدیث صلاۃ لیلۃ النصف باطل ولا بن

---

[1] تقریب التہذیب ص ۳۴۱

Telegram : t.me/pasbanehaq1

ماجة من حديث علي " اذا كانت ليلة النصف من شعبان فقوموا ليلها وصوموا نهارها واسناده ضعيف" [1]

نصف شعبان کی شب پڑھی جانے والی نماز کی حدیث باطل ہے، البتہ ابن ماجہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب نصف شعبان کی شب آئے تو رات کو شب بیداری کرو اور اگلے دن روزہ رکھو اس کی سند ضعیف ہے،

قاضی شوکانی بھی اس حدیث کو صرف ضعیف قرار دیتے ہیں موضوع نہیں چنانچہ آپ تحریر فرماتے ہیں۔

" ولابن حبان من حديث علي : اذا كان ليلة النصف من شعبان فقوموا ليلها وصوموا نهارها ضعيف " [2]

ابن حبان نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث روایت کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب نصف شعبان کی شب آئے تو رات کو شب بیداری کرو اور اگلے دن روزہ رکھو، یہ حدیث ضعیف ہے،

صدیقی صاحب کی دروغ گوئی اور خیانت

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی روایت کی سندی حیثیت ملاحظہ فرمانے

---

[1] اتحاف السادۃ المتقین ج ۳ ص ۷۰۶، [2] الفوائد المجموعۃ ص ۵۱

Telegram : t.me/pasbanehaq1

کے بعد اب قارئین صدیقی صاحب کی دروغ گوئی اور خیانتیں ملاحظہ فرمائیں۔

صدیقی صاحب لکھتے ہیں:

" ابن عدی کامل میں اور ذہبی میزان الاعتدال میں فرماتے ہیں یہ روایت منکر ہے " [1]

صدیقی صاحب نے اپنی تحریر میں دروغ گوئی سے کام لیا ہے اس لیے کہ ابن عدی نے کامل میں ابن ابی سبرہ کی اور روایات تو ذکر کی ہیں لیکن یہ روایت سرے سے ذکر ہی نہیں کی منکر کہنا تو دور کی بات ہے۔

علامہ ذہبیؒ نے میزان الاعتدال میں یہ روایت ذکر تو کی ہے لیکن اسے منکر قرار نہیں دیا، لہٰذا ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ صدیقی صاحب نے یہ کہہ کر کہ "ابن عدی کامل اور ذہبی میزان الاعتدال میں فرماتے ہیں یہ روایت منکر ہے" سرے سے جھوٹ بولا ہے،

صدیقی صاحب میزان الاعتدال کے حوالے سے لکھتے ہیں:

" یہ شخص پہلے شیعہ تھا نفس ذکیہ کے ساتھ مل کر اس نے خلیفہ منصور کے خلاف بغاوت کی، بغاوت کی ناکامی کے بعد یہ قید کر دیا گیا، تقریباً چھ ماہ بعد مدینہ کے کچھ غلاموں نے قید خانے پر حملہ کر کے قیدیوں کو آزاد کر دیا جس میں یہ بھی آزاد ہوا، آزاد ہوتے ہی یہ مسجد کے منبر پر چڑھ گیا اور خلیفہ منصور کی تعریف میں فرضی روایات سنانی شروع کر دیں، جس پر منصور نے خوش ہو کر اسے قاضی بنا دیا، میزان الاعتدال ج ۴ ص ۵۰۳ " [2]

---

[1] شب برات کیا ہے ص ۵۰

[2] ایضاً " " ص ۵۰

Telegram : t.me/pasbanehaq1

قارئین کرام صدیقی صاحب نے میزان الاعتدال کے حوالے سے جو کچھ لکھا ہے اس میں انتہائی خیانت اور دھوکہ دہی سے کام لیا ہے۔ میزان الاعتدال میں کہیں نہیں لکھا ہوا کہ "یہ شخص پہلے شیعہ تھا" اسی طرح میزان میں یہ بھی نہیں ہے کہ "آزاد ہوتے ہی یہ مسجد کے منبر پر چڑھ گیا اور خلیفہ منصور کی تعریف میں فرضی روایات سنانی شروع کر دیں" چنانچہ ہم میزان الاعتدال کی اصل عبارت پیش کرتے ہیں دیکھئے اس میں کہیں ان باتوں کا اتہ پتہ ہے؟

علامہ ذہبیؒ تحریر فرماتے ہیں:

"وكان قد خرج على المنصور مع ابن حسن وكان تحت يده صدقات فامدّ ابن حسن باربعة وعشرين الف دينار، فاسره ابوبكر وسجن مقيّدًا ثم وقع هياج بالمدينة بعد اشهر فكسر عبيد المدينة السجنَ واخرجوه وارادوا فك قيده فقال هٰذا ما يفوت ثم وقف وخطب في اسفل المنبر وحرّض الناس على الطاعة وحذّر من شق العصا فرعى ذالك له المنصور وقال قد اساء ثم احسن ثم ولى القضاء" [1]

ابن ابی سبرہ نے حضرت (محمد بن عبداللہ) بن حسن کے ساتھ مل کر خلیفہ منصور کے خلاف خروج کیا تھا، ان کے قبضہ میں بہت

---

[1] میزان الاعتدال ج ۴ ص ۵۰۴

Telegram : t.me/pasbanehaq1

سے عطیات تھے چنانچہ انہوں نے اُن میں سے چوبیس ہزار دینار بطورِ امداد حضرت (محمد بن عبداللہ) بن حسن کو دیے تھے اسی وجہ سے ابن ابی سبرہ کو گرفتار کر کے بیڑیاں ڈال کر قید کر دیا گیا تھا' پھر کچھ ماہ بعد مدینہ طیبہ میں لڑائی ہوئی تو مدینہ طیبہ کے چند غلاموں نے قید خانے کو توڑ کر ابنِ ابی سبرہ کو نکال لیا اور ان کی بیڑیاں کھولنے لگے، ابن ابی سبرہ نے کہا .....

پھر ابن ابی سبرہ کھڑے ہوئے اور منبر کے سب سے نچلے حصے میں خطبہ دیا جس میں لوگوں کو طاعت پر ابھارا اور لاٹھی کے شق ہونے سے ڈرایا، خلیفہ منصور نے اس وجہ سے اُن کا خیال کیا اور کہا کہ انہوں نے پہلے بُرا کیا تھا اب اچھا کیا، پھر انہیں (عراق کی) قضاء کا منصب عطا کر دیا،

ملاحظہ فرمایئے علامہ ذہبیؒ کے اس بیان میں کہیں دُور دُور تک بھی اشارہ ملتا ہے کہ ابن ابی سبرۃ شیعہ تھے، اور انہوں نے رہا ہونے کے بعد منصور کی تعریف میں فرضی روایات سنائی تھیں ؟

اصل بات یہ ہے کہ علامہ ذہبیؒ کے اس بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ ابن ابی سبرۃ نے منصور کے خلاف اہلِ بیت کی مدد کی تھی جو سبب بنا تھا اُن کے قید ہونے کا، چونکہ صدیقی صاحب شیعہ فوبیہ کا شکار ہیں اس لیے ایک تو انہوں نے ابن ابی سبرۃ کے اہلِ بیت سے اس تعاون کو دیکھتے ہوئے انہیں شیعہ بنا دیا دوسرے اُن کے متعلق یہ جھوٹا بیان داغ دیا کہ "آزاد ہوتے ہی یہ مسجد کے منبر پر چڑھ گیا اور خلیفہ منصور کی تعریف میں فرضی روایات سنانی شروع کر دیں"

Telegram : t.me/pasbanehaq1

صدیقی صاحب آگے لکھتے ہیں ؛

" علامہ ابوالحسن سندھی اپنی شرح ابن ماجہ میں اور ھیثمی مجمع الزوائد میں لکھتے ہیں کہ امام احمد اور امام یحیی بن معین فرماتے ہیں یہ احادیث وضع کیا کرتا تھا اس لیے یہ حدیث موضوع ہے، ابن جوزی نے بھی اسے موضوع قرار دیا ہے اور یہ روایت ابن ماجہ کی موضوعات میں شمار ہوتی ہے" [1]

صدیقی صاحب نے اپنے اس بیان میں بھی انتہائی دروغ گوئی سے کام لیا ہے اس لیے کہ نہ تو علامہ ابوالحسن سندھیؒ نے شرح ابن ماجہ میں اس حدیث کو موضوع قرار دیا ہے اور نہ ہی علامہ ھیثمیؒ نے مجمع الزوائد میں، یہ صدیقی صاحب کا ان شخصیات پر افترا ہے جس سے یہ اکابر بری ہیں، ہم علامہ ابوالحسن سندھیؒ کی اپنی عبارت پیش کرتے ہیں،

قارئین اس عبارت کو ملاحظہ فرمائیں اور دیکھیں کہ صدیقی صاحب نے اس کا کیا بتنگڑ بنایا ہے۔

علامہ سندھیؒ رقمطراز ہیں :

" و فی الزوائد اسناده ضعیف لضعف ابن ابی سبرة و اسمه ابوبکر بن عبد الله بن محمد بن ابی سبرة قال فیه احمد بن حنبل و ابن معین یضع الحدیث " [2]

---

[1] شب برات کیا ہے ص ۵۰

[2] شرح سنن ابن ماجہ ج ۱ ص ۴۲۱

Telegram : t.me/pasbanehaq1

زوائد میں ہے کہ اس حدیث کی سند ضعیف ہے کیونکہ اس میں ایک راوی ابن ابی سبرہ ہے جو ضعیف ہے ان کا نام ابوبکر بن عبداللہ بن محمد بن ابی سبرہ ہے ان کے بارے میں امام احمد بن حنبل اور امام یحیی بن معین کا کہنا ہے کہ یہ حدیث گھڑ لیتے تھے۔

ملاحظہ فرمائیے علامہ سندھیؒ اس روایت کی سند کو "الزوائد" کے حوالے سے ضعیف لکھ رہے ہیں اور صدیقی صاحب علامہ سندھیؒ کے متعلق یہ جھوٹ بول رہے ہیں کہ انہوں نے اس روایت کو موضوع قرار دیا ہے حالانکہ انہوں نے روایت کے بارے میں کچھ بھی نہیں کہا ہاں سند کو ضعیف قرار دیا ہے روایت اور سند میں جو فرق ہے وہ کسی بھی علم حدیث سے مَس رکھنے والے شخص پر مخفی نہیں ہے، معلوم نہیں صدیقی صاحب اس فرق سے آشنا تھے یا نہیں؟

"مجمع الزوائد" ہم نے ساری چھان ماری اس میں اس حدیث کا نام و نشان بھی نہیں ہے چہ جائیکہ علامہ ہیثمیؒ کا اسے موضوع قرار دینا، باقی علامہ سندھیؒ نے جو صاحب زوائد سے یہ نقل فرمایا ہے کہ یحیی بن معین بھی ان کے بارے میں یہ کہتے تھے کہ یہ حدیث گھڑ لیتے تھے، یہ صاحب زوائد کا وہم ہے یحیی بن معین سے ابن ابی سبرہ کے بارے میں ایسی بات ثابت نہیں،

صدیقی صاحب کا یہ کہنا کہ ابن جوزی نے بھی اسے موضوع قرار دیا ہے یہ بھی جھوٹ ہے اسی لیے صدیقی صاحب نے اس کا کوئی حوالہ نہیں دیا ورنہ صدیقی صاحب کے حواری اس کا ثبوت پیش کریں،

اسی طرح صدیقی صاحب کا یہ کہنا کہ "یہ روایت ابن ماجہ کی موضوعات میں شمار ہوتی ہے" یہ بھی غلط ہے کسی نے بھی اسے ابن ماجہ کی موضوعات میں شمار نہیں کیا، ورنہ ان کے حواری اس کا ثبوت پیش کریں،

Telegram : t.me/pasbanehaq1

آگے صدیقی صاحب امام عبدالرزاق ؒ کے متعلق میزان الاعتدال کے حوالے سے زہر اگلتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ابن ابی سبرۃ سے روایت نقل کرنے والا عبدالرزاق بن ہمام ہے، اگرچہ یہ حدیث کا امام تسلیم کیا جاتا ہے، لیکن اس پر بھی محدثین کا اتفاق ہے کہ یہ رافضی ہے اور آخر عمر میں اس کے دماغ نے جواب دے دیا تھا جس کی وجہ سے روایات میں غلط روایات شامل ہوگئیں۔ امام احمد فرماتے ہیں اسے سنی سنائی بھی زیادہ پسند تھیں، میزان الاعتدال ج ۲ ص ۶۰۸" [1]

ایسے محسوس ہوتا ہے کہ آخر عمر میں خود صدیقی صاحب کے دماغ نے جواب دے دیا تھا اس لیے وہ بلا سوچے سمجھے جو چاہتے تھے لکھتے چلے جاتے تھے، صدیقی صاحب نے اپنی اس تحریر میں دروغ گوئی اور خیانت سے کام لیا ہے، اور اسے منسوب میزان الاعتدال کی طرف کر دیا ہے جس سے ہر پڑھنے والا یہ سمجھے گا کہ میزان الاعتدال میں ایسے لکھا ہوا ہے لہٰذا وہ معتبر ہوگا، حالانکہ میزان الاعتدال میں ایسے ہرگز نہیں لکھا ہوا۔

صدیقی صاحب کا کہنا ہے کہ "اس پر بھی محدثین کا اتفاق ہے کہ یہ رافضی ہے" یہ بالکل جھوٹ ہے محدثین کا ہرگز اس پر اتفاق نہیں ہے چنانچہ ہم اس سلسلہ میں محدثین کے اقوال نقل کرتے ہیں جن سے صدیقی صاحب کی اس بات کی تردید ہوتی ہے۔

امام احمد بن حنبل ؒ کے صاحبزادے عبداللہ ؒ کہتے ہیں:

---

[1] شب برات کیا ہے ص ۵۰

Telegram : t.me/pasbanehaq1

"سألت ابی عبد الرزاق یفرط فی التشیع؟ قال أما انا فلم اسمع منه فی هذا شیئاً ولکن کان رجلا یعجبه اخبار الناس"[1]

میں نے اپنے والد سے عبدالرزاق کے بارے میں سوال کیا کہ کیا وہ شیعیت میں غلو سے کام لیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ بھئی میں نے تو ان سے اس بارے میں کچھ بھی نہیں سنا ہاں مجھے اس قدر معلوم ہے کہ وہ احادیث سے بڑا شغف رکھتے تھے،

علامہ ذہبیؒ تحریر فرماتے ہیں:

"ولقموا علیه التشیع وما کان یغلو فیه بل کان یحب علیا رضی الله عنه ویبغض من قاتله، وقد قال سلمة بن شبیب سمعت عبد الرزاق یقول: والله ما انشرح صدری قط ان افضل علیا علی ابی بکر وعمر وکان رحمه الله من اوعیة العلم"[2]

محدثین نے آپ پر شیعیت کا الزام لگایا ہے، حقیقت یہ ہے کہ آپ اس میں غلو نہیں کرتے تھے، بات صرف اتنی ہے کہ آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے محبت کرتے تھے اور ان کے قاتل سے نفرت، سلمہ بن شبیب (عبدالرزاق کے شاگرد) کہتے ہیں

---

[1] میزان الاعتدال ج ۴ ص ۶۱۰

[2] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۳۶۴

Telegram : t.me/pasbanehaq1

کہ میں نے عبدالرزاق سے یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ خدا کی قسم مجھے کبھی بھی اس پر شرح صدر نہیں ہوا کہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما پر فضیلت دوں۔ امام ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ امام عبدالرزاق علم کا خزانہ تھے،

محدث احمد بن الازہر رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

سمعت عبدالرزاق یقول افضل الشیخین بتفضیل علی ایاھما علی نفسہ ولو لم یفضلھما لم افضلھما ، کفی بی ازراءً ان احب علیا ثم اخالف قولہ " [1]

میں نے امام عبدالرزاق کو یہ کہتے ہوئے سُنا کہ میں شیخین (حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما) کو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر فضیلت دیتا ہوں کیونکہ خود حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انہیں اپنے اوپر فضیلت دی ہے ہاں اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ انہیں اپنے اوپر فضیلت نہ دیتے تو میں بھی نہ دیتا ، میری بُرائی کے لیے یہی کافی ہے کہ میں جناب علی رضی اللہ عنہ سے محبت کروں اور ان کی بات کی خلاف ورزی کروں ۔

قارئین محترم : یہ ہے حقیقت امام عبدالرزاقؒ کے شیعہ ہونے کی محدثین اُن کے شیعہ ہونے کی تردید کر رہے ہیں ، صدیقی صاحب فرماتے ہیں کہ اُن کے رافضی ہونے پر محدثینؒ کا اتفاق ہے ،

---

[1] میزان الاعتدال ج ۴ ص ۶۱۲

Telegram : t.me/pasbanehaq1

بات وہیں آجاتی ہے کہ چونکہ صدیقی صاحب بغضِ علیؓ کا شکار ہیں اس لیے انہیں حبِ علیؓ میں سرشار ہر فرد رافضی نظر آتا ہے، حضرت امام شافعی رحمہ اللہ پر جب کچھ لوگوں نے رافضی ہونے کا الزام لگایا تو آپ نے جواباً ارشاد فرمایا

لو کان حب آل محمد رفضا
فلیشھد الثقلان انی رافض

اگر آلِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا مطلب رافضی ہونا ہے
تو جن وانس گواہ رہیں کہ میں رافضی ہوں۔

ناصبی لوگوں کا وطیرہ ہے کہ ہر محبِ اہلبیت کو رافضی قرار دے دیتے ہیں یاد رہے کہ امام عبدالرزاقؒ کو رافضی قرار دینے والے پہلے شخص جوزجانی ہیں جو خود ناصبی ہیں۔ چونکہ صدیقی صاحب خود بھی ناصبی ہیں اس لیے انہیں ہر محبِ اہلبیت رافضی نظر آتا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ امام عبدالرزاقؒ کے حافظہ میں آخر عمر میں فرق آگیا تھا، لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اس وجہ سے ان کی تمام روایات کو رد کر دیا جائے، ہاں اصول کے مطابق اُن کی اخیر عمر کی روایات کے بارے میں جرح کی جا سکتی ہے، مگر وہ بھی احادیثِ احکام وعقائد میں (وہ بھی اس صورت میں کہ اُن کا کوئی متابع نہ ہو) نہ کہ احادیث فضائل میں،

یہی وجہ ہے کہ تمام اصحابِ صحاحِ ستہ نے آپ سے روایت لی ہے اور آپ کی وجہ سے اُن احادیث پر کوئی جرح نہیں کی، ابن ابی شیبہؒ نے جو آپ سے روایت لی ہے وہ آپ کے ابتدائی دور کی ہے جو حافظہ میں اختلاط سے پہلے کا دور ہے، کیونکہ امام عبدالرزاقؒ کی وفات ۲۱۱ھ میں ہوئی ہے جبکہ ابن ابی شیبہ کی وفات ۱۶۲ھ میں امام عبدالرزاقؒ کی وفات سے ۴۹ برس پہلے ہوئی ہے

Telegram : t.me/pasbanehaq1

صدیقی صاحب یہ جو لکھتے ہیں کہ " امام احمد فرماتے ہیں اسے سُن سُنائی گپیں زیادہ پسند تھیں" یہ انہوں نے امام احمدؒ کی قول کا مطلب غلط لیا ہے ہم امام احمد رحمہ اللہ کا اصل قول پیش کرکے اس کا جو مطلب دیگر متقدمین نے بیان کیا ہے وہ ذکر کرتے ہیں۔

امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

" اما انا فلم اسمع منه فی هذا شیئاً ولکن کان رجلا یعجبه اخبار الناس "[1]

مولانا ضیاء الدین صاحب اصلاحی، رفیق دار المصنفین اعظم گڑھ اس قول کا مطلب یہ تحریر فرماتے ہیں:

" امام احمد سے ان کے صاحبزادے عبد اللہ نے اس کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ میرے کانوں نے ان سے اس طرح کی کوئی بات نہیں سُنی ہے، ان کے بارے میں مجھ کو صرف اس قدر معلوم ہے کہ وہ احادیث سے بڑا شغف رکھتے تھے"[2]

ملاحظہ فرمایئے صدیقی صاحب نے ایک سیدھی سی بات کو کیا سے کیا بنا دیا،

صدیقی صاحب کے بہتانات

صدیقی صاحب لکھتے ہیں:

" ان روایات میں جس نزولِ الٰہی کا بار بار ذکر ہو رہا ہے وہ کسی رات

---

[1] میزان الاعتدال ج ۴ ص ۶۱۰

[2] تذکرۃ المحدثین جلد اول ص ۶۹

Telegram : t.me/pasbanehaq1

کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ یہ نزول ہر رات تہجد کے وقت ہوتا ہے ان صوفیاء نے اسے ایک رات کے ساتھ مخصوص کر کے لوگوں کو تہجد کی نعمت سے محروم کر دیا اور اس طرح اسلام کو فائدے کے بجائے نقصان پہنچایا" [1]

صدیقی صاحب نے اس بیان میں صوفیاء پر بہتان باندھا ہے، صوفیائے نزول الٰہی کو قطعاً اس رات کے ساتھ مخصوص نہیں کیا وہ ہر رات میں نزول الٰہی کے قائل ہیں (البتہ اس رات اور عام راتوں میں فرق کرتے ہیں وہ یہ کہ اس رات شروع رات ہی سے نزول الٰہی ہوتا ہے اور عام راتوں میں اخیر شب کے اندر، اور یہ فرق خود احادیث میں موجود ہے) صدیقی صاحب کے حواریین میں ہمت ہے تو صدیقی صاحب کے اس دعوے کو (کہ صوفیاء نے اسے ایک رات کے ساتھ مخصوص کر دیا ہے) دلیل سے ثابت کریں، ورنہ ہم اسے صوفیاء پر بہتان سمجھنے میں مجبور ہوں گے۔

صدیقی صاحب کا یہ کہنا کہ "صوفیاء نے لوگوں کو تہجد کی نعمت سے محروم کر دیا" یہ خود اپنا منہ چڑانے کے مترادف ہے صدیقی صاحب کو ایسی بات کرتے ہوئے شرم آنی چاہیئے تھی اس لیے کہ صدیقی صاحب تہجد تو کجا عام نمازیں بھی نہیں پڑھتے تھے جیسا کہ کراچی کے عوام و علماء اس کے شاہد ہیں اس طرح انہوں نے اپنے طرز عمل سے نہ جانے کتنے افراد کو تارک نماز بنایا ہوگا۔ اور وہ الزام لگا رہے ہیں صوفیاء کرام پر کہ انہوں نے لوگوں کو تہجد کی نعمت سے محروم کر دیا، حالانکہ صوفیاء کے نزدیک کوئی صوفی ہو ہی نہیں سکتا جب تک کہ وہ تہجد کا پابند نہ ہو انہوں نے لوگوں کو تہجد سے کیا روکنا تھا ان کی تو دعوت ہے کہ فرائض کے

---

[1] شب برات کیا ہے ص ۵۰

Telegram : t.me/pasbanehaq1

ساتھ نوافل پر بھی عمل کیا جائے تاکہ قربِ نوافل والی حدیث کی فضیلت حاصل ہو جائے۔

کچھ آگے چل کر صدیقی صاحب تحریر فرماتے ہیں :

" احادیث صحیحہ سے معلوم ہوتا ہے کہ شب قدر آخر عشرہ میں ہوتی ہے اسی لیے ارشادِ رسولؐ ہے " رمضان کے آخر عشرے میں اسے تلاش کرو " لیکن افسوس کہ حنفیت کے دعویداروں نے شب قدر کو ستائیس کے ساتھ مخصوص کر کے رمضان کی راتوں کی شب بیداری سے نجات حاصل کر لی " [1]

یہ بھی صدیقی صاحب کا اعتراف کفر ! للہ سوادھم پر بہتان ہے ، احناف نے ہرگز شب قدر کو ستائیس کے ساتھ مخصوص نہیں کیا ، بحمد اللہ احناف حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد کے مطابق رمضان کے اخیر عشرہ کی طاق راتوں میں شب قدر کی جستجو کرتے ہیں اور اسی کی جستجو میں اکیسویں شب سے اعتکاف کرتے ہیں ، ہاں البتہ ان بعض روایات کی بنا پر جن میں ستائیسویں شب میں شبِ قدر کے ہونے کا زیادہ احتمال بتلایا گیا ہے ، اس شب میں اور شبوں کی نسبت زیادہ اہتمام کرتے ہیں اور اس میں اعتراض کی کوئی بات نہیں ۔

صدیقی صاحب تحریر فرماتے ہیں :

" یہ چند روایات ہیں جو ہم نے بطورِ نمونہ پیش کی ہیں ۔ اگر ہم تمام روایات پیش کر کے اس پر بحث کریں تو ایک تفصیلی کتاب درکار ہوگی ہم نے ہر روایت پر تفصیلی بحث اپنی کتاب " شبِ برات اور اس کی حقیقت " میں بیان کر دی ہے جسے دیگر روایات کی

---

[1] شبِ برات کیا ہے ص ۵۱

Telegram : t.me/pasbanehaq1

تحقیق مطلوب ہو وہ اس کتاب کا انتظار کرے" [1]

صدیقی صاحب کی شبِ برات سے متعلق بڑی کتاب کا تجزیہ

صدیقی صاحب کی اس کتاب کا ہم نے بغور مطالعہ کیا ہے، اس میں بھرتی کے سوا کچھ نہیں۔ صدیقی صاحب نے جس دجل و تلبیس سے اس چھوٹے رسالے میں کام لیا ہے، اسی دجل و تلبیس بلکہ اس سے کہیں بڑھ کر اس بڑی کتاب میں کام لیا ہے، یہ چھوٹا رسالہ اسی بڑی کتاب کا خلاصہ ہے، قارئین نے خلاصہ کی حقیقت جان لی اسی پر وہ بڑی کتاب کو قیاس کر لیں ؎

قیاس کن ز گلستانِ من بہار مرا

حقیقت یہ ہے کہ صدیقی صاحب نے اصولِ حدیث سے صرفِ نظر کرتے ہوئے احادیثِ فضائل پر جرحیں کی ہیں حالانکہ جمہور محدثین و فقہاء احادیث فضائل میں توسع کے قائل ہیں اور ان پر ایسی جرحیں نہیں کرتے، اگر صدیقی صاحب اس اصول کو مدِ نظر رکھتے تو اتنی بڑی کتاب لکھنے کی ضرورت ہی پیش نہ آتی۔

صدیقی صاحب کی دھوکہ دہی

صدیقی صاحب رقمطراز ہیں:

آخر میں یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ائمہ محدثین و فقہاء نے شبِ برات اور اس کی روایت کے بارے میں جو آراء پیش کی،

---

[1] شبِ برات کیا ہے ص ۵۲

Telegram : t.me/pasbanehaq1

ہیں اور ان روایات پر جو تبصرے کئے ہیں وہ ہم قارئین کی خدمت میں پیش کردیں تاکہ قارئین کو یہ اندازہ ہوجائے کہ یہ کوئی ہماری نرالی رائے نہیں" الخ [1]

صدیقی صاحب نے اپنی اس تحریر کے مطابق ص۵۲ سے ص۶۰ تک مختلف محققین کی آراء پیش کی ہیں، ہم نے اُن آراء کو صرف بحرف پڑھا ہے ان آراء میں ہمیں شبِ برات کے متعلق صدیقی صاحب کا جو نظریہ ہے اس نظریہ کی تائید میں قطعاً کوئی بات نہیں ملی، بعض محققین نے شب برات سے متعلق دو ایک حدیثوں کو ضعیف کہا ہے اس پر ہمارا بھی صاد ہے لیکن اس سے صدیقی صاحب کا نظریہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کیونکہ ان کا نظریہ تو یہ ہے کہ اس شب کی نہ کوئی شرعی حیثیت ہے نہ اس کی کوئی فضیلت یہ شیعوں کی عبادت کی رات ہے وہ اس رات میں تبرا کرتے ہیں اس لیے یہ تبرے کی رات ہے وغیرہ وغیرہ۔

ہم قارئین کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ دُوربین لگا کر دیکھ لیں کہ صدیقی صاحب کی پیش کردہ عبارتوں میں سے کسی بھی عبارت میں اُن کے نظریہ کی تائید نظر آتی ہے ؟

دراصل صدیقی صاحب نے محققین کی یہ آراء پیش کرکے عوام کو دھوکہ دینے کی ناکام کوشش کی ہے اس لیے کہ ان آراء سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر محقق شبِ برات میں پڑھی جانے والی مخصوص نماز کی تردید کررہا ہے نہ کہ شبِ برات کی اور صدیقی صاحب اِن آراء کو خاص شبِ برات کے خلاف

---

[1] شبِ برات کیا ہے ص ۵۲

Telegram : t.me/pasbanehaq1

Telegram : t.me/pasbanehaq1

پیش کر رہے ہیں، ہم بھی شبِ برات میں پڑھی جانے والی مخصوص نماز کو صحیح نہیں سمجھتے لیکن اس مخصوص نماز کے صحیح نہ ہونے سے یہ کیسے لازم آگیا کہ سرے سے شبِ برات کی حیثیت اور فضیلت کا تصور بھی صحیح نہیں ہے ؟

آگے صدیقی صاحب نے شبِ برات سے متعلق کوئی خاص بات نہیں لکھی اس لیے ہم بھی اپنی اس تحریر کو یہیں ختم کرتے ہوئے دست بدعا ہیں کہ اللہ تعالیٰ اسے عوام کی ہدایت اور احقر کی نجات کا ذریعہ بنا دے۔

وما ذالک علی اللہ بعزیز وما علینا الا البلاغ المبین۔

مرادِ ما نصیحت بود و گفتیم حوالت باخدا کردیم و رفتیم

Telegram : t.me/pasbanehaq1

Telegram : t.me/pasbanehaq1

مکتبہ قاسمیہ
الفضل مارکیٹ ۱۷- اُردو بازار لاہور
Ph: 042-37232535-6, 0321-4220554
E.mail: maktaba_qasmia@hotmail.com

Telegram : t.me/pasbanehaq1

شب براءت کیا ہے؟

شب براءت کے موضوع پر ایک تحقیقی مقالہ جس میں اس موضوع کی روایات پر سیر حاصل تبصرہ کر کے اصل حقیقت واضح کی گئی ہے۔

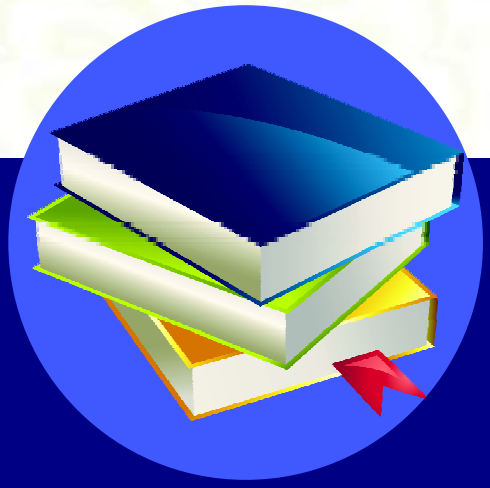

تالیف: علامہ حبیب الرحمان صدیقی کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ

اعداد و تبصرہ

محمد فہد حارث

حارث پبلیکیشنز

شب براءت کیا ہے؟

شب براءت کے موضوع پر ایک تحقیقی مقالہ جس میں اس موضوع کی روایات پر سیر حاصل بحث کر کے اصل حقیقت واضح کی گئی ہے۔

تالیف

علامہ حبیب الرحمان صدیقی کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ

اعداد و تبصرہ: محمد فہد حارث

حارث پبلیکیشنز

haris.publications@gmail.com

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
۱	تبصرہ	۳
۲	تعارف	۷
۳	تقریظ	۹
۴	شب براءت یا شب تبراء	۱۲
۵	لیلۃ مبارکہ کی تفسیر	۱۸
۶	حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے ارشادات کی حقیقت	۲۴
۷	عثمان بن المغیرہؓ کی روایت	۲۸
۸	بقیع کی کہانی	۳۱
۹	حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی روایت	۴۳
۱۰	حضرت ابوبکر صدیقؓ کی روایت	۴۵
۱۱	شعبان میرا مہینہ ہے	۴۹
۱۲	ایک دعا	۵۲
۱۳	حضرت انسؓ کی ایک روایت	۵۵
۱۴	شب براءت کا روزہ	۵۶

۱۵	محدثین اور فقہاء کے تبصرے	۵۹
۱۶	آتش بازی یا کہ آتش پرستی	۷۶
۱۷	حلوے مانڈے	۸۱

تبصرہ

ویسے تو شب براءت کے موضوع پر کئی کتب تصنیف کی گئی ہیں، جس میں اس رات کے وضعی ہونے سے متعلق عمدہ و مفصل کلام کیا گیا ہے لیکن اس بابت ہم کو جو کتاب سب سے زیادہ پسند ہے وہ علامہ حبیب الرحمٰن کاندھلوی صاحب کا کتابچہ ''شب براءت کیا ہے؟'' جو کہ ان کی ۵۷۸ صفحات پر مشتمل مفصل کتاب ''شب براءت ایک تحقیقی جائزہ'' کا ۸۸ صفحات پر مشتمل خلاصہ ہے۔ کاندھلوی صاحب کی یہ مفصل کتاب بھی ہم نے پڑھی ہوئی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اس موضوع پر اس سے زیادہ شاندار اور مفصل کتاب ہماری نظروں سے نہیں گزری جس میں شعبان سے متعلق ایک ایک روایت پر کلام کیا گیا ہے جس نے اس کتاب کی ضخامت کو تقریباً ۶۰۰ صفحات تک پہنچا دیا ہے۔ اس ہی کتاب کا خلاصہ زیر تبصرہ کتاب ''شب براءت کیا ہے؟''۔ یہاں ہم یہ وضاحت بھی کر دیں کہ یہ کتابچہ اپنی ابتدائی شکل میں ''فضائل شعبان المعظم'' کے نام سے چھپا تھا جس کو مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع، علامہ محمد یوسف بنوری اور دوسرے علمائے اہلسنت کی تائید حاصل ہوئی تھی۔

کتاب ''شب براءت کیا ہے؟'' پر مشہور حنفی عالم جناب علامہ شیخ محمد جعفر شاہ پھلواری کی تقریظ موجود ہے جس میں انہوں نے اس کتاب پر علامہ کاندھلوی کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے ان کے علم الحدیث میں ماہر ہونے کا اعتراف کیا ہے۔ کتاب ہٰذا میں کاندھلوی صاحب سب سے اول مبحث مرکب ''شب براءت'' کے معنی پر بحث کرتے ہوئے لاتے ہیں جہاں وہ ثابت کرتے ہیں کہ قرآن وحدیث میں اس نام سے کوئی رات موجود نہیں بلکہ یہ فارسی اور عربی کو ملا کر بنایا گیا ایک مرکب اضافی ہے جس میں شب فارسی کا لفظ اور براءت عربی کا لفظ ہے۔ اس کے بعد کاندھلوی صاحب ''براءت'' کے لفظ پر بحث کرتے ہوئے ثابت کرتے ہیں کہ یہ لفظ براءت بری سے بنا ہے جس کا مصدر متعدی تبرا ہے اور عربی زبان میں یہ

تمام الفاظ نفرت و بیزاری کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔اس بابت وہ قرآن وحدیث سے کئی مثالیں دیکر اپنی بات سمجھاتے ہیں اور آخر میں اصل مدعا سامنے رکھتے ہیں کہ دراصل یہ رات روافض کی ایجاد کردہ ہے جن کا یہ ماننا ہے کہ ان کے بارہویں امام مہدی اس رات کو پیدا ہوئے تھے، اسی رات کو غار میں پوشیدہ ہوگئے اور اسی رات کو دوبارہ ظہور فرما کر اس دنیا کو اہلسنت کے ''ناپاک'' وجود سے نجات دلائیں گے، ابوبکرؓ وعمرؓ کو ان کی قبروں سے نکال کر انہیں پھانسی پر لٹکائیں اور تمام بے دینوں یعنی اہلسنت مسلمانوں کو قتل کریں گے۔گویا یہ رات اصل میں تبرا اور اہلسنت سے بیزاری والی رات ہے۔

صفحہ ۱۸ پر کاندھلوی صاحب سورۃ الدخان کی آیت نمبر ۲ تا ۵ پر مفصل کلام کر کے ثابت کرتے ہیں کہ ان آیات میں جس رات کو لیلۃ المبارکہ کہا گیا ہے وہ ۱۵ شعبان نہیں بلکہ رمضان کی لیلۃ القدر ہے۔ سورۃ الدخان کی یہی تفسیر مفتی محمد شفیع صاحب نے بھی اپنی تفسیر القرآن میں کی ہے۔کاندھلوی صاحب نے اس سلسلے میں سلف کے نام بھی پیش کئے ہیں جو کہ لیلۃ المبارکہ سے مراد لیلۃ القدر لیتے تھے جیسا کہ سیدنا عبداللہ بن عباسؓ، سیدنا عبداللہ بن عمرؓ، امام سعید بن المسیبؒ، امام مجاہد، امام حسن بصری، ضحاک، زید بن اسلم، قتادہ، ابن العربی مالکی، ابن تیمیہ، ابن قیم، ابن دحیہ، ابن حجر، ابن کثیر، قرطبی، امام نووی اور دوسرے کئی اہل علم۔

آگے جا کر کاندھلوی صاحب سیدنا عبداللہ بن عباسؓ کے اس قول پر کلام کرتے ہیں جو کہ عموماً اس رات کے قائلین پیش کرتے ہیں کہ جس میں مذکور ہے کہ لیلۃ المبارکہ ۱۵ شعبان کی رات ہے اور جرح و تعدیل کی روشنی میں سیدنا عبداللہ بن عباسؓ سے اس قول کی نسبت کو باطل ثابت کرتے ہیں۔اس سلسلے میں جو دوسری روایت پیش کی جاتی ہے وہ عثمان بن المغیرہ کی روایت ہے جس میں مذکور ہے کہ شعبان سے شعبان تک موتوں کا فیصلہ کیا جاتا ہے جبکہ یہ روایت مرسل ہے کیونکہ عثمان بن المغیرہ چھوٹے طبقہ کے تابعی ہیں اور اس سلسے میں حافظ ابن کثیر کا تائیدی قول پیش کرنے کے ساتھ ساتھ اس روایت کے باقی رواۃ پر مفصل جرح پیش کر کے اس روایت کا وضعی ہونا ثابت کرتے ہیں۔اس کے بعد علامہ حبیب الرحمٰن کاندھلوی

اس سلسلے میں پیش کی جانے والی سب سے مشہور روایت بعنوان ''بقیع کی کہانی'' پیش کرتے ہیں جو کہ ترمذی اور ابن ماجہ میں پائی جاتی ہے اور سیدہ عائشہؓ سے مروی ہے کہ نصف شعبان کی رات کو اللہ تعالیٰ بنو کلب کی بھیڑوں کے بالوں سے زیادہ لوگوں کی مغفرت فرماتا ہے۔ اس روایت پر نہایت دلچسپ درایتاً بحث کرنے کے ساتھ ساتھ کاندھلوی صاحب لکھتے ہیں کہ اس روایت کی بابت خود امام ترمذی نے تصریح کردی ہے کہ امام بخاری اس حدیث کو ضعیف کہتے تھے اور انہوں نے فرمایا کہ یہ روایت حجاج بن ارطات یحییٰ بن ابی کثیر سے نقل کر رہا ہے حالانکہ اس نے یحییٰ سے زندگی میں ملاقات تک نہیں کی۔ امام ترمذی فرماتے ہیں یحییٰ اس روایت کو عروہ سے نقل کرتے ہیں۔ اور یحییٰ نے عروہ سے بھی کبھی ملاقات نہیں کی۔ اس طرح یہ روایت دو مقام سے منقطع ہوئی اور منقطع روایت محدثین کے نزدیک ناقابل قبول ہے اور جو روایت دو جگہ سے منقطع ہو وہ محدثین کے نزدیک معضل کہلاتی ہے اور جو انتہائی شدید قسم کی ضعیف بلکہ مردود ہوتی ہے۔ اسی لیے حافظ بدرالدین عینی حنفی، ابن دحیہ اور ابن العربی مالکی نے اسے موضوع قرار دیا۔

صفحہ ۴۳ پر کاندھلوی صاحب ابن ماجہ میں مروی سیدنا ابوموسیٰ اشعریؓ کی روایت پر کلام کرتے ہیں جس میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نصف شعبان کی صبح کو طلوع فرماتا ہے اور کینہ پرور کے علاوہ سب کی مغفرت کردیتا ہے۔ جبکہ اس روایت کا ایک راوی عبداللہ بن لہیعہ مختلف فیہ ہے جبکہ دو راوی ضحاک بن عبدالرحمان اور عبدالرحمٰن بن عرزب مجہول ہیں سو گویا جرح و تعدیل کے میزان میں یہ روایت بھی سخت ضعیف قرار پاتی ہے۔ ساتھ وہ سیدنا ابوبکر صدیقؓ سے مروی ایک روایت پر بھی کلام کرتے ہیں جو کہ متن میں سیدنا ابوموسیٰ اشعریؓ کی روایت کے موافق ہے تاہم اس میں اللہ کے طلوع ہونے کا نہیں آسمان دنیا پر نزول فرمانے کا ذکر ہے۔ اس روایت کے منکر ہونے کے لئے یہی بات کافی ہے کہ ابن عدی نے اس روایت کو اپنی کتاب ''الکامل'' میں عبدالملک بن عبدالملک کی منکرات کے تحت نقل کر کے منکر قرار دیا ہے۔ ساتھ ہی کاندھلوی صاحب اسماء والرجال سے متعلق معلومات بھی بہم پہنچاتے ہیں اور یہی اس کتاب کی سب سے خوبصورت بات ہے کہ اس میں روایات پر بحث کرتے ہوئے کاندھلوی صاحب علم الحدیث سے متعلق بھی گرانقدر معلومات نہایت دلچسپ پیرائے میں ہدیۂ قارئین کرتے جاتے ہیں۔ روایات پر کلام

کے ذیل میں قارئین جابجا یہ معلومات پائیں گے۔

صفحہ ۵۰ پر زبان زد عام روایت یعنی ''رجب اللہ کا مہینہ ہے، شعبان میرا مہینہ اور رمضان میری امت کا مہینہ ہے'' پیش کر کے اس پر مفصل کلام کیا گیا ہے اور اس کا ضعف واضح کیا گیا ہے۔ پھر آگے جا کر ''شعبان کے روزے'' سے متعلق ابن ماجہ اور ابن حبان میں سیدنا علیؓ سے مروی روایت کہ ''جب نصف شعبان ہو تو رات کو قیام کرو اور دن میں روزہ رکھو'' پر کلام کیا گیا ہے اور ثابت کیا گیا ہے کہ اس روایت کا ایک راوی ابوبکر بن عبداللہ بن ابی سبرۃ المدنی ہے جو کہ از حد نا قابل اعتبار ہے۔ صفحہ ۶۰ سے لیکر صفحہ ۷۸ تک کاندھلوی صاحب مختلف محدثین وفقہاء کے تبصرے نقل کرتے ہیں جو کہ اس روایت کے وضعی ہونے کی بابت کلام پر مشتمل ہیں۔ اس سلسلے میں کاندھلوی صاحب ابن قیم، علامہ محمد طاہر علی الحنفی پٹنی، قاضی ابوبکر ابن العربی المالکی، ملا علی قاری، امام محمد بن الجزری، امام عینی، عبدالرحمٰن مبارکپوری اور علامہ شبیر احمد عثمانی وغیرہ کا کلام نقل فرماتے ہیں اور ساتھ ہی اس رات سے متعلق گفتگو کرتے ہوئے اس کی ابتداء اور روافض کے اس رات کے ایجاد کرنے سے متعلق کلام کرتے ہوئے ایک مختصر لیکن نہایت دلچسپ تاریخی خاکہ پیش کرتے ہیں جو پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے جس کا مختصر خلاصہ یہ ہے کہ یہ رات بنی بویہ کے دور میں روافض نے ایجاد کی اور وہاں سے یہ اہلسنت میں در آئی۔

اسی طرح کتاب کے آخر میں ''آتش بازی یا آتش پرستی'' کے عنوان سے بحث قائم کر کے کافی دلچسپ کلام کرتے ہیں اور اس رات آتش بازی کی اصل غرض وغایت سے عوام کو روشناس کرواتے ہیں کہ یہ آل مجوس سے مستعار لیا روافض کا طریق ہے۔ پھر ''حلوے مانڈے'' کی سرخی قائم کر کے اس سلسلے میں پیش کی جانے والی مختلف روایات پر کلام فرماتے ہیں۔ المختصر کاندھلوی صاحب کی یہ کتاب نہ صرف ۱۵ شعبان سے متعلق روایات پر مفصل کلام کرتی ہے بلکہ اپنے اندر انتہائی وقیع تاریخی معلومات بھی رکھتی ہے جس کا مطالعہ اس موضوع سے دلچسپی رکھنے والے ہر طالب علم کو کرنا چاہیے۔

محمد فہد حارث

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تعارف

تقریباً بیس سال قبل بعض حقیقت پسند علم دوست حضرات کے تقاضوں کے تحت جناب علامہ حبیب الرحمن صدیقی کاندھلوی نے ''فضائل شعبان المعظم'' نامی بہتر صفحوں پر مشتمل ایک کتابچہ تحریر فرمایا تھا جس میں شب براءت کے سلسلہ میں عام طور پر پیش کی جانیوالی اور نہ پیش کی جانیوالی احادیث پر روشنی ڈالتے ہوئے اور مختصر بحث کرتے ہوئے یہ ثابت کیا تھا کہ پندرہ شعبان کا روزہ اور نصف ماہ شعبان کی شب بیداری وغیرہ بدعت سیئہ اور گمراہی ہے جس کو ابن جہضم جیسے کتابوں کی سنت کی پیروی اور مسلم دیوان کا نام تو دیا جاسکتا ہے لیکن سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا سنت صحابہؓ ہرگز نہیں قرار دیا جاسکتا۔

اس کتابچہ کو علماء وعوام الناس کے سامنے پیش کرنے پر پاکستان کے مفتی اعظم جناب مفتی محمد شفیع صاحب (مرحوم) نیو ٹاؤن مدرسہ کراچی کے علامہ محمد یوسف بنوری (مرحوم) اور بعض علماء اہل سنت و اہل حدیث نے اسکی تائید کی اور بعض نے خفگی کا اظہار کیا۔ بعض حضرات نے تردیدی جواب لکھنے کے عزم کا اظہار تو کیا لیکن سالہا سال کی طویل مدت گزر جانے کے باوجود ایسا کرنے سے قاصر رہے۔

بعد ازیں حق کے متلاشی متعدد حضرات نے اس بات پر زور دیا کہ شب براءت کے سلسلہ میں مکمل تحقیق ہونی چاہیے اور ایسی کتاب لکھی جانی چاہیے جو عوام کے علاوہ تحقیق کرنیوالوں کیلئے بھی حوالہ کا کام دے سکے۔ علامہ موصوف نے کاوش و چھان بین سے تقریباً ۵۷۶ صفحات پر مشتمل ایک ضخیم کتاب تصنیف فرما کر اس ضرورت کو بھی پورا کر دیا ہے۔

کتاب زیورِ طباعت سے آراستہ ہو کر منظر عام پر آ گئی ہے اور تقریباً ہر کتب فروش کے ہاں سے

دستیاب ہے۔جس کے مطالعہ سے خاطر خواہ فائدہ حاصل کیا جاسکتا ہے۔

کتابچہ ہذا اصل کتاب کا خلاصہ اور سابقہ کتابچہ کی ایک ترمیم شدہ شکل ہے۔اس کے مطالعہ سے شب براءت کی حقیقت کو بہ آسانی سمجھا جاسکتا ہے۔جائز وصحت مند تنقید فراخ دلی کے ساتھ قبول کی جائے گی۔ الرحمن پبلشنگ ٹرسٹ اسکی منتظر رہے گی اور خیر مقدم کریگی۔

معتمد عمومی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تقریظ

جناب علامہ شیخ محمد جعفر شاہ—سجادہ نشین پھلوار شریف

مذہبی تقاریب دو قسم کی ہوتی ہیں۔ایک وہ جسکی بنیاد کتاب اللہ یا سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں موجود ہے۔ مثلاً عید الفطر اور عید الضحیٰ وغیرہ اور دوسری وہ جسکی کوئی اصل، کوئی بنیاد شریعت میں موجود نہیں۔ جیسے آخری چار شنبہ کی خوشی، بارہ وفات کا سوگ وغیرہ۔جس تقریب کی کوئی ممانعت موجود نہ ہو اسکے جواز میں کوئی شبہ نہیں لیکن اس میں دو باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ایک یہ کہ اس میں مصالح اُمت غالب ہوں۔دوسرے یہ کہ اس پر فرائض و واجبات کی طرح پابندی و مداومت نہ ہو۔ اور اگر کسی وقت پہلوئے شر غالب آنے کا اندیشہ ہو تو اس کا ترک ضروری ہے۔ بڑی مشکل وہاں پیش آتی ہے جہاں کسی تقریب کا سراغ روایات میں ملتا ہو لیکن حقیقت میں مستند نہ ہوں۔ پھر دشواری اسوقت اور زیادہ بڑھ جاتی ہے جب صدیوں سے اُمت کا اس پر تعامل بھی رہا ہو۔

اسی قسم کی ایک تقریب شب براءت (شبرات) بھی ہے۔عوام وخواص سب میں اسقدر مقبول ہے کہ اگر اُسے کوئی نہ منائے تو اسے قابل اعتراض و ملامت تصور کیا جاتا ہے۔جن روایات پر اس تقریب کی بنیاد ہے وہ کتب احادیث میں تو موجود ہیں لیکن یہ ضروری نہیں کہ ہر وہ روایت صحیح بھی ہو جو کتابوں میں آگئی ہو۔ احادیث میں جہاں دو چار متواتر روایات ہیں وہاں مشہور، مرسل، منقطع، معلل، ضعیف اور موضوع روایات بھی تو ہیں۔اسی لئے محدثین کو موضوعات پر مستقل تصانیف لکھنی پڑیں۔

حبیب الرحمن صاحب محدث کاندھلوی نے اپنی اس تالیف میں ان تمام روایات کا مکمل جائزہ لیا ہے جنکا تعلق شب براءت سے ہے۔علامہ اس وقت فن رجال میں اپنا جواب نہیں رکھتے۔ میں سمجھتا تھا کہ حضرت تمنا عمادی پھلواری کے بعد یہ فن دفن ہو گیا، لیکن علامہ حبیب الرحمن کاندھلوی کو دیکھ کر یہ یقین کرنا پڑا

کہ یہ فن ابھی پوری آب وتاب کیساتھ زندہ ہے۔ فاضل مولف نے اپنی اس تالیف میں محض فن رجال ہی سے کام لینے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ عقل وفہم اور تفقہ سے کام لیکر وہ سر بستہ راز طشت از بام کئے ہیں جنکی طرف بڑے بڑے اہل علم کی توجہ نہیں گئی تھی۔ انہوں نے یہ بھی بتلایا ہے کہ اس شب کا نام لیلۃ البراءۃ کیوں رکھا گیا اور کب اسکا آغاز ہوا اور راویوں کا اس سے کیا مقصد تھا اور اس سلسہ میں جو روایتیں وضع کی گئی ہیں ان کا میزان جرح وتعدیل میں کیا مقام ہے۔ لباسِ تقدس زیب تن کر کے سامنے آنے والے راویوں کی پوری خانہ تلاشی لی ہے۔ اور دودھ کا دودھ پانی کا پانی الگ کر دیا ہے۔ یہ تو علامہ کی ایک ابتدائی کاوش ہے۔ ابھی اس سے کہیں زیادہ اہم ایک اور تالیف زیر ترتیب ہے جس میں چار پانچ ہزار ایسی روایات درج ہونگی جو خواص وعام میں مقبول ہیں لیکن وہ دراصل ضعیف، غیر معتبر یا موضوع ہیں۔ اس میں رجال کو سامنے رکھ کر اسانید کی روایت کی خانہ تلاشی کی جارہی ہے۔ اور ہر متن کو عقل کی کسوٹی پر بھی پرکھا جارہا ہے۔ خدا کرے اسکی اشاعت بھی جلد ہو جائے۔ (آمین)۔

محمد جعفر پھلواروی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نحمدُہٗ و نُصلّی علی رُسولہِ الکریم

تقریباً آج سے بیس سال پیشتر اس ناچیز نے ایک کتابچہ تحریر کیا تھا، جو فضائل شعبان اور شب برأت سے متعلقہ روایات کی تحقیق پر مبنی تھا، اور جو آج تقریباً ناپید ہو چکا ہے۔ اگرچہ یہ رسالہ بھی سرسری طور پر لکھا تھا، اور خود میری نظر میں تشنہ تھا۔ اس لئے بعد میں متواتر آٹھ دس سال تک اس موضوع پر تمام روایات کی چھان بین کر کے ایک تفصیلی کتاب تحریر کی گئی، جس کا نام ''شب برأت ایک تحقیقی جائزہ'' ہے۔ (یہ کتاب بھی جو تقریباً چھ سو صفحات پر مشتمل ہے، شائع ہو چکی ہے)۔ اس کی ضخامت کے پیش نظر بعض احباب نے اس خواہش کا اظہار کیا اتنی طویل ترین کتاب کا مطالعہ جہاں ہر شخص کے لئے دشوار ہے۔ وہاں اس کا فائدہ بھی محدود ہے۔ اس لئے یہ ضروری ہے کہ ایک مختصر سا کتابچہ ہو، جس سے ہر ایک استفادہ کر سکے۔ اس لئے یہ ایک مختصر سا کتابچہ قارئین کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں۔ جسے مزید تحقیق مطلوب ہو وہ ہماری تفصیلی کتاب کا مطالعہ کرے۔

اس کتابچہ میں اگرچہ اس امر کی کوشش کی گئی ہے کہ حتی الامکان اصل کتاب کے ضروری مضامین مختصر طور پر قارئین کی خدمت میں پیش کر دیے جائیں۔ لیکن تب بھی اسے عین خلاصہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔ کیونکہ بہت سے مضامین اور بہت سی روایات کی تحقیق کو صرف اس لئے نظر انداز کیا گیا تھا کہ کہیں یہ کتابچہ بھی ایک طویل سفر اختیار نہیں کر لے اور کتابچہ کے بجائے ایک طویل کتاب نہ بن جائے۔

شب براءت یا شب تبرأ

سب سے اہم سوچنے کی بات یہ ہے کہ اس شب کو ''شب براءت'' کس لیے کہا جاتا ہے۔ اور کیا قرآن وسنت یا فقہ وتفسیر اور تاریخ میں اس نام کی کوئی شے پائی جاتی ہے یا نہیں؟ اور اگر ایسا نہیں ہے تو پھر یہ کب اور کیسے وجود میں آئی؟ اور کیا عربی زبان میں لفظ براءت اُسی معنی میں استعمال ہوتا ہے، جس معنی میں اُردو میں استعمال کیا جاتا ہے؟

یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ لفظ شب فارسی ہے، عربی میں اس کا نام ''لیلۃ البراءت'' ہونا چاہیے، یعنی براءت کی رات، اور جب تک لفظ براءت کے معنی کی تحقیق نہ ہوگی۔ اس کا صحیح مفہوم قطعاً ذہن میں نہیں آسکتا۔

''براءت'' عربی زبان میں مصدر ہے۔ اسی سے اسم فاعل ''بری'' بنا ہے۔ جس کی جمع برآء اور برئیون آتی ہے۔ اس سے لفظ مبرا بنا ہے۔ اسی لفظ براءت سے مصدر متعدی تبرا بنا ہے۔ جیسے قرابت سے تقرب، عربی زبان میں یہ تمام الفاظ بیزاری اور نفرت کے معنی میں استعمال ہوتے ہیں۔ عربی زبان میں ان کے معانی میں کوئی فرق نہیں اور یہ ہماری کوئی ذاتی اور انفرادی رائے نہیں۔

بلکہ کتاب اللہ اور حدیث رسول میں جہاں جہاں بھی یہ الفاظ استعمال میں آیا ہے۔ اس نے یہی معنی دیئے ہیں۔ اس لحاظ سے ''لیلۃ البراءت'' اور ''لیلۃ التبراء'' ہم معنیٰ ہیں تبراء کی رات۔ ہم اپنے اس دعوے کے ثبوت میں بطور نمونہ چند قرآنی اور احادیث پیش کرتے ہیں۔ ارشاد الٰہی ہے:

﴿بَرَاءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُولِهِ إِلَى الَّذِينَ عَاهَدتُّم مِّنَ الْمُشْرِكِينَ﴾ (سورہ براءت:۱)

''بیزاری کا حکم اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے ان مشرکوں کو جن سے تمہارا معاہدہ تھا۔''

(ترجمہ احمد رضا بریلوی)

یہ سورہ براءت کی ابتدائی آیت ہے اور اس سورت کے ساتھ بسم اللہ اسی لیے تحریر نہیں کی جاتی کہ اس میں مشرکین سے بیزاری کا اظہار ہے اور اس کی ابتداء لفظ براءت سے ہوتی ہے۔ بقول حضرت علیؓ بسم اللہ تو امان کے ہوتی ہے اور یہ سورت امان ختم کرنے اور تلوار نکالنے کے لیے نازل کی گئی ۔ (قرطبی ج ر ۴ ص ۲۰۹۱) اور بقول ابن عباسؓ یہ سورت تو رسوا کرنے والی ہے اس کی ابتدا میں بسم اللہ کیسے لکھی جاتی۔ حتیٰ کہ مفسرین نے اس سورت کا ایک نام فاضحہ بیان کیا ہے۔ یعنی رسوا کرنے والی۔ مبرد کا قول ہے کہ بسم اللہ رحمت کا سبب ہے اور سورت برأت عذاب بن کر نازل ہوئی ہے۔ اس لیے اس کی ابتدا میں بسم اللہ نہیں لکھی گئی۔

قرطبی لکھتے ہیں براءت کے معنی کسی شے کو دل سے نکال دینا اور باہمی جو تعلق ہے۔ اسے ختم کر دینا اس کا نام برأت ہے۔ اسی سے بری بنا ہے۔ (قرطبی ج ر ۴ ص ر ۲۰۹۲)

لفظ ''برأت'' کا اسم فاعل بری آتا ہے جو اُردو میں مستعمل ہے اور اس کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ وہ انسان اُس الزام سے بیزار ہے جو اس پر لگایا جا رہا ہے۔ اس معنیٰ میں بری الذمہ اور بری ہونا استعمال ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَأَذَانٌ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ إِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْأَكْبَرِ أَنَّ اللَّهَ بَرِيءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ وَرَسُولُهُ﴾ (سورہ براءت: ۳)

''اور ندا پکار دینا ہے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے سب لوگوں میں بڑے حج کے دن کہ اللہ بیزار ہے مشرکوں سے اور اس کا رسول۔''

سورۃ انعام میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ بیان کیا جا رہا ہے کہ انہوں نے ستارے اور چاند کو دیکھ کر کہا یہ میرا رب ہے۔ پھر سورج کو دیکھنے کے بعد بھی یہی بات فرمائی، لیکن جب اسے غائب ہوتے دیکھا تو فرمایا:

﴿فَلَمَّا أَفَلَتْ قَالَ يَا قَوْمِ إِنِّي بَرِيءٌ مِّمَّا تُشْرِكُونَ﴾ (سورہ انعام: ۷۸)

''پھر جب وہ ڈوب گیا، کہا اے قوم میں بیزار ہوں ان چیزوں سے جنہیں تم شریک ٹھہراتے ہو۔''(ترجمہ رضا بریلوی)

لفظ ''بری'' کی جمع بریئون اور برآء استعمال ہوتی ہے۔سورۃ یونس میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانی کہلوایا گیا ہے:

﴿أَنتُم بَرِيئُونَ مِمَّا أَعْمَلُ وَأَنَا بَرِيءٌ مِّمَّا تَعْمَلُونَ﴾(سورہ یونس:۴۱)

''تم میرے عمل سے بیزار ہو اور میں تمہارے عمل سے بیزار ہوں۔''

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زبانی یہ اعلان کردیا جاتا ہے:

﴿إِنَّا بُرَآءُ مِنكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ﴾(سورہ ممتحنہ:۴)

''بے شک ہم بے زار ہیں تم سے اور ان سے جنہیں اللہ کے سوا پوجتے ہو۔''(ترجمہ احمد رضا)

قرآن میں یہ لفظ براءت اور بری جہاں استعمال ہوا ہے۔اس نے بیزاری اور نفرت کے معنی دیے ہیں۔اگر ان تمام آیات کو پیش کیا جائے تو ایک مزید کتابچہ تیار ہوجائے گا۔اس لیے ہم صرف ان چند آیات پر اکتفا کرتے ہیں۔

امام بخاری نے سورت براءت کی تفسیر میں حضرت ابوہریرہؓ کا بیان نقل کیا ہے۔

قال بعثنی ابوبکر فی تلک الحجة فی الموذنین بعثهم یوم النحر یوذنون بمنی الا لا یحج بعد العام مشرک ولا یطوف بالبیت عریان قال حمید ثم اردف النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بعلی بن ابی طالب فأمره ان یوذن ببراءة قال هریرة فاذن معناطی فی اهل منی یوم النحر ببراءة و ان الا لحج بعد العام مشرک ولا یطوف بالبیت عریان

(صحیح بخاری ج/۲،ص/۶۷۰)

''مجھے ابوبکر نے ان علان کرنے والوں کے ساتھ بھیجا جنہیں قربانی کے دن منیٰ میں اعلان کرنے کیلیے بھیجا گیا تھا کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے،اور نہ بیت اللہ کا برہنہ

طواف کرے حمید راوی کا بیان ہے پھر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعد میں علیؓ بن ابی طالب کو بھیجا اور انہیں حکم دیا کہ وہ براءت کا اعلان کر دیں۔ ابو ہریرہ کا بیان ہے کہ علی نے ہمارے ساتھ مل کر قربانی کے دن منیٰ میں برأت کا اعلان کیا اور اس بات کا اعلان کیا کہ کوئی مشرک اس سال کے بعد حج نہ کرے اور نہ کوئی برہنہ طواف کرے۔''

صحیح بخاری میں ابوموسیٰ اشعریؓ کا واقعہ آرہا ہے، کہ وہ مرض میں مبتلا تھے اور ان کا سر ان کی بیوی کی گود میں تھا۔ اچانک ان پر غشی کی سی کیفیت طاری ہوگئی، ان کی بیوی اس تخیل کے تحت چیخنے چلانے لگی کہ ابو موسیٰؑ کا انتقال ہوگیا۔ جب ہوش میں آئے تو فرمایا:

أنا برئ ممن برئ منه رسول الله ان رسول الله برئ من الصالقه و الحاقة و الشاقة

(بخاری ج/۱، نسائی ج/۱، ص/۱۹۰)

''میں اس سے بیزار ہوں جس سے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیزار ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چیخنے والی، بال نوچنے والی کپڑے پھاڑنے والی سے بیزار ہیں۔''

صحیح مسلم میں ایک باب ہے جس کا عنوان ہے **باب موالات المومنین و براءة من المشرکین** (مومنوں سے دوستی اور مشرکوں سے بیزاری کا بیان)۔ یہ تو وہ آیات اور احادیث تھیں جن میں لفظ ''براءت'' اور ''بری'' استعمال کیا گیا تھا۔ اب وہ آیات ملاحظہ کیجیے جن میں لفظ ''تبرا'' استعمال کیا گیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

﴿فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِلَّهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ﴾ (سورہ براءت: ۱۱۴)

''جب ابراہیم پر یہ ظاہر ہوگیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو اس سے بیزار ہوگئے۔''

نیز ارشاد ہے:

﴿إِذْ تَبَرَّأَ الَّذِينَ اتُّبِعُوا مِنَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا وَرَأَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْأَسْبَابُ ۔ وَقَالَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا لَوْ أَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّأَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوا مِنَّا﴾ (سورہ بقرۃ:

۱۶۶،۱۶۷)

''جب بیزار ہوں گے پیشوا اپنے پیروں سے اور دیکھیں گے عذاب اور کٹ جائیں گی ان سب کی ڈوریں اور کہیں گے پیرو کاش ہمیں لوٹ کر جانا ہوتا تو ہم ان بیزار ہو جاتے جیسے یہ ہم سے بیزار ہوئے۔'' (ترجمہ احمد رضا)

ان تمام آیات اور احادیث سے یہ بات یقینی طور پر ثابت ہوگئی کہ براءت اور تبرا ہم معنیٰ ہیں۔ یعنی یہ دونوں لفظ بیزاری کے معنی دیتے ہیں اور ''شب براءت'' کے معنیٰ ہیں ''شب تبرا'' یعنی شب بیزاری اور یہ بات قطعی طور پر ثابت ہے کہ اس شب میں رافضی اپنے فرضی امام کی پیدائش کی خوشی مناتے اور صحابہ کرام اور تمام مسلمانوں سے بیزاری کا اظہار کرتے ہیں۔ بلکہ شیعوں کی کتاب میں یہاں تک تحریر ہے کہ ان کے امام مہدی ظاہر ہو کر روئے زمین پر مومنین کی حکومت قائم کریں گے، اور ابوبکر و عمر کی قبروں سے لاشیں نکال کر انہیں پھانسی دیں گے اور تمام بے دینوں یعنی مسلمانوں کو قتل کریں گے یہ الفاظ خود واضح تبرا ہیں اور یہ رات دراصل شب تبرأ ہے۔ اور سنیوں کو بے وقوف بنانے کے لیے اولاً تو شب تبرا کے بجائے اس رات کا نام شب براءت رکھا گیا۔ ثانیاً اس رات کی عبادت اور قبرستان جانے کے قصے اس لیے وضع کیے گئے تاکہ سنیوں کو اصل حقیقت کا علم نہ ہو سکے۔ اسی لیے اکثر روایات میں مغفرت کا تو ذکر ہے۔ لیکن کسی عبادت کا کوئی ذکر نہیں۔ ظاہر ہے کہ ان کی عبادت کچھ اور ہے۔ اور سینوں کی عبادت کچھ اور۔ اس لیے ان روایات میں کسی عبادت کا تذکرہ نہیں کیا گیا۔

چونکہ شیعہ اس رات غاروں، دریاؤں اور کنوؤں پر جا کر اپنے امام کے نام پر چیاں ڈالتے اور ان سے درخواست کرتے ہیں کہ ہم ان سنیوں کے ہاتھوں تنگ آ چکے ہیں۔ للہ اب تو آپ تشریف لائیے اور ان ملحدین سے ہمیں نجات دلائیے۔ اسی لیے خمینی اہل عراق اور تمام مسلمانوں کو ملحدین کے نام سے یاد کرتے ہیں اور اسی لیے پاکستان اور سعودی عرب کے خلاف زہر اگلا جاتا ہے۔ بلکہ حال ہی میں ایک کتاب فارسی میں ایران سے شائع ہوئی ہے جس کا نام ہے ''خمینی فی القرآن'' جس میں مصنف نے اس کی صراحت کی ہے

کہ قرآن میں جہاں جہاں یاایھا الرسول اور یاایھا النبی کے الفاظ آئے ہیں اس سے مراد خمینی کی ذات ہے۔ اس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ انہیں اسلام سے کتنی عداوت ہے؟

الغرض اس شب میں وہ اپنے امام کی پیدائش کی خوشی میں حلوے پکاتے ہیں اور انہیں اس بات کا خطرہ ہوتا ہے کہ اگر سنیوں کو شب براءت کی حقیقت بتادی گئی تو کہیں اس فرضی امام کو سنی ختم نہیں کر دیں، یا آج کل کے سنی اسے اپنا مہدی نہ بنالیں۔لیکن امام صاحب اپنے مؤمنین سے اتنے خوفزدہ ہیں کہ وہ ان کی صورت دیکھتے ہی ڈر جاتے ہیں کہ چندسال کی عمر میں میری پشت پر قرآن علی،قرآن فاطمہ اور تمام آئمہ کے فرضی صحیفے لادے گئے تھے۔اب اگر میں باہر نکل آیا تو پندرہ سوسال کی کتابیں لادنی پڑیں گی اِسی لیے انہوں نے خمینی کی صورت میں پہلے اپنے ایک نائب کو بھیجا ہے تاکہ پیش آئندہ حالات کا کچھ اندازہ ہو سکے۔

یہ بھی ذہن نشین رہے کہ پانچویں صدی ہجری کی ابتداء تک حدیث وتفسیر کی جتنی بھی کتابیں تصنیف کی گئیں اوراس سلسلے کی جتنی روایات ان کتابوں میں نقل کی گئیں۔ان میں سے کسی روایت میں لیلۃ البراءت کا لفظ قطعاً نہیں پایا جاتا۔ بلکہ ہر روایت میں آپ کو یہ الفاظ ملیں گے۔ **اذا کانت لیلۃ النصف من شعبان** یعنی جب نصف شعبان کی رات ہو۔جواس بات کا بین ثبوت ہے کہ اس کا یہ نام پانچویں صدی کے آخر میں وضع ہوا۔اس کے واضع صوفیاء ہیں۔اس رات کا نام ابن جہضم کی بھجۃ الاسرار،غزالی کی احیاء العلوم اور عبد القادر جیلانی کی غنیۃ الطالبین میں ملتا ہے اور یہ سب پانچویں صدی کے افراد ہیں اور سب صوفی ہیں اتفاق سے ان لوگوں نے جو بھی روایات نقل کی ہیں،ان روایات میں بھی اس کا کوئی نام مذکور نہیں۔

ممکن ہے کہ اولاً یہ نام اس لیے مخفی رکھا گیا ہو کہ پہلے پروپیگنڈے کے ذریعے سنیوں کے ذہن میں اس رات کی فضیلت بٹھادی جائے۔تاکہ جب نام ظاہر کیا جائے تو سنی حضرات بدک نہ جائیں۔یہ بھی ممکن ہے کہ نام بنو بویہ اور دیلمیوں کے زمانہ میں وضع کیا گیا ہو،کیونکہ وہ کٹر رافضی تھے اور ۳۲۲ھ سے ۳۶۸ھ تک بغداد پر قابض رہے۔ان ہی میں سے ایک شخص معزالدولہ نے ۳۳۶ھ میں عشرۂ محرم میں ماتم کی ابتدا کی۔موجودہ جمعے کے خطبات جو ہماری مساجد میں پڑھے جاتے ہیں یہ ان ہی کے وضع کردہ ہیں۔اس نے

خطبات میں عشرہ مبشرہ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تین صاحبزادیوں کے نام خارج کیے۔ ازواج مطہرات کا ذکر حذف کر کے حسن رضی اللہ تعالی عنہ وحسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذکر داخل کیا گیا۔ اسی زمانے میں اس بات کا فیصلہ کیا گیا کہ خلفائے راشدین چار ہیں۔ ورنہ اس سے قبل تمام سنی تین خلفائے راشدین کے قائل تھے۔

معزالدولہ نے مساجد کے دروازں پر لکھوایا تھا۔ **لعن اللہ علی ابی بکر و عمر و عثمان و معاویة و عمر بن العاص** وغیرہ ذلک جسے سنیوں نے مٹا دیا۔ یہ جھگڑا کافی عرصہ چلتا رہا اور اس بات پر فیصلہ ہوا کہ مسجدوں میں خلفائے اربعہ کے نام لکھے جائیں۔ اس پر سنیوں نے خاموشی اختیار کر لی۔ لیکن جب ۳۶۸ھ میں بنو بویہ کی حکومت ختم ہوگئی۔ تو سنیوں نے چاروں خلفاء کے نام کے ساتھ امیر معاویہ کا نام بھی لکھ دیا۔ اس طرح خلفائے راشدین کی تعداد پانچ ہوگئی۔

ایسی صورت میں یہ ممکن ہے کہ بنو بویہ رافضیوں نے شب براءت کا سلسلہ جاری کیا ہو اور اس کے فضائل لوگوں میں پھیلائے ہوں۔ جہاں سے صوفیاء اسے لے اڑے۔ کیونکہ صوفیاء میں کوئی فرد واحد ایسا نہیں گزرا جس نے حدیث میں تحقیق سے کام لیا ہو۔ حتیٰ کہ غزالی جو امامت کے رتبہ پر آج کل فائز سمجھے جاتے ہیں۔ انہوں نے صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے علاوہ حدیث کی کوئی کتاب نہیں پڑھی۔ یہ بھی صرف بطور تبرک۔

لیلۃ مُبارکہ کی تفسیر

ہمارے ہندو پاک اور عجمی علماء نے مزید کارنامہ انجام دیا کہ کلام اللہ کی ایک محتمل المعنی آیت کا سہارا لے کر اور پھر اسکی غلط تاویل پیش کر کے پوری عمارت تعمیر کر دی۔ یہ حضرات بطور دلیل حسب ذیل آیت پیش کرتے ہیں:

﴿إِنَّا أَنزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةٍ مُّبَارَكَةٍ إِنَّا كُنَّا مُنذِرِينَ۔ فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ۔ أَمْرًا مِّنْ عِندِنَا إِنَّا كُنَّا مُرْسِلِينَ۔ رَحْمَةً مِّن رَّبِّكَ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ﴾ (سورہ دخان:

۲۔۳۔۴۔۵)

''بیشک ہم نے اسے برکت والی رات میں اُتارا ہے۔ بیشک ہم ڈرانے والے ہیں، اس میں بانٹ دیا جاتا ہے ہر حکمت والا کام، ہمارے پاس کے حکم سے بیشک ہم بھیجنے والے ہیں، تمھارے رب کی طرف سے رحمت بیشک وہی سنتا جانتا ہے۔'' (ترجمہ احمد رضا)

یہ آیات سورۃ دخان کی ابتدائی آیات ہیں، جو مکہ معظّمہ میں معراج سے قبل نازل ہوئی۔ اس وقت تک نماز پنجگانہ بھی فرض نہیں ہوئی تھی اور روزے تو ۲ھ میں فرض ہوئے اور نماز معراج کے وقت فرض ہوئی اور نہ مکہ میں بقیع نام کا کوئی قبرستان تھا۔ اس طرح قبرستان کے چکر لگانے یا اس رات عبادت کرنے یا اس دن روزہ رکھنے سے اس آیت کا کیا تعلق ہے؟ ان آیات کریمہ میں چار امور ذکر کئے گئے ہیں۔

① اس مبارک رات میں قرآن مجید نازل کیا گیا۔

② اس شب میں تمام احکامات کے فیصلے کئے جاتے ہیں۔

③ اس شب میں نزول رحمت ہوتا ہے۔

④ یہ رات مبارک رات ہے۔

یہ رات کون سی ہے؟ اس کا نام کیا ہے؟ یہ سال میں کب آتی ہے؟ اور یہ کس مہینے کی رات ہے؟ ان تمام امور سے یہ آیات خاموش ہیں۔ ان آیات میں صرف اتنی بات ظاہر کی گئی ہے کہ یہ رات مبارک ہے جو کسی رات کی تعریف وتوصیف تو ہوسکتی ہے لیکن یہ کسی رات کا نام نہیں ہوسکتا۔ اور اگر بالفرض المحال یہ کسی رات کا نام بھی ہے، تب بھی اس آیت میں اس کی وضاحت نہیں کی گئی کہ یہ کونسی رات کا نام ہے۔ اسی طرح یہ آیت اپنے مفہوم کی قطعاً وضاحت نہیں کرتی۔ یہ بھی ایک مسلمہ اصول ہے کہ قرآن اپنی تفسیر آپ ہے، کیونکہ جو شے ایک مقام پر مجملاً ذکر کی جاتی ہے، قرآن دوسرے مقام پر اس کی تشریح ضرور کرتا ہے، اس لحاظ سے یہ لازم ہے کہ اس کی وضاحت بھی قرآن میں دوسرے مقام پر کی گئی ہو۔ ایک اور مقام پر ارشاد ہے:

﴿إِنَّا أَنزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ۔ وَمَا أَدْرَاكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ۔ لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ۔

تَنَزَّلُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِم مِّن كُلِّ أَمْرٍ۔ سَلَامٌ هِيَ حَتَّىٰ مَطْلَعِ الْفَجْرِ﴾ (سورۃ القدر)

''بیشک ہم نے اسے شب قدر میں اتارا اور تم نے کیا جانا کہ شب قدر کیا ہے شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر، اس میں فرشتے اور جبریل اترتے ہیں اپنے رب کے حکم سے ہر کام کے لیے وہ سلامتی ہے صبح چمکنے تک۔'' (ترجمہ احمد رضا)

ان آیات میں جو دعوے کیے گئے ہیں بعینہ وہی دعوے ہیں جو سورہ دخان کی آیات میں کیے گئے تھے۔ یعنی:

① اس رات میں قرآن نازل کیا گیا۔

② اس رات میں تمام امور کے فیصلے کیے جاتے ہیں۔

③ اس رات میں صبح صادق تک رحمت وسلامتی کا نزول ہوتا ہے۔

فرق صرف اتنا ہے کہ سورۂ دخان کی آیات میں اس رات کو لیلۃ مبارکہ سے تعبیر کیا گیا، اور سورۃ القدر میں لیلۃ القدر سے کیونکہ اس شب میں تمام امور کے فیصلے کئے جاتے ہیں۔ اس لحاظ سے اس رات کا نام لیلۃ القدر اور اس لحاظ سے کہ اس میں رحمت نازل ہوتی ہے۔ اس رات کا نام لیلۃ مبارک ہے بیان کیا گیا۔

ہجرت مدینہ تک قطعاً اس بات کی کوئی وضاحت نہیں کی گئی تھی کہ نزول قرآن کی یہ رات کون سے مہینے میں واقع ہوتی ہے۔ اُس وقت تک تو یہ اشکال پیدا ہوسکتا تھا کہ وہ ماہ شعبان یا کسی اور ماہ کی کوئی رات ہو۔ لیکن جب ۲ھ میں روزوں کی فرضیت کے ساتھ ساتھ یہ آیت نازل کردی گئی:

﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ﴾ (سورہ بقرۃ:۱۸۵)

''رمضان کا مہینہ جس میں قرآن اترا (ترجمہ) اتارا گیا۔''

پھر آگے فرمایا گیا:

﴿فَمَن شَهِدَ مِنكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ﴾(سورہ البقرۃ:۱۸۵)

''توتم میں جوکوئی یہ مہینہ پائے ضرور اسکے روزے رکھے۔''

ان آیات نے یہ بات واضح کردی کہ وہ رات رمضان میں واقع ہوتی ہے۔ بلکہ رمضان میں جو روزے فرض کئے گئے اور رمضان کو جو بھی فضیلت حاصل ہے وہ اس شب نزول قرآن کے باعث ہے۔ اب خواہ اسے لیلۃ القدر کہیے، یا لیلۃ مبارکہ یا لیلۃ الرحمہ، یہ ایک رات ہی ہے، اور اس کا رمضان میں ہونا لازم ہے۔اسی رات کے باعث رمضان میں قیام رمضان اور آخر عشرہ میں اس کی تلاش میں قیام لیلۃ القدر کا حکم دیا گیا اور ارشاد فرمایا گیا:

من قام رمضان ایمانا و احتسابا غفر لہ ماتقدم من ذنبہ (نسائی ج/۱ص/ ۲۲۲)

''جو رمضان میں ایمان رکھتے ہوئے اور ثواب کی امید میں قیام کرے تو اسکے گزشتہ گناہ معاف کردیئے جاتے ہیں۔''

نیز ارشاد فرمایا گیا:

من قام لیلۃ القدر ایمانا و احتسابا غفر لہ ماتقدم من ذنبہ (نسائی ج/۱ص/ ۲۲۲)

''جس نے لیلۃ القدر میں ایمان رکھتے ہوئے اور ثواب کی غرض سے قیام کیا تو اسکے گزشتہ گناہ معاف کردیے جاتے ہیں۔''

اگر لیلۃ القدر سے مراد شب براءت تھی اور تقدیر اسی رات میں لکھی جاتی تھی، تو پھر تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرمانا چاہیے تھا:

من قام شعبان ایمانا و احتسابا غفر لہ ما تقدم من ذنبہ ''جس نے ایمان رکھتے ہوئے اور ثواب کی غرض سے شعبان کا قیام کیا تو اسکے گزشتہ گناہ معاف کردیے جاتے ہیں۔''

اور

من قام ليلة البراءة ايمانا و احتسابا غفر له ما تقدم من ذنبه ''جس شخص نے لیلۃ براءت میں ایمان لاتے ہوئے اور ثواب کی نیت سے قیام کیا تو اسکے گزشتہ گناہ معاف کردیئے جاتے ہیں۔''

لیکن ایسا نہیں فرمایا گیا۔ بلکہ کسی روایت میں ''لیلۃ البراءت'' کا لفظ تک نہیں استعمال کیا گیا۔ جس کی تفصیل لفظ براءت میں گزر چکی۔ یاد رکھیے کہ رمضان سے باہر کسی مبارک رات کا کوئی وجود نہیں۔ اس کی مزید تائید سورۃ انفال کی ایک اور آیت سے بھی ہوتی ہے۔ ارشاد ہے:

﴿وَمَا أَنزَلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ﴾ (سورہ انفال:۴۱)

''اور اس پر جو ہم نے اپنے بندے پر فیصلے کے دن اتارا جس دن دونوں فوجیں ملی تھیں۔''

(ترجمہ احمد رضا)

یعنی اس قرآن کا نزول یوم فرقان میں ہوا۔ اور یوم فرقان وہ روز ہے، جس دن دو جماعتیں باہم ٹکرائی تھیں اور اس پر تمام اُمت متفق ہے کہ یوم فرقان سے مراد روز بدر ہے اور دو جماعتوں سے مراد صحابہ کرام اور مشرکین مکہ ہیں اور اس پر پوری اُمت کا اتفاق ہے کہ جنگ بدر سترہ رمضان کو واقع ہوئی۔

ان تمام آیات کو جمع کرنے کے بعد جو نتیجہ سامنے آتا ہے وہ یہ ہے کہ قرآن مجید رمضان کی کسی شب میں نازل کیا گیا اور اسی شب کا نام لیلۃ القدر اور لیلۃ مبارکہ ہے۔ اب اگر جو شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ قرآن شب برأت میں نازل ہوا اور لیلۃ مبارکہ سے شب براءت مراد ہے جہاں وہ قرآن کی تکذیب کررہا ہے۔ وہاں دبے الفاظ میں وہ یہ بھی دعویٰ کررہا ہے کہ جنگ بدر شعبان میں واقع ہوئی اور اللہ تعالیٰ کو چاہیے تھا کہ رمضان المبارک کے بجائے شعبان کے روزے فرض کرتا۔ اس میں قیام اور اعتکاف کا حکم دیا جاتا۔ گویا عیاذاً باللہ۔ اللہ تعالیٰ نے ایک صریح غلطی کا ارتکاب کیا۔

اس حماقت کا زبردستی یہ حل تلاش کیا گیا کہ قرآن مجید دو بار نازل ہوا ہے۔ کیونکہ عجمی علماء کا ذہن یہ بات قبول کرنے کو تیار نہیں کہ صوفیاء جس رات کی فضلیت کے گن گاتے رہے ہوں، اس کا اس فضیلت سے

دور کا بھی کوئی تعلق نہ ہو اور ہماری شخصیت پرستی اور پیر پرستی ہرگز اس کی اجازت نہیں دیتی کہ ہم صوفیاء کی غلطی کو تسلیم کرلیں۔ اس لیے یہ تو ممکن نہیں کہ صوفیاء سے کوئی غلطی سرزد ہوئی ہو۔ بہتر یہ ہے کہ قرآن کی تاویل کر لی جائے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ سے غلطی ممکن ہے اور شیعوں کے یہاں اسکا وجود بھی ہے۔ جسے مسئلہ بدا کہتے ہیں۔ یہ سب شخصیت پرستی اور اندھی تقلید کے نتیجے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے پیروں اور بزرگوں کی مدافعت میں موضوع اور منکر روایات کا سہارا لیتے ہیں۔ حالانکہ ہندو پاک کے ایک مشہور صوفی یعنی شیخ احمد سرہندی اپنے مکتوبات میں فرماتے ہیں۔

''عمل صوفیاء ز وحلت وحرمت حجت نیست'' حلت وحرمت میں صوفیاء کا عمل حجت نہیں ہے۔

''ہماں لحد است کہ ما آیھا را معذور داریم۔'' یہی کافی ہے کہ ہم انہیں معذور تصور کرلیں۔

دوسرے مقام پر ایک شرعی مسئلے پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''دریں جا قول ابی بکر شبلی وجنید بغدادی و بایزید بسطامی ھیچ اعتبارے ندا جا قول رابی حنیفہ و مالک وشافعی وابی یوسف ومحمد بن الحن اعتبارے دارد''

''ان مسائل فقیہ میں جنید بغدادی بایزید بسطامی اور ابوبکر شبلی کا قول کچھ اعتبار نہیں رکھتا۔ اس جگہ ابوحنیفہ، مالک، شافعی، ابو یوسف اور محمد بن الحسن کا قول اعتبار رکھتا ہے۔''

جس طرح فقہی مسائل میں ابوحنیفہ، مالک، شافعی اور احمد بن حنبل وغیرہ کے اقوال کا اعتبار کیا جائے گا۔ اسی طرح حدیث میں یحیی بن معین، ابوزرعہ اور ابوحاتم کے اقوال کو دیکھا جائے گا۔ نہ کہ ان صوفیاء کے اقوال کو جنہیں صحیح وسقیم کی بھی تمیز نہیں۔

اصول تفسیر اور اصول فقہ کا یہ ایک مسلمہ قاعدہ ہے کہ جب کسی آیت کے معنی محتمل اور مشتبہ ہوں تو اس کے معنی کی تعیین محکم ومفسر آیت سے کی جائے گی اور وہی معنی مراد لیے جائیں گے، جن کی تائید محکم ومفسر آیات کررہی ہیں، محکم ومفسر کی موجودگی میں مشتبہ کو اختیار کرنا سراسر گمراہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَ ابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ﴾

(سورہ آل عمران: ۷)

''وہ جن کے دلوں میں کجی ہے وہ اشتباہ والی کے پیچھے پڑتے ہیں۔ گمراہی اور فتنہ چاہنے اور اس کا پہلو ڈھونڈنے کو'' (ترجمہ احمد رضا)

ان پیر پرست علماء نے محکم ومفسر کو چھوڑ کر مشتبہ پر اپنی بنیاد قائم کی۔ تاکہ صوفیا کی غلطی کا کسی نہ کسی طرح ازالہ کیا جائے اور بطور دلیل عکرمہ مولی ابن عباس کا قول پیش کیا۔ کہ لیلۃ مبارکہ سے مراد شب برأت ہے۔ حالانکہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، امام سعید بن المسیبؒ، امام مجاہد، حسن بصری، ضحاک، زید بن اسلم، قتادہ ابوالعالیہ اور ابو مالک کا قول یہ ہے کہ لیلۃ مبارکہ سے لیلۃ القدر مراد ہے اور بعد کے علماء میں ابن عربی، ابن قیم، ابن دحیہ، ابن تیمیہ، ابن حجر، ابن کثیر، قرطبی، فوددی، جلال الدّین سیوطی، ابوبکر جصاص رازی، بدرالدین عینی حنفی، امام ملحادی حنفی، عبدالحق حقانی، ملاعلی قاری، فخرالدین رازی اور بغوی وغیرہ، تمام علماء مفسرین ومحدثین اس پر متفق ہیں کہ لیلۃ مبارکہ سے مراد لیلۃ القدر ہے۔ لیکن ان تمام علماء کی تقلید چھوڑ کی عکرمہ کی تقلید صرف اس لیے کی گئی کہ اس سے صوفیا کے قول کی تائید ہوتی تھی۔ حالانکہ یہ عکرمہ خارجی تھا، اور تمام مسلمانوں کا قتل فرض سمجھتا تھا، امام سعید بن المسیب، ابن حون، محمد بن سیرین، حماد بن زید اور امام مالک اسے کذاب کہتے ہیں۔ عبداللہ بن عباس کے صاحبزادے علی بن عبداللہ بن عباس نے اسے بیڑیوں میں باندھ کر ڈالدیا تھا۔ جب ان سے اس کی وجہ دریافت کی گئی۔ تو انہوں نے فرمایا۔

''ھذا الخبیث یکذب علی ابی'' ''یہ خبیث میرے باپ پر جھوٹ بولتا ہے۔''

اسی باعث امام مالک اور امام مسلم نے اس سے کوئی روایت نہیں لی اور عکرمہ کے اس قول کو تمام محدثین نے منکر قرار دیا اور بعد کے تمام محدثین ومفسرین اس قول کو رد کرتے رہے۔ عکرمہ کا اصل قول کیا ہے۔ وہ ہم امام قرطبی کے الفاظ میں آگے پیش کریں گے۔

شب براءت اور اس امر کے ثبوت کے لیے کہ لیلۃ مبارکہ سے شب براءت مراد ہے جہاں کچھ جھوٹی اور من گھڑت روایات کا سہارا لیا گیا۔ وہاں بعض صحابہؓ، تابعین اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب صریح جھوٹ بھی

منسوب کیا گیا۔جس کی بین مثال عبداللہ بن عباس کا قول ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے ارشادات کی حقیقت

عکرمہ نے عبداللہ بن عباس کی جانب یہ قول منسوب کیا کہ وہ لیلۃ مبارکہ سے شب تبرّ امراد لیتے تھے اور سورہ دخان کی آیات کی تفسیر میں یہ الفاظ ان کی جانب منسوب کئے گئے:

عن عکرمہ عن ابن عباس فیھا یفرق امر حکیم قال لیلۃم نصف شعبان یبین فیھا اسما الموتی وینسخ فیھا الحاج فلا یزاد فیھم ولا نیقص (میزان الاعتدال ج ص/ ۶۵۵۴)

''عکرمہ نے ابن عباس سے روایت کیا ہے کی اس آیت فیھا یفرق امر حکیم سے تو نصف شعبان کی شب ہے۔جس میں اللہ تعالیٰ مردوں کے نام ظاہر فرماتا ہے اور اس رات میں حاجیوں کے نام مٹائے جاتے ہیں۔پھر ان میں نہ زیادتی کی جاتی ہے نہ کمی۔'' (اس عبارت کا اصل ترجمہ یہی ہے)

حالانکہ عربی زبان کے لحاظ سے اسکی عربی درست نہیں ہے۔دراصل یہ ابن عباس کا قول نہیں ہے بلکہ عکرمہ کا اپنا قول ہے۔اور عبداللہ بن عباس کے صاحبزادے کے بقول یہ عکرمہ خبیث میرے باپ پر جھوٹ بولتا ہے اور بقول سعید بن المسیب کہ انہوں نے مرتے وقت اپنا غلام وبرہ سے فرمایا:

یا وبرۃ لا تکن ب علی کما کذب عکرمۃ علی ابن عباس

''اے وبرہ مجھ پر اس طرح جھوٹ نہ بولنا جس طرح عکرمہ ابن عباس پر جھوٹ بولتا ہے۔''

اس قسم کی وصیت اسی وقت ممکن ہے جب عکرمہ اپنے جھوٹ میں شہرت حاصل کر چکا ہو۔بغیر شہرت اس قسم کی وصیت ممکن ہی نہیں۔یہ بھی ذہن میں رہے کہ امام سعید بن المسیب ایک صحابی کے صاحبزادے اور ایک صحابی کے پوتے تھے۔یہ حضرت عمرؓ کے زمانے میں پیدا ہوئے۔اور سینکڑوں صحابہ سے استفادہ علم

کیا اور ۹۱ھ میں انتقال ہوا۔ محدثین انہیں سید التابعین کہتے ہیں۔ اور جب یہ وصیت کی جارہی تھی تو عکرمہ زندہ تھا۔ کیونکہ اس کی موت ۱۰۷ھ میں واقع ہوئی۔ گویا ۹۰ھ سے قبل ہی عکرمہ اپنے جھوٹ میں مشہور زمانہ ہو چکا تھا۔ کیونکہ اسے جھوٹا قرار دینے والوں میں سعید بن المسیب اور امام مالک مدینہ کے باشندہ ہیں اور محمد بن سیرین بصرہ کے باشندہ اور حماد بن زید کوفہ کے باشندہ ہیں۔ حتیٰ کہ امام حماد بن زید نے وفات کے وقت یہاں تک فرمایا کہ یہ عکرمہ کہا کرتا تھا کہ قرآن تو نازل لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے کیا گیا ہے۔ عیاذا باللہ امام ذہبی ان الفاظ کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں یہ الفاظ کتنی خباثت اور گمراہی سے معمور ہیں۔

ایسی صورت میں یہ کیسے تسلیم کرلیا جائے کہ عکرمہ نے ابن عباس کی جانب جو بات منسوب کی ہے وہ درست ہے۔ اسی لیے امام ذہبی نے میزان میں اور ابن عدی نے کامل میں اس قول کو منکر قرار دیا ہے۔ (میزان ج/ ۲، ص/ ۲۵۵)

اتفاق سے بعض محدثین نے عکرمہ کو ثقہ قرار دیا ہے۔ جس کی وجہ محدثین کا ایک خاص اصول ہے اور وہ اصول یہ ہے کہ خارجی طبقہ جھوٹ کو کفر کہتا ہے۔ لہذا اس کا جھوٹ بولنا ممکن نہیں۔ اسی لیے متعدد محدثین نے اس سے روایات لی ہیں۔ لیکن امام حماد بن زید المتوفی ۱۷۹ھ فرماتے ہیں ہم بھی پہلے یہی تصور کرتے تھے کہ خارجی جھوٹ نہیں بولتے، لیکن تجربہ سے یہ ثابت ہوا کہ اس طبقہ کے افراد بھی جھوٹ کے مرض میں مبتلا ہیں۔۔۔۔۔ بلکہ عکرمہ ان کا سرخیل ہے اس لیے کہ مجھے ۱۰۷ھ سے قبل کوئی ایسا خارجی نظر نہیں آتا جس کی جانب جھوٹ کی نسبت کی گئی ہو۔

بہر صورت یہ اتنا بدنام زمانہ تھا کہ جس روز اس کا انتقال ہوا اسی روز امام کُثیر عزہ کا بھی انتقال ہوا۔ شہر کے تمام باشندے کثیر کے جنازے میں شریک ہوئے، لیکن عکرمہ کے جنازے پر کوئی نہ پھٹکا۔ صرف چند سوڈانی غلاموں نے اسے دفنایا۔ امام ذہبی نے یہ تمام حالات میزان الاعتدال میں تحریر فرمائے ہیں۔

شب براءت کا اصل بانی مبانی یہی ہے۔ کیونکہ اس نے لیلۃ المبارکۃ سے لیلۃ البراءت مراد لی تھی اور بعد میں اس کے اس قول کو پیش نظر رکھ کر شیعہ اور صوفیاء نے اس پر ایک عمارت تعمیر کردی۔ چونکہ بعض

محدثین نے اسے ثقہ قرار دیا تھا اسی باعث ابن عدی اور ذہبی نے ابن عباس کی جانب اس جھوٹ کا واضع عکرمہ کے بجائے عکرمہ کے شاگرد اسمٰعیل بن نفر کو قرار دیا۔ کیونکہ اسمٰعیل بن نفر کے علاوہ یہ قول اور کوئی روایت نہیں کرتا۔ خواہ اس کا واضع عکرمہ ہو یا اسمٰعیل بن نفر مقصود سب کا یہ ہے کہ یہ ابن عباس کا قول قطعاً نہیں۔

یہ اسمٰعیل بن نفر کون ہے۔ ابن عدی اور ذہبی اس کا خاکہ ان الفاظ میں پیش کرتے ہیں۔ ذہبی کے الفاظ ہیں:

''یہ اسمٰعیل بن نفر کوفہ کا باشندہ ہے، قبیلہ بجیلہ سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کی کنیت ابوالمغیرہ ہے۔ ۱۸۲ھ میں اس کا انتقال ہوا۔ محدثین کے نزدیک یہ قابل قبول نہیں یحییٰ بن سعید القطان فرماتے ہیں یہ کچھ نہیں۔ نسائی اور ابوذرعہ کہتے ہیں قوی نہیں۔ ابن حبان کہتے ہیں اس کی غلطیاں بہت زیادہ ہیں۔ اس لیے اس کی روایت ترک کر دی گئی۔'' (میزان ج/۴، ص/۲۵۵)

نسائی کتاب الضعفاء میں فرماتے ہیں ''یہ قوی نہیں'' کتاب الضعفاء کے حاشیہ میں امام احمد حنبل کا قول نقل کیا گیا ہے کہ یہ اسمٰعیل بن نفر تو سند بھی یاد نہ رکھ سکتا تھا۔ حتیٰ کہ ابوبکر بن ابی شیبہ فرماتے ہیں اس نے جتنے اقوال اور روایات اسمٰعیل بن قیس کی جانب منسوب کی ہیں۔ وہ سب زید بن اسلم کی روایات ہیں (کتاب الضعفاء نسائی ص/۱۰۲)

یعنی اس اسمٰعیل بن نفر کا حافظہ اتنا خراب تھا کہ کسی کی روایت کو یاد نہ رکھ سکتا تھا۔ زید بن اسلم کے اقوال اسمٰعیل بن قیس کی جانب منسوب کر دیے۔ اسی طرح اس مقام پر عکرمہ کا قول ابن عباس کی جانب منسوب کر دیا۔ اب خواہ یہ جرم اسمٰعیل بن نفر نے کیا ہو یا خود عکرمہ اس جرم کا مرتکب ہوا ہو، بہرصورت اس سے کسی صورت انکار نہیں کیا جا سکتا کہ یہ جرم سرزد ہوا ہے۔ اسی لیے کسی محدث اور مفسر نے ابن عباس کی جانب اس قول کی نسبت نہیں کی۔ بلکہ تمام مفسرین نے ابن عباس کا جو قول نقل کیا ہے۔ وہ پیش خدمت ہے۔

امام قرطبی فرماتے ہیں:

قوله تعالی فیها یفرق کل امر حکیم قال ابن عباس یحکم الله امر الدنیا الی قابل فی لیلة القدر ما کان من حیات او موت او رزق (تفسیر قرطبی، ج/۷،ص/۵۹۴۶)

''**فیها یفرق کل امر حکیم** کی تفسیر میں ابن عباس فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ لیلۃ القدر میں آئندہ سال تک تمام دنیاوی امور کا حکم دیتا ہے۔خواہ زندگی ہو یا موت یا رزق۔''

یعنی ابن عباسؓ کے نزدیک لیلۃ مبارکہ سے مراد لیلۃ القدر ہے اور اسی میں تمام امور کے فیصلے کیے جاتے ہیں۔لیکن عکرمہ خارجی وہ واحد ہستی ہے جو اس امر کی مدعی ہے کہ یہ لیلۃ مبارکہ نصف شعبان کی شب ہے:

هی لیلة النصف من شعبان فیها امر السنة و ینسخ الا حیاء من الاموات و یکتب الحاج فلا یزاد فیهم احد و لا ینقص منهم احد (قرطبی ج/۷،ص/۵۹۴۹)

''اس میں سال بھر کے احکامات دیئے جاتے ہیں اور زندوں کے نام مردوں کی فہرست سے مٹائے جاتے اور حاجیوں کے نام لکھے جاتے ہیں۔پھر ان میں نہ اضافہ کیا جاتا ہے اور نہ کمی۔''

ابن عباسؓ کی جانب جو قول منسوب کیا گیا تھا وہ دراصل عکرمہ خارجی کا قول تھا اور چونکہ بقول امام حماد بن زید اس عکرمہ کا یہ بھی دعویٰ تھا کہ قرآن تو گمراہی کے لیے نازل کیا گیا ہے۔اس لیے اس نے لیلۃ مبارکہ کی تفسیر لیلۃ البراءت سے کر کے اُمت میں ایک نئی گمراہی کا دروازہ کھول دیا۔یہ وہ مفسر اعظم جس کے قول کو صوفیاء اور ہندو پاک کے پیر پرست علماء سینے سے لگائے بیٹھے ہیں اور ہر سال شب برأت کے موقع پر سورہ دخان کی آیات تلاوت کر کے اور عکرمہ خارجی کا قول دلیل میں پیش کر کے لوگوں کو دھوکہ دیتے ہیں۔ ہماری ان سے عرض یہ ہے کہ عکرمہ کے دیگر اقوال میں بھی اس کی تائید کیجیے پھر دیکھیے کیسا تماشہ نظر آتا ہے۔ اگر اس کے اقوال آپ کے علم میں نہیں ہوں تو ہم اپنی خدمات پیش کرنے کے لیے تیار ہیں۔عکرمہ کے اس

قول کو پیش نظر رکھ کر بعد کے کذابین نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب بھی جھوٹی باتیں منسوب کر دیں۔ جن میں سے ایک روایت عثمان بن المغیرہ کی ہے۔

عثمان بن المغیرہ کی روایت

قال رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تقطع الاجال من شعبان الی شعبان حتی ان الرجل ینکح و یولدله و اخرج اسمه فی الموتی (قرطبی ج ۴، ص ۵۹۴۷ اور تفسیر ابن کثیر ج ۴، ص ۱۳۸)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''شعبان سے شعبان تک موتوں کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔ حتی کہ ایک شخص نکاح کرتا ہے یا اسکی اولاد ہوتی ہے حالانکہ اس کا نام مردوں کی فہرست میں داخل کیا جاتا ہے۔''

عثمان بن المغیرہ کی اس روایت کو اگر فرشتے بھی نقل کرتے تب بھی یہ قابل اعتبار نہ ہوتی۔ کیونکہ عثمان بن المغیرہ کوئی صحابی نہیں بلکہ چھوٹے درجہ کا تابعی ہے اور یہ روایت مرسل ہے۔ اور پھر قرآن کے سراسر خلاف ہے۔ اسی لیے حافظ ابن کثیر نے اس روایت کو نقل کرنے کے بعد یہ فیصلہ بھی دیا۔

هذا حدیث مرسل و مثله لا یعارض به النصوص (تفسیر ابن کثیر ج ۴، ص ۱۳۸)

''یہ حدیث مرسل ہے اور اس قسم کی روایات قرآن کے مقابل پر پیش نہیں کی جاسکتیں۔''

یعنی جہاں یہ روایت مرسل ہے وہاں قرآن کی آیات کے بھی خلاف ہے۔ کیونکہ امام ابن کثیر نے یہ بھی ثابت کیا ہے کہ لیلۃ مبارکہ سے جو شخص شب براءت مراد لیتا ہے اس نے قرآن کی صریح مخالفت کی اور انتہائی خلاف عقل بات کی۔ لیلۃ مبارکہ سے مراد لیلۃ القدر ہے۔ اس لیے یہ روایت مردود ہے۔ یہ ابن کثیر کا فیصلہ ہے۔

ہمارے نزدیک محدثانہ نقطہ نگاہ سے اس روایت میں ایک اور زبردست عیب پایا جاتا ہے۔ اولاً اس کی سند سن لیجیے۔ اسے مغیرہ بن اخنس سے امام زہری اور امام زہری سے امام لیث بن سعد الصری نقل کر رہے

ہیں۔زہری اورلیث علم حدیث میں ایک ستون کا درجہ رکھتے ہیں۔ان کی ذات اس جھوٹ سے قطعاً پاک ہے۔مغیرۃ بن الاخنس بھی ثقہ راوی ہیں۔پھر یہ جھوٹ کہاں سے آیا اور کس نے ان حضرات کی جانب اس جھوٹ کومنسوب کیا؟

جب ہم آگے بڑھتے ہیں تو ہمیں نظر آتا ہے کہ امام لیث سے اس روایت کونقل کرنے والا عبداللہ بن صالح ہے۔جو امام لیث بن سعد کا کاتب تھا۔تمام فساد کی ابتدا یہیں سے ہوئی ہے۔امام سعید بن منصور کا بیان ہے کہ یہ اتنا مغفل انسان تھا کہ اگر زمین پر کوئی کاغذ کا پرزہ مل جاتا اور اس میں کوئی روایت لکھی ہوتی تو اسے امام لیث اور امام زہری کی جانب منسوب کر دیتا۔امام ابن خزیمہ فرماتے ہیں۔یہ ایک پاگل انسان تھا۔اس کا پڑوسی اسکا دشمن تھا۔وہ کاغذ پر فرضی روایات لکھ کر اس کے گھر میں ڈال دیتا۔وہ اسے امام لیث کی روایت سمجھ کر امام لیث کا نام لے کر بیان کرتا۔نسائی کہتے ہیں وہ ثقہ نہیں ہے۔صالح جزرہ کہتے ہیں کذاب ہے۔علی بن المدینی فرماتے ہیں میں اس کی کوئی روایت قبول نہیں کرتا۔امام احمد فرماتے ہیں وہ ابتدا میں اچھا آدمی تھا۔لیکن آخر میں غلط احادیث بیان کرنی شروع کر دیں۔۲۲۲ھ میں اس کا انتقال ہوا۔(میزان جلد ۲،ص ۴۴۰) ابوالفضل المقدسی تذکرۃ الموضوعات میں فرماتے ہیں۔یہ عبداللہ بن صالح کذاب ہے۔روایات گھڑتا ہے۔

اس سے یہ ثابت ہوا کہ نہ تو یہ روایت مغیرۃ بن اخنس نے بیان کی تھی نہ امام زہری نے اور نہ امام لیث اس کے ذمہ دار ہیں۔بلکہ عبداللہ بن صالح نے گھڑ کر یا کسی فرضی زمین پر پڑے ہوئے پرچہ کو دیکھ کر ان حضرات کی جانب منسوب کی اور یہ روایت دوسو سال بعد وجود میں آئی۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان حضرات محدثین کی ذات اس جھوٹ سے مبرّا ہے۔

امام لیث بن سعد بہت بڑے درجہ کے فقیہ اور بہت بڑے درجہ کے محدث ہیں،اور امام مالک کے ہم عصر ہیں۔امام شافعی فرماتے ہیں کہ لیث مالک سے زیادہ فقیہ اور عالم بالحدیث ہیں۔حتیٰ کہ انہوں نے حدیث میں امام مالک کی ستر غلطیاں پکڑیں اور امام مالک کو تحریر کر کے بھیجیں۔لیکن افسوس کہ امام لیث کو

اچھا شاگرد نہیں مل سکا۔ ورنہ آج روئے زمین پر امام لیث کا مسلک بھی پایا جاتا۔ محدثین اور فقہاء ان کی آراء جگہ جگہ نقل کرتے ہیں۔ امام لیث کی وفات شعبان ۱۷۵ھ میں ہوئی۔ یہ ہے اس روایت کی حقیقت جسے ہمارے ملا مجلس گرم کرنے کے لیے لوگوں کے سامنے بیان کرتے ہیں۔ ان کی دکانداری اسی قسم کی فرضی روایات پر قائم ہے۔

بقیع کی کہانی

ہمارے علماء شب براءت کے موقعہ پر اپنے مضامین اور تقاریر میں جہاں متعدد فضائل کی کہانیاں بیان کرتے ہیں۔ ان میں انتہائی شدومد کے ساتھ قصۂ بقیع ضرور نقل کیا جاتا ہے اور اسے خصوصیت کے ساتھ اس لیے بیان کیا جاتا ہے کہ یہ وہ واحد کہانی ہے جو صحاح ستہ میں سے ترمذی اور ابن ماجہ میں پائی جاتی ہے۔ جہاں تک ابن ماجہ کا تعلق ہے۔ تو اسے صرف ہندو پاک کے کچھ متاخرین صحاح میں داخل سمجھتے ہیں۔ ورنہ اکثر محققین اور محدثین اسے صحیح کتاب قطعاً تصور نہیں کرتے۔ شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیز نے اسے تیسرے درجہ کی کتاب قرار دیا ہے اور حافظ ابن حجر، شیخ عبدالحق محدث دہلوی اسے صحاح سے خارج قرار دیتے ہیں۔ امام نووی صرف پانچ کتابوں کو صحیح کہتے ہیں۔ علامہ ابن رشیق اندلسی صرف تین کتابوں کو صحیح قرار دیتے ہیں۔ ابن الاثیر نے صحاح ستہ میں ابن ماجہ کے بجائے موطا امام مالک کو داخل کیا۔ ابن جوزی نے ابن ماجہ کی چالیس روایتوں کو موضوع قرار دیا۔ ذہبیؒ کہتے ہیں ابن ماجہ میں چالیس سے زیادہ موضوع اور ایک ہزار سے زائد منکر روایات پائی جاتی ہیں۔ حتیٰ کہ حافظ مزی نے تو یہاں تک دعویٰ کیا ہے کہ جو روایت صرف ابن ماجہ میں پائی جاتی ہو وہ ضرور منکر و مردود ہے اور حافظ ابن حجر اس قول کو نقل کر کے فرماتے ہیں اگرچہ یہ کوئی کلیہ نہیں لیکن ابن ماجہ کی اکثر روایات کی حالت یہی ہے۔ لہذا ابن ماجہ کا کسی روایت کو نقل کرنا کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔

جہاں تک ترمذی کا تعلق ہے تو وہ صاحب علم ہیں اور فن رجال سے واقفیت رکھتے ہیں۔ انہوں نے

اپنا فریضہ کما حقہ ادا کر دیا ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ اس دور کے علماء ان کے فیصلہ کو بیان نہیں کریں اور شیر مادر سمجھ کر ہضم کر جائیں۔ اس لیے کہ اگر یہ علماء امام ترمذی کا وہ قول بھی نقل کر دیں تو قصہ بقیع کی تمام عمارت زمین کے برابر ہو جائے گی۔ پھر یہ مجمعے کیسے لگیں گے اور بازار میں ان کے مصنوعی مال کی مارکیٹ کیسے قائم ہوگی۔ امام ترمذی المتوفی ۲۷۹ھ نے اپنی کتاب میں یہ واقعہ حضرت عائشہؓ سے اس طرح نقل کیا ہے۔ جب نصف شعبان کی شب ہوئی (یہاں رات کا کوئی نام نہیں لیا گیا) تو میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے بستر پر نہیں پایا۔ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیچھا کیا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بقیع میں کھڑے ہوئے تھے۔ کچھ دیر بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوٹے اور فرمایا۔ اے عائشہ کیا تو یہ سمجھتی ہے کہ اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تیرے ساتھ زیادتی کرے گا۔ حضرت عائشہؓ نے عرض کیا نہیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں یہ نہیں سمجھتی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی کسی اور زوجہ کے پاس تشریف لے گئے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے عائشہ تجھے معلوم ہے آج کونسی شب ہے۔ آج نصف شعبان کی شب ہے۔ اس رات میں اللہ تعالی بنو کلب کی بھیڑوں کے بالوں سے بھی زیادہ لوگوں کی مغفرت فرماتا ہے۔ اس سے کم از کم یہ تو ثابت ہو گیا کہ سورۃ دخان کی آیات میں لیلۃ مبارکہ سے یہ بے نام رات مراد نہیں تھی۔ اگر یہ رات مراد ہوتی تو اولاً تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ بیان کرنا چاہیے تھا۔ ثانیاً ام المؤمنین بھی اس سے ہرگز لاعلم نہ ہوتیں۔ کیونکہ یہ آیات اس واقعہ سے ایک طویل عرصہ قبل نازل ہو چکی تھیں۔ کیا کہانی نویس یہ کہنا چاہتا ہے کہ ام المؤمنین اتنی کم فہم تھیں کہ اس آیت کے مفہوم کو بھی نہیں سمجھ سکیں جو ایک عرصہ دراز قبل نازل ہو چکی تھیں؟ گویا یہ ام المؤمنین پر ایک مخفی تبرا ہے۔ ایسا کیوں نہ ہو کیونکہ یہ رات تبراء کی رات ہے۔

ہمارے علماء اس سے استدلال پیش کرتے ہیں کہ اس رات قبرستان جانا اور مُردوں کے لیے دعائے مغفرت کرنا سنت رسول اور کار ثواب ہے۔ ہماری گزارش یہ ہے کہ کیا بیوی کا پیچھا کرنا بھی سنت ہے؟ اگر آپکا جواب نفی میں ہے تو جس روایت پر کلی طور پر آپ خود عمل نہیں کرتے اسے دوسروں کے سامنے بطور دلیل کیوں پیش کرتے ہیں۔ اور بیچاری صنف نازک نے ایسا کونسا قصور کیا جو اسے کارِ خیر سے محروم رکھا گیا اور

اگر آپکا جواب اثبات میں ہے یعنی آپ اس کے قائل ہیں کہ بیوی کو بھی مرد کا پیچھا کرنا چاہیے تو ہم نے آپ کو یہ تعلیم دیتے نہ کبھی سنا اور نہ کبھی پڑھا کہ عورتوں کو چاہیے کہ وہ خاموشی سے مردوں کا پیچھا کیا کریں۔ کیونکہ مرد کی ذات بھروسہ کے قابل نہیں اور جب آپ اس کی تعلیم نہیں دیتے تو گویا آپ نے قصداً صنف نازک کو ایک کارِ خیر سے محروم رکھا۔ یہ بھی ذہن نشین رہے کہ اگر آپ نے عورتوں کو یہ تعلیم دی تو اس کے لیے یہ بھی شرط ہے کہ آپ کو اس کا علم نہ ہو کہ آپ کی بیوی آپ کا پیچھا کر رہی ہے۔ اس صورت میں آپ دونوں حضرات ثواب سے محروم ہو جائیں گے۔ کیونکہ اس جاسوسی سے کیا حاصل جسکا علم اس شخص کو بھی ہو جسکی جاسوسی کی جارہی ہے۔ ہم تو کم از کم اس روایت کا یہی مفہوم سمجھے ہیں کہ ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس پر بھی بھروسہ نہ تھا اور اس عدم اعتماد کا اظہار آپ اپنی زبان سے بھی کر رہی ہیں۔ اس سے بڑھ کر تبراء کیا ہوگا؟ یعنی لیلۃ البراءت کا صحیح تصور پیش کر دیا گیا۔

آپ حضرات سے مزید سوال یہ بھی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاموشی سے تشریف لے گئے اور ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کو نہ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مطلع کیا نہ چلتے وقت مطلع کرنا پسند کیا اور نہ لوگوں میں پہلے سے اس کا اعلان کیا۔ کیونکہ اگر پہلے سے اعلان ہوتا تو ام المؤمنین کو بھی اطلاع ہوتی اور وہ ہرگز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیچھا نہ کرتیں۔

یہ تمام امور اس بات کی شہادت دے رہے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ عمل اُمت سے مخفی رکھنا چاہتے تھے۔ جو اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ عمل نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مخصوص تھا اور اُمت کے لیے اس پر عمل کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ اگر یہ عمل اُمت کہ لیے بہتر ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہلے سے اسکی تعلیم دیتے اور ام المؤمنین کو بھی مطلع فرماتے۔ ایسی صورت میں اس پر عمل کرنا اور قبرستان کے چکر کاٹنا سراسر سنت کے مخالفت ہے۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مخصوص افعال میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اقتدا نہیں ہوتی اور اگر یہ حکم عام تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے باوجود اس حکم کو اُمت اور ام المؤمنین سے چھپایا تو اس صورت میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یہ الزام آئے گا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نبوت میں خیانت سے کام لیا۔ **فلعنۃ اللہ علی الکاذبین**

الغرض اس روایت کی ناک جس طرح چاہے موڑ کی دیکھو کسی نہ کسی پر تبراء ضرور ثابت ہوگا اور حقیقت یہ ہے کہ اتنی عقل کی بات باطنی اور تقیہ کے ماہرین تو ضرور کر سکتے ہیں۔ لیکن سیدھے سادھے ملا کے بس کی بات نہیں۔ پھر اس روایت میں کہیں موجود نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کوئی عبادت فرمائی تھی یا ام المؤمنین کو اس کا حکم دیا تھا۔ کیا صرف قبرستان کا چکر لگانے سے مغفرت حاصل ہوگئی اگر اس کا اقرار کرتے ہو تو اس سے ثابت ہوگا کہ رات کی شب بیداری، دن کا روزہ، چراغاں کی صورت میں دیوالی اور حلوؤں کی صورت میں چڑھاوے سب مہملات ہیں۔ کیونکہ مغفرت تو صرف قبرستان جانے سے ہو چکی ہے۔ اور اگر کہتے ہو کہ ایسا نہیں ہے۔ اس کے علاوہ کچھ اور حرکات بھی ضروری ہیں تو اس روایت میں ان امور کا کوئی تذکرہ نہیں۔ نیز یہ بھی غور طلب ہے کہ قبرستان جانے سے کس کی مغفرت ہوتی ہے۔ زندوں کی یا مُردوں کی۔ اس کا فیصلہ ہم قارئین پر چھوڑتے ہیں، وہ پہلے اس کا فیصلہ اپنے اپنے علماء سے کرائیں۔

یہ تو اس روایت کی معنوی حیثیت ہے اب اس کی سندی حیثیت خود امام ترمذی کی زبانی سنیے جسے ہمارے علماء بیان کرنے سے گریز کرتے ہیں۔ اور ہمارا تخیل تو یہ ہے کہ وہ یا تو اسے سمجھنے کی قدرت نہیں رکھتے یا اسے عمداً بیان نہیں کرتے۔

امام ترمذی فرماتے ہیں میں نے محمد بن اسمعیلؒ (بخاری) سے سنا وہ اس حدیث کو ضعیف کہتے تھے اور انہوں نے فرمایا کہ یہ روایت حجاج بن ارطات یحیٰ بن ابی کثیر سے نقل کر رہا ہے حالانکہ اس نے یحیٰ سے زندگی میں ملاقات تک نہیں کی۔

امام ترمذی فرماتے ہیں یحیٰ اس روایت کو عروہ سے نقل کر دیتے ہیں۔ اور یحیٰ نے عروہ سے بھی کبھی ملاقات نہیں کی۔ اس طرح یہ روایت دو مقام سے منقطع ہوئی اور منقطع روایت محدثین کے نزدیک نا قابل قبول ہے اور جو روایت دو جگہ سے منقطع ہو وہ محدثین کے نزدیک معضل کہلاتی ہے اور جو انتہائی شدید قسم کی ضعیف بلکہ منکر و مردود ہوتی ہے۔ اسی لیے حافظ بدرالدین عینی حنفی، ابن دحیہ اور ابن العربی مالکی نے اسے موضوع قرار دیا۔ اور روایت میں صرف یہی دو عیوب نہیں بلکہ ان دو عیوب کے علاوہ مزید دو عیوب پوشیدہ

ہیں۔ ① حجاج اور یحیٰ دونوں مدلس ہیں یعنی درمیان سند سے عمداً راوی کو حذف کر دیتے ہیں تا کہ روایت کا عیب ظاہر نہیں ہو۔ کیونکہ درمیان سے جو راوی گرایا جاتا ہے وہ اکثر و بیشتر نا قابل اعتبار ہوتا ہے۔ اسی لیے راوی اس کا نام چھپا دیتا ہے۔ ممکن ہے جو راوی درمیان سے گرائے گئے ہوں وہ تبرائی ہوں اور پھر جب کسی جگہ سے راوی گرایا جاتا ہے تو بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ جو راوی گرایا گیا ہے وہ صرف ایک نہیں ہوتا بلکہ متعدد ہوتے ہیں اور حجاج اور یحیٰ دونوں کی عادت میں یہ داخل ہے کہ وہ درمیان سے راوی گرا دیتے ہیں ۔اس لیے امام ترمذی نے کتاب العلل میں امام یحیٰ بن سعید القطان کا قول نقل کیا ہے۔

و مُرسلات یحیٰ بن ابی کثیر لیس بشی ''اور یحیٰ بن ابی کثیر کی مُرسلات کچھ نہیں ہیں۔''

جب یحیٰ کی مرسل کوئی درجہ نہیں رکھتی تو حجاج بن ارطات اس سے کہیں زیادہ گیا گزرا ہے۔ اس لیے کہ یحیٰ کی تو صرف مرسلات نا قابل قبول ہیں جب کہ حجاج کی تو روایت ہی قابل قبول نہیں ہوتی۔ اور مدلس جب کوئی روایت عن فلان کہہ کر نقل کرتا ہے تو وہ روایت قابل قبول نہیں ہوتی اور یہاں بھی دونوں نے عن کے ذریعہ نقل کیا ہے۔

② حجاج بن ارطات تمام محدثین کے نزدیک ضعیف ہے۔ یہ اسلام میں سے پہلا شخص ہے جس نے رشوت خوری کی بنیاد رکھی۔ خلیفہ مہدی عباسی سے قبل یہ ایک فقیر تھا۔ مہدی نے اسے قاضی بنا دیا۔ قضا مل جانے کے بعد اس نے جماعت سے نماز پڑھنی چھوڑ دی اور کہا کرتا تھا کہ کیا قصائیوں اور سقوں کے ساتھ ایک صف میں کھڑا ہو جاؤں؟ امام شافعی نے اسکا یہ بھی قول نقل کیا ہے کہ انسان کی بڑائی اس وقت تک قائم نہیں ہو سکتی جب تک وہ نماز با جماعت ترک نہیں کر دے ایسے راویوں پر اگر شریعت کے معاملہ میں اعتبار کر لیا جائے تو قرآن کو بھی لپیٹ کر رکھنا پڑے گا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا أَن تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ﴾ (سورہ حجرات:٦)

''اے ایمان والو اگر کوئی فاسق تمھارے پاس کوئی خبر لائے تو تحقیق کر لو کہ کہیں کسی قوم کو

بے جا ایذا نہ دے بیٹھو، پھر اپنے کیے پر پچھتاتے رہ جاؤ۔''

اسی لیے تمام آئمہ محدثین وفقہا کا اس پر اتفاق ہے کہ ہر روایت کے راویوں کی چھان بین اور ان کی حالت کی تحقیق دین میں داخل ہے۔ امام محمد بن سیرین المتوفی سنہ ۱۱۰ھ فرماتے ہیں:

هذا الاسناد دين فانظروا عمن تأخذون دينكم (صحیح مسلم ج ۱، ص ۱۱)

''یہ سند بھی دین ہے پہلے اس پر غور کرلیا کرو کہ تم اپنا دین کس قسم کے لوگوں سے اخذ کر رہے ہو۔''

اگر یہ سندات اور راویوں پر بحث نہ ہوتی تو اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کے نام پر جس کا جو دل چاہتا کہتا پھرتا۔ جیسا کہ آج کل ہو رہا ہے، عبداللہ بن المبارک فرماتے ہیں۔

لو لا الإسناد لقال من شاء ماشاء (مسلم ج ۱، ص ۱۲)

''اگر سند نہ ہوتی تو جس کا جو جی چاہتا بکتا۔''

اللہ تعالی محدثین کرام کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ انہوں نے صحت حدیث کیلیے ایک ایک راوی کے حالات معلوم کر کے لاکھوں راویوں کے حالات ہمارے سامنے جمع کر کے رکھ دیے۔ اسی فن کا نام علم الرجال والاسناد ہے پھر روایت کے لحاظ سے احادیث کے مختلف درجات قائم کیے اور ان کے اصول وضع کیے۔ جس سے فن علم اصول حدیث اور فن علم الروایت وجود میں آئے۔ پھر جرح وتنقید کا طریقہ کار وضع کیا۔ جس کا نام علم الجرح والتعدیل ہے۔ عقل کی رو سے کسی روایت پر جو اعتراضات وارد ہو سکتے تھے، ان کے لیے اصول وضع کئے جس کا نام علم الدرایہ رکھا گیا۔ روایت کی پوشیدہ خامی ظاہر کرنے کے لیے علم العلل وضع کیا گیا۔ یہ معلوم کرنے کے لیے کہ کسی راوی کی کس سے ملاقات ہے علم التاریخ کو اختیار کیا گیا۔ امام سفیان ثوری کا ارشاد ہے:

إذا كذب الناس فاستعملنا التاريخ

(جب لوگوں نے جھوٹ بولنا شروع کر دیا تو ہم نے تاریخ کا استعمال شروع کر دیا۔)

اگر ایک نام کے متعدد راوی ہوں تو ان کا فرق معلوم کرنے کے لیے علم الانساب علم الاسماء والکنی اور علم المشتبہ جیسے فنون ایجاد کئے گئے ان فنون کو حاصل کرنے کے لیے اور ان میں عبور پیدا کئے بغیر اگر کوئی شخص اپنی حدیث دانی کا دعویٰ کرتا ہے وہ یقیناً عالم کے روپ میں ایک دکاندار ہے۔ جو کاروبار چمکانے کے لیے محدثین کرام کی ان مساعی جمیلہ پر پانی پھیرنا چاہتا ہے یا اول درجہ کا احمق و دجال ہے۔ اسی لیے ہم نے اس مضمون میں ان تمام فنون کو پیش نظر رکھا ہے۔ ہم نے اپنی جانب سے کسی نئی بات کا دعویٰ نہیں کیا بلکہ محدثین نے اس سلسلہ میں جو فرمایا ہے وہ ہم نے قارئین کے سامنے پیش کیا ہے۔ ہم تو صرف اتنی سی بات کے ضرور مجرم ہیں کہ ہم نے محدثین کے اقوال کو اُردو جامہ پہنا کر اپنے الفاظ میں پیش کر دیا ہے۔ اب اگر ہمیں کوئی مجرم تصور کرتا ہے تو اس جرم کو ہم خوش دلی سے قبول کرنے کے لیے تیار ہیں۔

ہاں ہم یہ سوال ضرور کرنا چاہیں گے آپ کو انہیں روایتوں سے کیوں پیار ہے جن کے راویوں کو محدثین نے کذاب، رافضی، خارجی، راشی اور خبیث قرار دیا ہو۔ کہ لیلۃ مبارکہ کی تفسیر میں آپ نے ایک خارجی کذاب کے قول کو اختیار کیا اور قبرستان کے چکر لگانے میں ایک راشی کی روایت کو۔ آپ کا ان سے کیا روحانی رشتہ ہے؟ اگر ہمارے علماء نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک فرمان کو پیش نظر رکھیں جو امام حضرت مغیرۃ بن شعبہؓ اور حضرت سمرۃ بن جندبؓ سے روایت کیا ہے تو شاید ان میں بھی حدیث کے معاملہ میں احتیاط کا مادہ پیدا ہو جائے۔ ارشاد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے:

کفی بالمرء کذبا ان یحدث بکل ما سمع (صحیح مسلم ج ۱، ص ۸)

''آدمی کا جھوٹا ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ ہر سنی بات بیان کرنے لگے۔''

بقیع کا قصہ جہاں عقلاً نقلاً غلط ہے جیسا کہ آپ حضرات سطور بالا میں پڑھ چکے ہیں وہاں سراسر احادیث صحیحہ اور تاریخ کے بھی خلاف ہے۔ مؤطا امام مالک اور سنن نسائی میں صحیح سند کے ساتھ اس واقعہ کی صورت یہ بیان کی گئی ہے۔ ام المؤمنین فرماتی ہیں:

قام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ذات لیلۃ فلبس ثیابہ ثم خرج قالت فامرت جاریتی بریرۃ

تبتعه فتبعه جاء البقیع فوقف فی او قام ماشاء اللہ ان یقف ثم انصرف فسبغته بریرة فاخبرتنی فلم از کر له شئیا حتی اصبح ثمذ کرت له فقال انی بعثت ال اهل البقع لا صلی علیهم (نسائی ج/۱،ص/۲۰۶ ومؤطاامام مالک ص/۸۵)

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک رات اٹھے پھر اپنے کپڑے پہنے اور باہر تشریف لے گئے۔ام المؤمنین کہتی ہیں میں نے اپنی باندی بریرہ کو حکم دیا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیچھا کرے۔وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے گئی حتی کہ آپ بقیع پہنے اور در لے کنارے کھڑے ہوئے۔جب تک اللہ نے چاہا کھڑے رہے۔پھر واپس لوٹے۔بریرہ پہلے پہنچ گئی۔اس نے مجھے اطلاع دی۔میں نے صبح تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کوئی ذکر نہیں کیا۔صبح کے بعد میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ذکر کیا۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مجھے اہل بقیع کی جانب بھیجا گیا تھا۔تاکہ میں ان کیلیے دعائے مغفرت کروں۔''

یہ حدیث صحیح علی الاعلان یہ ثابت کر رہی ہے کہ نہ ام المؤمنین نے پیچھا کیا تھا۔اور نہ شب تبراء کی کوئی خوبی بیان کی گئی تھی اور نہ شب مخصوصہ کے باعث آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بقیع تشریف لے گئے تھے۔بلکہ وہاں جانے کی صرف وجہ یہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اہل بقیع کے لیے دعائے مغفرت کا حکم دیا گیا تھا اور یہ حکم قرآن میں صراحتاً موجود ہے۔ارشاد ہے:

﴿وَصَلِّ عَلَيْهِمْ إِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ﴾ (سورہ براءت: ۱۰۳)

''اوران کے لیے دعائے رحمت کیجیے، بیشک تمہاری دعا ان کے لیے سکون کا باعث ہے۔''

گویا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس حکم الٰہی پر عمل کرنے کے لیے بقیع تشریف لے گئے تھے۔یہاں یہ اختلاف تو ضرور ہوسکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دعائے مغفرت کا حکم دیا گیا ۔یا نماز جنازہ کا۔کیونکہ لفظ صلاۃ دونوں معنی میں مشتمل ہے۔

تاریخی لحاظ سے یہ واقعہ کب پیش آیا۔کون سا سن تھا،کون سا مہینہ تھا اور کون سا دن تھا۔ہم جب اس

پرغور کرتے ہیں تو اتنی بات تو مسلمہ ہے کہ یہ واقعہ ۱۰ھ سے قبل پیش نہیں آیا۔ کیونکہ یہ آیت کریمہ ۹ھ ماہ شعبان میں دوران سفر نازل ہوئی۔ جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنگ تبوک سے واپس تشریف لا رہے تھے اور پندرہ شعبان کے بعد مدینہ واپس پہنچے، اگر یہ واقعہ ۹ھ میں پیش آیا تو آخر شعبان میں پیش آیا ہوگا۔ ورنہ ۱۰ھ میں پیش آیا اور ۱۱ھ میں شعبان کی آمد سے قبل آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رحلت فرما گئے۔ بشرطیکہ اس کا تعلق شعبان سے ہو، حالانکہ شعبان سے اسکا کوئی تعلق نہیں۔

رہا مہینہ اور تاریخ کا مسئلہ تو موطا امام مالک کے حاشیہ پر محلی کے حوالہ سے ابن الوضاح کا یہ قول منقول ہے:

قال ابن الوضاح کانت القصة قبل موته بخمسة ایام (مؤطا ص/ ۸۵)

''ابن الوضاح کہتے ہیں یہ واقعہ موت رسول سے پانچ روز قبل پیش آیا۔''

یعنی یہ واقع آپ کی وفات سے پانچ روز قبل پیش آیا۔ نہ شعبان میں۔ اس وقوعہ کی تاریخ کیا تھی۔ اس فیصلہ کا دارومدار اس بات پر موقوف ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کون سی تاریخ کو ہوئی۔ بارہ کی روایت جو ہمارے یہاں مشہور ہے وہ تو قطعاً غلط ہے۔ جو خلاف عقل بھی اور خلاف نقل بھی۔ مورخین کے وفات رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں تین اقوال ہیں ۲/ربیع الاول، ۱/ربیع الاول اور ۹/ربیع الاول۔ پہلے دو اقوال کے لحاظ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آخر صفر میں بقیع تشریف لے گئے اور ۹/ربیع الاول کے لحاظ سے شروع ربیع الاول میں۔ الغرض شعبان میں بقیع جانے کی کہانی الف لیلیٰ کی داستان سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی۔

جس تاریخ کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بقیع تشریف لے گئے تھے۔ اس روز دن میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میدان اُحد تشریف لے گئے۔ صحیح بخاری میں حضرت جابر بن عبداللہؓ کا بیان ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آٹھ سال بعد اُحد تشریف لے گئے میرے والد کی قبر کھل گئی تھی۔ پورا جسم محفوظ تھا۔ لیکن ناک کا کچھ گوشت اڑ گیا تھا۔ ظاہر ہے کہ آٹھ سال کی مدت بالکل آخر عمر میں ہوگی اور وہ بھی پورے آٹھ سال نہ ہوں گے۔ چالو سال کو بھی سال شمار کیا گیا۔ کیونکہ جنگ اُحد ۶/شوال ۳ھ میں واقع ہوئی۔ بخاری اور ابو داؤد نے حضرت عقبہ بن

عامر الجہنیؓ سے نقل کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے ساتھ احد تشریف لے گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شہدائے احد کی نماز جنازہ ادا کی اور واپس تشریف لا کر ہمیں اس قسم کا خطبہ دیا گویا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زندوں اور مُردوں سب کو رخصت کر رہے اور آخر میں فرمایا:

انی فرطکم علی الحوض

''میں تمہارا حوض پر پیش رو ہوں گا۔''

امام بخاری نے اس سے شہداء کی نماز جنازہ کا ثبوت پیش کیا ہے۔ ابن ہشام نے اپنی سیرت میں مورخ محمد بن اسحاق سے نقل کیا ہے۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وفات سے پانچ روز پیشتر جمعرات کے دن اُحد تشریف لے گئے۔ قاضی عیاض مصری نے الشفاء میں، امام نووی نے شرح مسلم میں اور علامہ شبیر احمد عثمانی نے فتح الملہم شرح صحیح مسلم جلد سوئم میں، اور حافظ ابن حجر نے فتح الباری شرح صحیح البخاری میں یہی دعویٰ کیا ہے۔ بلکہ قاضی عیاض شرح مسلم میں یہاں تک فرماتے ہیں:

ای فی اٰخر عمرہ لا قبل یدل علیہ أحادیث اخر

''یعنی آخر عمر میں نہ کہ اس سے قبل جیسا کہ اس پر دیگر احادیث دلالت کرتی ہیں۔''

یہ تمام ائمہ یہ دعوے کر رہے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بقیع رات کے وقت وفات سے صرف چند روز پیشتر تشریف لے گئے اور اس سے قبل کبھی تشریف نہ لے گئے تھے۔ ظاہر ہے کہ حجاج بن ارطات والی کہانی کا علم ان حضرات کو بھی ہوگا۔ اگر وہ کہانی ان حضرات کی نظر میں صحیح ہوتی تو وہ ہرگز یہ دعویٰ نہ کرتے۔ یہ دعویٰ اسی صورت میں ممکن ہے جب کہ ان حضرات نے اس کہانی کو نا قابل اعتبار سمجھا ہو۔ ورنہ کوئی نہ کوئی تو یہ دعویٰ کرتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سے قبل شعبان میں بھی تشریف لے گئے تھے۔ لیکن قاضی عیاض نے یہ کہ کر کہ زندگی میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی رات کو تشریف نہ لے گئے تھے، صرف آخر عمر میں تشریف لے گئے، جیسا کہ دیگر احادیث اس کی شہادت دے رہی ہیں، ہر تخیل کو باطل کر دیا۔ علامہ شبیر احمد عثمانی نے قاضی عیاض کا یہ قول نقل کر کے سکوت اختیار کیا۔ گویا ان کے نزدیک قاضی عیاض کا دعویٰ بالکل صحیح اور درست تھا۔

میرے والد اور استاد محترم مفتی اشفاق الرحمان کاندھلوی مرحوم۔ صدر مدرس مدرسہ فتحپوری دہلی اور صدر مدرس دار العلوم ٹنڈالہیارو سابق مفتی اعظم ریاست بھوپال اپنی کشف المغطا شرح الوٴطاء میں اس واقعہ پر بحث کرتے ہوئے علامہ ابن عبدالبر مالکی کا حوالہ بھی پیش کرتے ہیں۔ کہ ابن عبدالبر نے حضرت ابو مویہہؓ صحابی سے نقل کیا ہے کہ میں اس رات نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہاں جا کر اہل بقیع کے لیے دعائے مغفرت فرمائی۔ اس کے بعد میری جانب متوجہ ہوئے اور مجھ سے فرمایا۔ اے ابو مویہہ اللہ تعالیٰ نے مجھے دو باتوں کا اختیار دیا ہے کہ یا تو میں دنیا کے خزانے اور دنیا کی زندگی کو پسند کرلوں اور خواہ میں جنت اور اپنے پروردگار کی ملاقات اختیار کرلوں۔ میں نے اپنے پروردگار کی ملاقات کو اختیار کرلیا۔

آخر میں ابومویہہؓ کا بیان ہے:

فاصبح من تلک اللیلة بک بدا وجعه الذی مات منه صلی الله علیه وسلم

(کشف المغطا ص/ ۲۲۴)

''اسی رات کی صبح سے حضور کو وہ تکلیف شروع ہوئی جس سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موت واقع ہوئی۔''

مجھ پر تو یہاں الزام ہے کہ میں لوگوں کے سامنے وہ چیز پیش کر رہا ہوں جو آج تک کسی نے پیش نہ کی تھی۔ میرا جرم یہ بیان کیا جاتا ہے کہ جو دعوے تم کر رہے ہو وہ کسی نے نہ کیا تھا۔ حالانکہ اتنے ائمہ اور علماء کی اتنی طویل فہرست آپ کے سامنے پیش کر چکا ہوں۔ یہ جرم صرف مجھ پر عائد نہیں ہوتا۔ بلکہ تمام محدثین اور ائمہ پر بھی عائد ہوتا ہے۔ میرے لیے انہیں مجرم قرار دینا دشوار ہے۔ بہ نسبت اس کے کہ موجودہ دور کے علماء کو کتمان حق کا مجرم تصور کرلوں۔ یہ زیادہ آسان ہے۔ کیونکہ ان تمام علماء کا علم ان آئمہ اور محدثین میں سے کسی ہستی کے مساوی نہیں ہوسکتا۔ جب ہمیں تقلید کا لبادہ ہی اوڑھنا ہے تو کیوں نہ کسی ماہر فن کی تقلید کی جائے۔ یہ کیا کہ راہ چلتے کی تقلید شروع کردی جائے۔ میں کسی صورت میں بھی آئمہ کی تقلید چھوڑ کر جہلا کی تقلید اختیار نہیں کرسکتا۔

یہ بھی ایک غور طلب امر ہے کہ ۸ھ تک یعنی عمرہ جعرانہ تک زیارت قبور کی قطعاً ممانعت تھی۔لیکن جب عمرہ کے دوران جو ذی القعدہ ۸ھ میں ہوا۔آپ ﷺ کا گزر آپ ﷺ کی والدہ کی قبر پر سے ہوا تو آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے ان کے لیے دعائے مغفرت کی اجازت طلب کی،جس کی آپ ﷺ کو ممانعت کر دی گئی ۔آپ ﷺ نے زیارت قبر کی اجازت طلب کی تو اس کی اجازت دے دی گئی ۔ آپ ﷺ قبر پر تشریف لے گئے اور آپ ﷺ نے صحابہؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

کنت نھیتکم عن زیارۃ القبور فزورھا فانھاتذکرکم الموت (مسلم ج/۱،ص/ ۳۱۴)

''میں نے تم کو زیارت قبور سے منع کیا تھا، اب تم ان کی زیارت کر سکتے ہیں ، کیونکہ یہ زیارت تمہیں موت کی یاد دلائے گی۔''

یہ واقعہ تمام کتب صحاح میں حضرت بریدہؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ وغیرہ سے مروی ہے۔اور جب ۸ھ سے قبل زیارت قبور ممنوع تھی تو یہ ناممکن ہے کہ حضور ﷺ اس سے قبل زیارت کے ارادے سے بقیع تشریف لے گئے ہوں گے۔ظاہر ہے کہ یہ وقوعہ ذی القعدہ ۸ھ کے بعد ہی پیش آ سکتا ہے۔

اس پر تمام مؤرخین ومفسرین اور محدثین کا اتفاق ہے کہ ازواج مطہرات کے لیے پردہ کا حکم ۵ھ میں نازل ہوا۔اور واقعہ ایلا یعنی جب حضور ﷺ نے ازواج سے علیحدگی اختیار کی تھی یہ وقوعہ ۵ھ میں پیش آیا۔اور اس واقعہ کے تحت جو آیات نازل ہوئیں ان میں ازواج مطہرات کو حکم دیا گیا:

﴿وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ﴾ (سورہ احزاب: ۳۳)

''اور اپنے گھروں میں ٹھہری رہو اور بے پردہ نہ رہو جیسے کہ اگلی جاہلیت کی بے پردگی۔''

کیا ایسی صورت میں ممکن ہے کہ ام المؤمنین حضرت عائشہؓ بلا شرعی عذر گھر سے صرف حضور ﷺ کا پیچھا کرنے کے لیے نکلیں۔اُم المؤمنین کے بارے میں ایسا گمان کوئی بد باطن تو کر سکتا ہے۔لیکن کوئی بیٹا اپنی ماں پر اتنا بڑا الزام قائم نہیں کر سکتا۔

اگر کوئی احمق یہ کہے کہ زیارت قبور کی اجازت دے دی گئی تو اب ان کے جانے پر کیا اعتراض ہوسکتا ہے تو اس کے لیے ابن عباسؓ اور ابو ہریرہؓ کی حدیث رسول کافی ہے:

لعن اللہ الزوارات القبور (ترمذی ج/۱،ص/۱۰۸)

''اللہ قبروں کی زیارت کرنے والیوں پر لعنت بھیجتا ہے۔''

ایسی صورت میں یہ ناممکن ہے کہ ام المؤمنین نے حضور کا پیچھا کیا ہو، بلکہ یہ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بدنام کرنے کی ایک بھرپور سعی ہے۔ دوسرے الفاظ میں ایک مخفی تبرا ہے۔ افسوس تو اس بات کا ہے کہ تبرائیوں نے سنیوں کے ذریعہ ان کی ماں پر تبرا کرایا۔ اور خود علیحدہ ہوکر بیٹھ گئے۔ اب بھی کوئی نہ سمجھے تو اسے خدا سمجھے۔ اگر قارئین کو مزید تفصیلات کی ضرورت ہے تو ہماری کتاب ''شب براءت اور اسکی حقیقت'' کا انتظار کریں۔

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی روایت

شب براءت کے سلسلے میں ایک اور روایت ابن ماجہ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ میں نقل کی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نصف شعبان کی شب میں طلوع فرماتا اور مشرک اور کینہ پرور کے علاوہ سب کی مغفرت فرماتا ہے۔''

نزول الٰہی کا ذکر تو بچپن سے سنتے آئے تھے اور احادیث صحیحہ میں بھی اس کا ذکر موجود ہے۔ لیکن یہ طلوع الٰہی کیا شے ہے، اور اس کا مفہوم کیا ہے؟ ہم اس کے سمجھنے سے قاصر ہیں۔ اس لیے قرآن اور حدیث صحیح میں ہم نے آج تک اس کا ذکر نہیں پڑھا اور نہ کسی محدث وفقیہ نے اس کے معانی ومفہوم پر بحث کی۔ ہم تو صرف اتنا جانتے ہیں کہ طلوع وغروب کا تعلق چاند، سورج اور مجسم اشیاء سے ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات جسم سے منزہ ہے۔ اگرچہ شیعوں کے متعدد فرقے مثلاً مجسمہ مشبہہ اور نصیریہ وغیرہ اللہ کے مجسّم ہونے کے قائل

ہیں اور صوفیاء کے یہاں بھی مشاہدہ حق کے بغیر کوئی بات نہیں بنتی۔

یہ بھی ایک حقیقت مسلمہ ہے کہ جو شے طلوع ہوتی ہے وہ غروب بھی ضرور ہوتی ہے اور جو شے طلوع و غروب ہوتی ہو وہ یقیناً ایک نہ ایک دن فنا بھی ضرور ہوتی ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراھیمؑ کے ذریعہ ستارے کے غروب ہونے کے وقت یہ اعلان کرایا:

﴿إنی لا احب الافلین﴾ (سورہ انعام: ۷۷)

''یقیناً میں ڈوبنے والے کو پسند نہیں کرتا۔''

جو اللہ طلوع ہوتا ہے اور صبح صادق کے ظہور کے بعد غروب ہوجاتا ہو۔ ایسا اللہ وہ اللہ تو ہرگز نہیں ہوسکتا جس نے قرآن میں اپنا یہ وصف بیان کیا ہو:

﴿لیس کمثلہ شئ﴾

''اس کی مثل کوئی شئے نہیں۔''

یہ بھی ذہن نشین رہے کہ اس روایت میں اس شب کا کوئی نام مذکور نہیں۔ بلکہ نصف شعبان درج ہے۔ اگر مہینہ تیس دن کو ہو تو یہ پندرھویں شب ہوگی۔ اور اگر مہینہ انتیس کا ہے تو نصف شعبان کی کوئی بھی شب نہ ہوگی۔ حالانکہ ہمارے علماء اور عوام ایک متعینہ شب میں یہ کام انجام دیتے ہیں۔ انہیں یہ کیسے معلوم ہوا کہ مہینہ تیس کا ہوگا۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ جس سال شعبان انتیس کا ہوگا۔ اس سال عبادت تو اکارت گئی۔ کیونکہ نصف شعبان واقع ہی نہیں ہوئی۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس قسم کی روایات گھڑنے والے عقل سے کورے تھے۔

اس روایت کی محدثین کی نظر میں کیا حیثیت ہے۔ تو اس کا ناقل عبداللہ بن لہیعہ ہے۔ اس کا انتقال ۱۷۴ھ میں ہے۔ بخاری و مسلم نے اس کی کوئی روایت نقل نہیں کی۔ ترمذی نے اس کی روایت نقل کر کے اسے ضعیف قرار دیا۔ نسائی نے دعویٰ کیا کہ میں نے کتاب میں اس کی صرف ایک روایت نقل کی ہے اور وہ بھی مجبور ہوکر۔ مقدسی کہتے ہیں متروک ہے۔ امام ابوزرعہ رازی فرماتے ہیں کذاب ہے۔ دیگر محدثین کہتے

ہیں کہ اگر اس سے عبداللہ بن مبارک اور عبداللہ بن اسواریری حدیث نقل کریں تو قابل قبول ہوگی۔ ورنہ قطعاً نہیں۔ کیونکہ آخر عمر میں اس کے دماغ نے جواب دے دیا تھا جس کے باعث الٹی سیدھی روایات بیان کرنے لگا۔ اور اتفاق سے یہ روایت یہ دونوں حضرات نقل نہیں کر رہے ہیں۔ ابن عدی اور ذہبی کہتے ہیں ابن لہیعہ کی یہ روایت منکر ہے۔ عبداللہ بن لہیعہ نے یہ روایت کس سے سنی، تو کبھی تو وہ یہ دعویٰ کرتا ہے کہ یہ روایت زید بن سلیم سے مروی ہے اور کبھی کہتا ہے ضحاک بن ایمن سے مروی ہے۔ یہ دونوں حضرات کون ہیں امام بن عدی ذہبی اور ابن حجر لکھتے ہیں کہ زید بن سلیم مجہول شخص ہے۔ کوئی نہیں جانتا کہ یہ کون بلا ہے۔ عبداللہ بن لہیعہ کے علاوہ اس کا کوئی ذکر تک نہیں کرتا۔ اور اس نے صرف اسی روایت میں اس کا ذکر کیا ہے۔ اتفاق سے یہی بات محدثین نے ضحاک بن ایمن کے بارے میں بھی کہی ہے۔ یعنی دونوں فرضی ہیرو ہیں۔ جن کا بظاہر کوئی وجود نہیں گویا یہ صرف بن لہیعہ کی ذہنی پیداوار ہیں۔

عبداللہ بن لہیعہ آگے چل کر دعویٰ کرتا ہے کہ ان دونوں نے یہ روایت ضحاک بن عبدالرحمان بن عرزب سے نقل کی ہے اور کبھی کہتا ہے کہ عبدالرحمان بن عرزب سے نقل کی ہے اور اتفاق سے یہ دونوں بھی مجہول ہیں۔ جس سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ عبداللہ بن لہیعہ نے یا تو یہ روایت اپنے دماغ کی بھٹی میں تیار کی یا یہ روایت اس وقت کی ہے جب اسے ہذیان کے دورے پڑنے لگے تھے۔ اس طرح اس روایت کے چار راوی تو قطعا مجہول ہیں اور ایک شدید ضعیف ہے۔ یہ روایت تو ردی کی ٹوکری میں پھینکنے کے قابل بھی نہیں ہے۔

یہ بھی ایک عجیب بات ہے کہ زید بن سلیم، ضحاک بن ایمن، ضحاک بن عبدالرحمٰن اور عبدالرحمن بن عرزب سے ابن ماجہ کے علاوہ کسی محدث نے روایت نہیں لی اور نہ اس روایت کو ابن ماجہ کے علاوہ کسی نے نقل کیا۔ اور حافظ مزی فرماتے ہیں جو روایت صرف ابن ماجہ نقل کریں اور وہ کسی اور کتاب میں نہ ہو وہ یقیناً منکر ہے۔ اس روایت کو حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہنا اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صریح تہمت ہے۔ اس کا تو بیان کرنا بھی حلال نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کسی شے کو بیان کرنے سے قبل دو باتوں کا حکم دیا ہے۔

اول یہ کہ بات سچی ہو، دوئم یہ کہ اسے انسان جانتا ہو۔ارشاد ہے:

﴿إِلَّا مَن شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ﴾ (سورہ زخرف:۸۶)

''مگر جو لوگ حق کی شہادت دیں اور وہ علم بھی رکھتے ہوں''

اور چونکہ ہم جانتے ہیں کہ اس روایت کے راوی نا قابل اعتبار ہیں۔اس لیے اس کے حق ہونے کا سوال بھی پیدا نہ ہوتا۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی روایت

اس سلسلہ کی اور روایت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی جانب منسوب کی جاتی ہے۔جس کے الفاظ حسب ذیل ہیں:

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔اللہ تعالیٰ نصف شعبان کی شب میں آسمان دنیا کی جانب نزول فرما ہوتا ہے اور مشرک اور کینہ پرور کے علاوہ ہر شخص کی مغفرت فرماتا ہے۔''

یہ روایت کتب حدیث میں قطعاً نہیں پائی جاتی جبکہ ابن عدی نے اس روایت کو اپنی ''کامل'' میں نقل کر کے اسے منکر قرار دیا ہے۔

یہ بھی یاد رہے کہ ابن عدی کی ''کامل'' حدیث کی کوئی کتاب نہیں۔بلکہ یہ علم رجال کی ایک مسلمہ کتاب ہے۔علم الرجال وہ فن ہے جس میں حدیث کے راویوں کے حالات بیان کئے جاتے اور ان کی ذات اور ان کی روایات پر بحث کی جاتی ہے۔یہ ایک ایسا فن ہے جو دنیا کی دیگر اقوام میں قطعاً نہیں پایا جاتا۔گویا یہ انسانوں کی انسائیکلو پیڈیا ہے۔اس کی وضع کا سہرا محدثین کرام کے سر ہے۔اور سب سے پہلے اس فن پر تصنیف امام یحی بن سعید القطان نے فرمائی۔جن کی وفات ۱۹۵ھ میں ہے۔اس سے قبل یہ فن زبانی طور پر دور صحابہ سے جاری تھا۔اسی فن کے ذریعہ روایت کی صحت وضعف کا حکم لگایا جاتا ہے۔اس فن پر سینکڑوں کتابیں تصنیف کی گئیں۔ان مصنفین نے اپنی اپنی تصنیفات میں خاص خاص موضوعات کو پیش نظر

رکھا ہے۔بعض حضرات نے ہمہ قسم کے راویوں کے حالات بیان کیے۔ جیسے طبقات ابن سعد۔بعض حضرات نے صرف ثقہ راویوں کے حالات اپنی کتاب میں جمع کئے۔مثالاً ابن حبان کی کتاب الثقات۔ بعض حضرات نے صرف ایک شہر کے راویوں کے حالات جمع کیے اوران پر بحث کی۔جیسے خطیب بغدادی کی تاریخ بغداد۔

بعض حضرات نے صرف ضعیف راویوں کے حالات جمع کئے، اوران کی روایات پر تنقید کی۔ان حضرات نے صرف وہ روایات نقل کیں جن کے باعث اس کے راوی کو نا قابل اعتبار قرار دیا گیا۔ یا اس پر تنقید کی گئی تھی۔اس قسم کی کتابیں بہت ہیں۔مثلا **الجرح و التعدیل لابن ابی حاتم۔ کتاب الضعفاء للعقیل۔ کتاب الضعفاء للبخاری، کتاب الضعفاء لابن حبان اورالکامل لابن عدی** وغیرہ ان کتابوں سے کسی روایت کونقل کرنا اور پھر دلیل میں پیش کرنا قوم کوصریح دھوکہ دہی ہے۔کیونکہ یہ مصنفین اپنی اس قسم کی کتابوں میں کوئی صحیح حدیث نقل نہیں کرتے۔ بلکہ ایسی روایت نقل کرتے ہیں جوان کے نزدیک، موضوع،منکراورضعیف ہوتی ہے۔وہیں اس روایت کو پیش کرکے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ جوراوی ایسی نا قابل اعتبار اورمردودروایت نقل کرتا ہے۔وہ کیسے قابل قبول ہوسکتا ہےلہٰذااس راوی کی روایت قبول نہ کی جائے۔افسوس کہ آج اس قسم کی روایات کو مذہبی دلیل کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔شب براءت کی جتنی روایات ہیں ان سب کوابن عدی نے نقل کرکے منکرقرار دیا ہے۔ذہبی کی میزان الاعتدال اسی کامل کا خلاصہ ہے۔جس کے حوالے ہم نے جگہ جگہ پیش کیے ہیں۔

ابن عدی اورذہبی نے روایت عبدالملک کے حالات میں نقل کی اوراس روایت کومنکرقرار دیا۔اور لکھا کہ امام بخاری کہتے ہیں۔اس راوی کی روایات پراعتراض ہے۔ابن حبان کہتے ہیں یہ ایسی روایات بیان کرتا ہے۔جس کی تائید کوئی اورنہیں کرتا۔یعنی اس کی روایات خود ساختہ ہیں۔(میزان ج/۲، ص/۶۵۹)

اس روایت کے علاوہ اس عبدالملک کا ذکرکسی اورروایت میں کہیں نہیں ملتا۔جس سے یہ ثابت ہوتا

ہے کہ یہ شخص غیر معروف ہے۔

یہ بھی ذہن میں رہے کہ جس دور میں یہ کتابیں تصنیف کی گئی اس دور میں ہر شخص کم وبیش روایت کی حیثیت سے واقف تھا۔ کیونکہ ایک ایک وقت میں ہزاروں ائمہ اور حافظ الحدیث موجود تھے۔ اوران کے لاکھوں شاگرد تھے بلکہ بعض آئمہ کے درس حدیث میں ستر ہزار کے قریب طالب علم موجود ہوتے۔ بعض حضرات کے یہاں تو آواز پہچانے کے لیے مکبر کھڑے کیے جاتے ہیں۔ اس لیے یہ محدثین کسی روایت پر تفصیلی بحث نہ کرتے۔ بلکہ اس کے ضعف کی جانب اشارہ کر کے آگے بڑھ جاتے کہ لوگ خود سمجھ لیں گے۔ ساتھ ہی ساتھ یہ حضرات ہمارے دور کے علماء کی طرح ضعف پرست بھی نہ تھے۔ اس لیے اشارہ بھی ان کے یہاں بڑی حیثیت رکھتا تھا۔ ابن عدی نے اپنی کتاب میں جب جب روایات کو منکر قرار دیا ہے ان میں سے ایک روایت بھی ایسی نہیں بعد کے کسی محدث نے صحیح کہا ہو۔ جو ان کے اس فن میں یکتا ہونے کی دلیل ہے۔ اسی طرح ابن عدی کی کتاب کا خلاصہ لکھنے والے امام ذہبی کا حال ہے کہ جس حدیث کو وہ صحیح کہہ دیں وہ یقیناً صحیح ہوتی ہے اور جسے وہ ضعیف کہہ دیں اس کی صحت کا دور تک بھی احتمال نہیں ہوتا۔ اور جس روایت کے بارے میں وہ کہہ دیں میں اسے نہیں جانتا وہ بازاری گپ ہے۔

فن رجال میں ابن عدی، ابو حاتم، ابو زرنہ، بخاری، نسائی، یحی بن سعید القطان، اور عبد الرحمن بن مہدی کا وہی مقام ہے جو فقر میں مالک شافعی اور ابو حنیفہ وغیرہ کا ہے۔ بعض اوقات یہ حضرات کسی روایت پر جرح مختلف مقامات پر کرتے ہیں مثلا اوپر حضرت موسیٰ اشعریؓ کی حدیث گزری ہے اس میں عبد اللہ بن لہیعہ، ضحاک بن ایمن، زید بن سلیم، ضحاک بن عبد الرحمان اور عبد الرحمن بن عرذب پر ہر ایک کے نام کے ساتھ علیحدہ جرح کی ہے۔ اس طرح اس روایت پر جرح پانچ مقامات پر ہوئی۔ یہ جرح یکجا موضوعات کی کتابوں میں ملتی ہے۔

ابن ابی عدی نے اس کی سند اس طرح بیان کی ہے۔ کہ مجھ سے یہ روایت عمرو بن الحارث نے بیان کی اس نے عبد الملک بن عبد الملک سے سنی۔ عبد الملک کا حال اوپر گزر چکا ہے۔ ان عمرو بن الحارث کے

بارے میں فرماتے ہیں یہ کوئی معروف شخص نہیں ۔اوراس سے اسحاق بن ابراہیم زہریق اوراس کی باندی علوہ کے علاوہ کوئی حدیث روایت نہیں کرتا۔ میزان ج ر ۳،ص ر ۲۵۱) گویا یہ راوی بھی قابل اعتماد نہیں۔

عبدالملک بن عبدالملک نے یہ روایت مصعب بن ابی ذئب سے نقل کی ہے۔ یہ کون حضرت ہیں مجھے ان کا حال آج تک معلوم نہیں ہوسکا، نہ عدی نے اس کا تذکرہ کیا۔ نہ ذہبی نے نہ بخاری نے، نہ نسائی نے اور نہ حافظ ابن حجر نے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ اس زمیں سے تعلق نہیں رکھتا تھا۔ اس طرح یہ روایت انتہائی شدید ضعیف ہوئی۔

مصعب بن ابی ذئب نے یہ روایت قاسم بن محمد سے نقل کی ہے۔ قاسم مدینہ کے بہت بڑے امام، حضرت عائشہؓ کے بھتیجے اور حضرت ابوبکرؓ کے پوتے، جعفر بن محمد کے نانا اور باقر کے خسر ہیں۔ ان کی ذات شک وشبہ سے پاک ہے۔ لیکن یہ روایت ان کی جانب جو منسوب کی گئی ہے وہ غلط ہے۔ تینوں راویوں نے انہیں بدنام کرنے کی کوشش کی ہے۔

اس کا ثبوت جہاں تینوں راویوں کا نا قابل اعتبار ہونا ہے۔ وہاں ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ ان راویوں کا دعویٰ ہے کہ قاسم نے یہ روایت اپنے والد محمد بن ابی بکر سے نقل کی۔ حالانکہ قاسم نے اپنے باپ کو دیکھا بھی نہیں۔ کیونکہ قاسم ۳۶ھ میں پیدا ہوئے اوران کا باپ محمد ۳۷ھ میں مارا گیا۔ کیا قاسم نے ایک سال کی عمر میں یہ روایت سن لی تھی؟

پھران راویوں نے یہ بھی بیان کیا کہ محمد بن ابی بکر نے یہ روایت اپنے والد سے نقل کی ہے۔ اول تو یہ محمد قطعاً اس قابل نہیں کہ اس کی روایت قبول کی جائے۔ اس لیے کہ یہ وہ ہستی ہے جس نے حضرت عثمان غنیؓ کے خلاف مصر میں زہر پھیلایا۔ پھر حضرت عثمانؓ کے گھر کا محاصرہ کیا اوران کی داڑھی پر ہاتھ ڈالا۔ اس کا شمار قاتلین عثمانؓ میں ہوتا ہے۔ ایسے شخص کی روایت کیسے قبول کی جاسکتی ہے؟ یہ تو تاریخ کی ایک بدنام ہستی ہے۔

رہا یہ دعویٰ کہ محمد نے اپنے والد سے یہ روایت سنی ہے یہ بھی بے پر کی گپ ہے۔ کیونکہ صحیح مسلم، سنن

ابی داؤد اور ابن ماجہ میں حضرت جابر بن عبداللہؓ کا بیان ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ۴ ر ذی الحجہ ۱۰ھ کو حج کے ارادے سے چلے۔ پہلی منزل ذوالحلیفہ ہیں ہوئی۔ وہاں پہنچ کر ابوبکرؓ کی بیوی اسماء بنت عمیس کے یہاں محمد نامی لڑکا پیدا ہوا۔ اور حضرت ابوبکرؓ کی وفات ۲۳ ر جمادی الثانی ۱۳ھ میں ہوئی۔ اس لحاظ سے جب ابوبکرؓ کی وفات ہوئی تو محمد کی عمر دو سال چھ ماہ اٹھارہ دن تھی۔ اس عمر میں حدیث سننا خلاف عقل ہے۔ اس قسم کی کہانیاں صوفیاء کے یہاں تو ضرور قبولیت حاصل کر سکتی ہیں لیکن محدثین وفقہا اور مؤرخین کے نزدیک اس کی حیثیت ایک سپید جھوٹ سے زیادہ نہ ہوگی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے نام سے کھلا جھوٹ ہے۔

شعبان میرا مہینہ ہے

اس سلسلہ کی ایک بازاری روایت جو زبان زد عام ہے۔ اس کے الفاظ ہیں:

رجب شهر الله و شعبان شهری و رمضان شهر امتی

''رجب اللہ کا مہینہ، شعبان میرا مہینہ اور رمضان میری اُمت کا مہینہ ہے۔''

یہ ایک طویل روایت کا ابتدائی ٹکڑا ہے جو تقریباً دو صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں رجب کے ایک دن کے روزوں کی فضلیت کا ذکر ہے اور اسی روایت میں صلاۃ الرغائب کا ذکر ہے۔ جو رجب کے پہلے جمعہ کی شب میں پڑھی جاتی ہے۔ اس روایت کے اگلے الفاظ ہیں:

لا تغفلوا عن اول جمعة من رجب فانها ليلة تسميها الملائكة الرغائب

''رجب کے پہلے جمعہ کی شب سے غافل نہ رہو کیونکہ یہ وہ رات ہے جس کا نام فرشتوں نے رغائب رکھا ہے۔''

ملا علی قاری حنفی نے ''موضوعات کبیر'' میں ابن جوزی نے اپنی ''الموضوعات'' میں ابن عبراق الکنانی نے ''التنزیہ الشریعہ فی أحادیث الموضوعة'' میں سخاوی نے ''المقاصد الحسنة''

میں جلال الدین سیوطی نے ''اللآلی المصنوعة فی أحادیث الموضوعه'' میں اور محمد طاہر پٹنی نے ''تذکرۃ الموضوعات'' میں اس کی وضاحت کی ہے کہ یہ روایت قطعاً من گھڑت ہے۔اس کی پوری سند میں کوئی راوی ایسا نہیں جس کا عالم دنیا میں کوئی وجود ہو۔اس کا واضع صوفی علی بن عبداللہ بن جہضم ہے۔جس کا انتقال ۴۱۰ھ میں ہوا۔ جو''بھجة الاسرار'' کا مصنف ہے۔ابن جوزی، ابن قیم، سیوطی، سخاوی، ابن عراق الکنانی، حافظ عراقی، مقدسی، جزری اور محمد طاہر پٹنی لکھتے ہیں کہ جتنی روایات بھی ماہ رجب یا اس کے روزوں کی فضیلت میں مروی ہیں سب موضوع ہیں ۔ (موضوعات کبیر ص ر ۱۶۴، اللالی المصنوعہ فی احادیث الموضوعہ ج ر ۱۰،ص ر ۵۶ ۔تذکرۃ الموضوعات ص ر ۴۴) سا مام نووی صحیح مسلم کی شرح میں ایک حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں ۔اللہ تعالیٰ اس روایت کے گھڑنے والے کو تباہ کرے ۔ائمہ فقہا و محدثین نے اس روایت کی تردید میں اتنی کتابیں تصنیف فرمائی ہیں جو حد وشمار سے باہر ہیں ۔(افسوس کہ وہ کتاب آج ہمیں دستیاب نہیں)

یہ تمام بحث امام نووی صحیح مسلم اور نسائی کی اس حدیث کے تحت کر رہے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ جمعہ کے دن کو روزوں کے لیے مخصوص نہ کرلو، اور نہ جمعہ کی رات کو کسی عبادت کے لیے مخصوص کرو اور یہ صلاۃ الرغائب رجب کے پہلے جمعہ کی رات کی شب میں پڑھی جاتی ہے۔

اسی طرح چلہ کشوں کے یہاں چلہ کشی اور مختلف عملوں کی ابتدا جمعہ کی شب سے ہوتی ہے۔اسی لیے اسے نوچندی جمعرات کہا جاتا ہے۔ یہ تمام طبقے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کے دشمن ہیں اور اسلام کے نام سے خرافات پھیلا رہے ہیں۔تبلیغی جماعت والوں کے یہاں بھی اجتماع جمعہ کی شب میں ہوتا ہے۔اسی لیے اہل کراچی اس شب مکی مسجد بھاگتے ہیں۔

اب تمام محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ اس روایت کا گھڑنے والا علی بن عبداللہ بن جہضم ہے۔ جو ابن جہضم کی کنیت سے مشہور ہے۔ ذہبی اس کے حال میں لکھتے ہیں ۔اس کی کینت ابوالحسن ہے جو حرم مکہ کا مجاور تھا اور بعد کے صوفیاء کا شیخ تصور کیا جاتا ہے۔اس نے ''بہجۃ الاسرار'' نامی کتاب تصنیف کی۔اس پر

حدیثیں گھڑنے کا الزام ہے۔ابوخیرون کہتے ہیں محدثین نے اس پر اعتراضات کیے ہیں۔اور بعض محدثین کہتے ہیں یہ کذاب ہے اور اس پر تو سب کا اتفاق ہے کہ اس روایت اور اس نماز کا واضع یہی ہے۔(میزان ج/۲،ص/۱۴۲)

محدثین کے نزدیک ابن جہضم کذاب ہے اور دل سے روایات گھڑ کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب منسوب کرتا ہے۔اس کی کتاب انہی خرافات کا مجموعہ ہے۔لیکن صوفیاء کے یہاں یہ کتاب سبقاً پڑھائی جاتی ہے۔ اور اس کے مطالعہ کی تلقین کی جاتی ہے۔پیران پیر اس کتاب کو سبقاً پڑھاتے تھے اور غنیۃ میں اس کی متعدد روایات بھی نقل کی گئی ہیں۔بعد میں صوفیاء نے جتنی کتابیں لکھیں سب نے اس کتاب سے استفادہ کیا۔احیاء العلوم اور کیمیائے سعادت وغیرہ میں بھی اسی کتاب کی کرامات نظر آتی ہیں۔اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ہر شر سے محفوظ رکھے۔

یہ بھی ذہن میں رہے کہ ابن جہضم نے یہ روایت حمید بن انس کی جانب منسوب کی ہے اور کہتا ہے کہ حمید نے اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کیا ہے۔حالانکہ حمید بن انس نامی نہ تو کوئی صحابی گزرا ہے نہیں کوئی تابعی۔باقی روایات شب براءت مجہول ہیں۔ممکن ہے کہ وہ بھی سب صوفی ہوں۔

بعینہ یہی روایت حضرت ابوسعید خدریؓ کی جانب بھی منسوب کی جاتی ہے۔لیکن اس کا ایک راوی کسائی ہے۔ابن جوزی،سیوطی،ابن عراق الکنانی اور محمد طاہر پٹنی اسے بھی موضوع قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ کسائی کذاب ہے اور اس میں واضح عیب یہ ہے کہ کسائی نے دعویٰ کیا ہے کہ ابوسعید خدریؓ سے اسے علقمہ نے روایت کیا ہے،حالانکہ امام علقمہ نے حضرت ابوسعید خدریؓ سے کوئی حدیث روایت نہیں کی۔

ایک دعا

شیخ جیلانی نے اپنی کتاب ''غنیتہ الطالبین'' میں حضرت انسؓ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ جب ماہ رجب شروع ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ دعا فرماتے ہیں:

اللھم بارک لنا فی رجب و شعبان و بلغنا رمضان (غنیۃ الطالبین ترجمہ ج ۱، ص ۶۵۳)

''اے اللہ ہمارے لیے رجب وشعبان میں برکت فرما اور ہمیں رمضان تک پہنچا۔''

اس روایت کی تحقیق سے قبل حدیث کا ایک اصول ذہن نشین کر لیجئے۔ کہ اصول حدیث کی رو سے صرف وہی روایت قابل قبول ہوتی ہے جس کی مصنف نے پوری سند بیان کی ہو، یعنی اپنے دور سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور تک تمام راوی بیان کئے ہوں اور وہ سب ثقہ ہوں، ان کا حافظہ بھی قوی ہو اور ہر ایک کا دوسرے سے حدیث سننا بھی ثابت ہو۔ ان میں سے ہر راوی کو نہ تو مغالطہ ہوتا ہو، نہ اس میں وہم کا مادہ زیادہ ہو اور نہ ان میں سے کسی پر محدثین نے جرح کی ہو۔ یہ صحت کا پہلا معیار ہے جو روایت اس معیار پر پوری نہ اترے وہ اس قابل نہیں کہ اس کی جانب توجہ دی جائے۔ حتی کہ محدثین اس پر بھی متفق ہیں کہ اگر مسلمہ تابعی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان نقل کرے اور درمیان سے صحابی کا نام ترک کر دے جس سے اس نے یہ حدیث سنی ہے تو یہ روایت بھی قابل قبول نہیں، کیونکہ ممکن ہے کہ اس نے یہ حدیث صحابی سے نہ سنی ہے بلکہ جس سے سنی ہو وہ نا قابل اعتبار ہو۔ ایسی روایت جس میں صرف صحابی کا تذکرہ نہ ہو۔ محدثین کی اصطلاح میں مرسل کہلاتی ہے اور مرسل روایت قابل قبول نہیں۔ حتی کہ محدثین نے تصریح کی ہے کہ امام مجاہد، امام عطا بن ابی رباح، امام حسن بصری، امام زہری اور امام سفیان بن عینیہ کی مرسلات بھی کوئی حیثیت نہیں رکھتیں۔ حالانکہ یہ سب پہلی صدی میں پیدا ہوئے تھے اور ان میں سے اکثر نے اپنی آنکھوں سے صحابہؓ کو دیکھا ہے۔ ان کا عہد دور رسالت سے بہت قریب ہے۔ بلکہ آئمہ کسی صحابی سے حدیث روایت کریں جس سے ان کی ملاقات نہ ہوئی ہو تو وہ بھی قابل قبول نہیں۔ مثلاً حسن بصریؒ، حضرت علیؓ، عبداللہ بن عمرؓ، ابو ہریرۃؓ، جابر بن عبداللہؓ اور عبداللہ بن عباسؓ سے حدیث روایت کریں تو وہ قابل قبول نہیں۔ کیونکہ حسن نے ان سے ملاقات نہیں کی۔ یقیناً درمیان سے راوی چھوڑا گیا ہے۔ جب ایک راوی کے چھوٹ جانے سے روایت قابل قبول نہیں رہتی تو اُس روایت کا کیا درجہ ہوگا جس میں پورے پانچ سو سال کے راوی چھوڑ دیے جائیں، وہ تو بے پر کی گپ ہوگی۔

شیخ جیلانی نے اس روایت کی کوئی سند بیان نہیں کی اور پورے پانچ سوسال کے راوی چھوڑ دیے جو کم ازکم بارہ تیرہ ہونے چاہییں تھے۔ اس قسم کی روایت کے جھوٹ ہونے میں کیا شک وشبہ کیا جاسکتا ہے۔

امام مسلم نے صحیح المسلم کے مقدمہ میں امام یحی سعید القطان المتوفی ۱۹۸ھ کا قول نقل کیا ہے۔ کہ ہم نے ان نیک لوگوں سے زیادہ حدیث میں جھوٹا کسی کونہیں پایا۔ پھرامام مسلم اس کی اپنے الفاظ میں اس طرح وضاحت کرتے ہیں:

لا یتعمدون الکذب بل یجری علی لسانھم۔ (مسلم ج ۱/ص ۱۴)

''یہ لوگ اگرچہ عمداً جھوٹ نہ بولتے تھے بلکہ لاعلمی کے باعث انکی زبانوں پر ہر وقت جھوٹ جاری رہتا۔''

گویا نیک، عابد، زاہد، متقی اور پرہیزگا ہونا اس بات کی دلیل ہے چونکہ اس کی تمام تر توجہ عبادت کی جانب مبذول ہوتی ہے اور علم حدیث سے شغف کم ہوتا ہے۔ لہٰذا ہر سنی سنائی گپ کو حدیث تصور کر کے بیان کرنے لگتا ہے۔ اس طرح اس کی زبان پر ہمہ وقت جھوٹ جاری رہتا ہے۔ گویا زیادہ نیک ہونا اور لاعلمی میں جھوٹ بولنا لازم وملزوم ہیں۔

اسی قسم کا معاملہ غنیۃ الطالبین، منہاج العابدین اور احیاء العلوم وغیرہ میں نظر آتا ہے۔ بلکہ تصوف کی تمام کتابوں کا یہی حال ہے۔ اور اسلام سے جہالت کا اصل سبب اسی قسم کی کتابیں ہیں۔ جنہوں نے اسلام کی ہیئت ہی تبدیل کردی ہے۔

شیخ صاحب نے اس روایت کو ہبۃ اللہ السقطی سے نقل کیا ہے جس کا انتقال ۵۰۹ھ میں ہوا۔ اور وہ یہ روایت حضرت انسؓ سے نقل کررہا ہے جس کی وفات ۹۳ھ میں ہوئی۔ ان دونوں کے درمیان چارسوسولہ سال کا فاصلہ ہے۔ درمیان کے راوی کہاں گئے؟ ہمارے نزدیک یہ سب ہبۃ اللہ کھا گیا کیونکہ ہبۃ اللہ محدثین کے نزدیک کذاب ہے۔ حافظ ابن حجر ''تبیین العجب بما ورد في رجب'' اور ابن عراق الکنانی

''التنزیہ الشریعۃ فی احادیث الموضوعۃ'' میں فرماتے ہیں:

ھبۃ اللہ السقطی فھی الآفۃ۔ (التنزیہ الشریعہ ج/۱،ص/۱۶۰)

''ہبۃ اللہ السقطی تو ایک آفت ہے۔''

ابن ناصر کہتے ہیں:

لیس بثقۃ و ظھر کذبہ۔ (التنزیہ الشریعہ ج/۱،ص/۱۲۳)

''یہ ثقہ نہیں اس کا جھوٹ ظاہر ہو چکا ہے۔''

ذہبیؒ لکھتے ہیں اس ہبۃ اللہ کی کنیت ابوالبرکات ہے۔ اس نے حصول حدیث کے لیے اصبہان وغیرہ کا سفر کیا اور مختلف لوگوں سے روایت سنیں جنہیں اس نے اپنی کتاب ''المعجم'' میں جمع کیا۔ ابن السمعانی لکھتے ہیں کہ اس نے اس کتاب میں بہت سی روایات کے بارے میں یہ دعویٰ کیا ہے کہ اس نے یہ روایات ابومحمد الجوہری سے سنیں اور انہیں پڑھ کر سنائی۔

ابن السمعانی کہتے ہیں یہ قطعا محال ہے۔ کیونکہ ہبۃ اللہ کی اتنی عمر نہیں ہوئی کہ وہ ان سے ملاقات کر سکتا۔ (میزان ج/۴،ص/۲۹۲)

حافظ ابومحمد الجوہری کا انتقال ۲۴۷ھ میں ہوا۔ ہبۃ اللہ ان سے حدیث اسی وقت سن سکتا تھا جب اس کی عمر تین سو سال کے قریب ہوتی۔ اس کا حال رتن ہندی کی طرح ہے۔ جس نے آٹھویں صدی میں یہ دعویٰ کیا کہ میں نے حضرت انسؓ سے احادیث سنی ہیں۔ دراصل ان صوفیاء نے احادیث رسول کو جھوٹوں کا اکھاڑہ بنالیا ہے، کہ کون زیادہ جھوٹ بولتا ہے۔ یہ بھی اللہ کا ایک شکر ہے کہ اس ہبۃ اللہ کی کتاب آج دنیا سے ناپید ہے ورنہ مزید دردسری پیدا ہوتی۔ اگرچہ شیخ صاحب نے شاگردی کا حق ادا کرتے ہوئے اسکے مختلف ہذیانیات کو اپنی کتاب میں نقل کیا ہے۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ غنیۃ کا ایک تہائی حصہ اسی ہبۃ اللہ کی کرم فرمائی کا نتیجہ ہے تو یہ بے جا نہ ہوگا۔

حضرت انسؓ کی ایک روایت

شیخ عبدالقادر جیلانی نے غنیۃ الطالبین میں حضرت انسؓ کے واسطے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ روایت نقل کی ہے:

فضل رجب علی سائر الشھر و کفضل القرآن علی سائر الکلام و فضل شعبان علی سائر الشھور لفضلی علی سائر الانبیاء و فضل رمضان علی سائر الشھور کفضل اللہ علی سائر الخلق (غنیۃ ج/۱۔ص/۶۸۰)

''رجب تو تمام مہینوں پر ایسی ہی فضیلت حاصل ہے جیسے قرآن کو تمام کلاموں پر، شعبان کو تمام مہینوں پر ایسی فضیلت حاصل ہے جیسے مجھے تمام انبیاء پر اور رمضان کو تمام مہینوں پر ایسی فضیلت حاصل ہے جیسے اللہ کو تمام مخلوق پر۔''

ملا علی قاری حنفی المتوفی سن ۱۱۴ھ اور علامہ عبدالرحمن بن علی الشیبانی فی الاثری اپنی اپنی کتابوں میں تحریر فرماتے ہیں:

قال ابن حجر انہ موضوع (موضوعات کبیر ص/۸۵)

''حافظ ابن حجر فرماتے ہیں یہ موضوع ہے۔''

(تمیز الطیب من الخبیث فی مایدر علی السنتہ الناس من الحدیث ص/۱۱۳)

امام سخاوی المتوفی ۹۰۲ھ اپنی کتاب ''المقاصد الحسنہ فی بیان کثیر من الاحدیث المشتہرہ علی الالسنۃ'' میں فرماتے ہیں:

قال شیخنا انہ موضوع (المقاصد الحسنہ ص/۲۹۹)

''ہمارے استاد کہتے تھے یہ موضوع ہے۔''

شیخ عبدالقادر جیلانی نے اس روایت کو بھی اسی ہبۃ اللہ الکذاب سے نقل کیا ہے۔

یہ بھی عجب اتفاق ہے کہ ۵۱۱ھ تک تاریخ میں ہبۃ اللہ نامی پانچ اشخاص گزرے ہیں، اوران میں سے ایک بھی ایسا شخص نہیں جو قابل اعتماد ہو۔ ایک ہبۃ اللہ بن الحسن بن مظفر ہے۔ اس کے بارے میں ابن نقطہ کہتے ہیں یہ بلحاظ دین بدترین انسان تھا۔ ایک ہبۃ اللہ بن شریک الحاسب ہے۔ ابن السمعانی کہتے ہیں اس کے برے ہونے پر سب کا اتفاق ہے۔ ایک ہبۃ اللہ بن مزنی الموصلی ہے۔ یہ مجہول شخص ہے۔ ایک ہبۃ اللہ بن المبارک الدوانی یہ کٹر رافضی اور معتزلی تھا۔ اس کا انتقال ۵۱۱ھ میں ہوا۔ اور ایک ہبۃ اللہ بن المبارک السقطی ہے۔ جس کی روایات غنیّۃ میں پائی جاتی ہیں اور یہ کذاب ہے۔ اس کا انتقال ۵۰۹ھ میں ہے۔

شب براءت کا روزہ

لوگوں میں پندرہ شعبان کا روزہ رکھا جاتا ہے۔ جسے شب براءت کا روزہ کہتے ہیں۔ حالانکہ شب کے معنی رات کے ہیں اور روزہ دن میں رکھا جاتا ہے یہ ایسی ہی حماقت ہے جیسے پنج شنبہ کو جمعرات کہتے ہیں، حالانکہ وہ دن کا نام ہے، یا جیسے پیر پیران کو پیران پیر بولتے ہیں۔ لوگوں میں ایسی حماقتیں عام ہیں۔

اس روزے سے متعلق ایک روایت ابن ماجہ اور ابن حبان میں حضرت علیؓ سے مروی ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

> ''جب نصف شعبان ہو، تو قیام کرو اور دن میں روزہ رکھو، کیونکہ اللہ تعالیٰ اس شب میں غروب آفتاب کے وقت آسمان دنیا پر نزول فرما ہوتا ہے۔ اور فرماتا ہے، ہے کوئی استغفار کرنے والا کہ میں اس کی مغفرت کردوں۔ ہے کوئی رزق طلب کرنے والا کہ میں اسے رزق دوں، ہے کوئی مبتلائے مصیبت کہ میں اسے عافیت دوں، اسی طرح صبح صادق تک ہوتا رہتا ہے۔''

اس روایت کا ایک راوی ابوبکر بن عبداللہ بن ابی سیرۃ المدنی ہے۔ جو از حد نا قابل اعتبار ہے۔ حافظ ابن حجر تقریب التہذیب میں لکھتے ہیں۔ محدثین نے اسے واضع حدیث قرار دیا ہے۔ (تقریب التہذیب

ص/۳۹۶) نسائی لکھتے ہیں یہ متروک الحدیث ہے۔ (کتاب الضعفاء للنسائی ص/۱۱۵) بخاری کہتے ہیں ضعیف ہے۔ (کتاب الضعفاء للبخاری ص/۱۲۴)

ابن عدی کامل میں اور ذہبی میزان الاعتدال میں فرماتے ہیں یہ روایت منکر ہے۔ امام احمد کا قول ہے کہ یہ ابوبکر بن عبداللہ احادیث گھڑا کرتا تھا۔ یحیٰ بن معین کہتے ہیں یہ کچھ نہیں۔ یہ شخص پہلے شیعہ تھا۔ نفس ذکیہ کے ساتھ مل کر اس نے خلیفہ منصور کے خلاف بغاوت کی۔ بغاوت کی ناکامی کے بعد یہ قید کر دیا گیا۔ تقریباً چھ ماہ بعد مدینہ کے کچھ غلاموں نے قید خانے پر حملہ کر کے قیدیوں کو آزاد کر دیا۔ جس میں یہ بھی آزاد ہوا۔ آزاد ہوتے ہی مسجد کے منبر پر چڑھ گیا اور خلیفہ منصور کی تعریف میں فرضی روایات سنانی شروع کر دیں۔ جس پر منصور نے خوش ہو کر اسے قاضی بنا دیا۔ (میزان الاعتدال ج/۴، ص/۵۰۳)

علامہ ابوالحسن سندھی اپنی ابن ماجہ میں اور الھیثمی مجمع الزوئد میں لکھتے ہیں کہ امام احمد اور امام یحیٰ بن معین فرماتے ہیں یہ احادیث وضع کیا کرتا تھا۔ اس لیے حدیث موضوع ہے۔ ابن جوزی نے بھی اسے موضوع قرار دیا ہے اور یہ روایت ابن ماجہ کی موضوعات میں شمار ہوتی ہیں۔

اس ابن ابی سبرۃ سے روایت نقل کرنے والا عبدالرزاق بن ہمام ہے۔ اگرچہ یہ حدیث کا امام تسلیم کیا جاتا ہے۔ لیکن محدثین کا اتفاق ہے کہ یہ رافضی ہے۔ اور آخر عمر میں اس کے دماغ نے جواب دے دیا تھا۔ جس کی وجہ سے روایات میں غلط روایات شامل ہو گئیں۔ امام احمد فرماتے ہیں اسے سنی سنائی گپ زیادہ پسند تھیں۔ (میزان ج/۲، ص/۶۰۸)

ان روایات میں جس نزول الٰہی کا بار بار ذکر ہو رہا ہے۔ وہ کسی رات کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ یہ نزول ہر رات تہجد کے وقت ہوتا ہے۔ ان صوفیاء نے اسے ایک رات کے ساتھ مخصوص کر کے لوگوں کو تہجد کی نعمت سے محروم کر دیا اور اس طرح اسلام کو فائدے کے بجائے نقصان پہنچایا۔ صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ینزل ربنا تبارک و تعالی کل لیلۃ الی السماء الدنیا عین یبقی ثلث اللیل الاخر

یقول من یدعو نی فاستجیب له من یسالنی فاعطیه من یستغفر نی فاغفر له

(بخاری ج/۱ص/ ۱۵۳اور مسلم ج/۱ص/ ۶۵۸اور ابن ماجہ ترجمہ ج/۱ص/ ۴۰۴)

''ہمارا پروردگا تبارک وتعالی ہر رات آسمان دنیا کی جانب نزول فرماتا ہے۔جبکہ تہائی رات باقی رہ جاتی ہے اور فرماتا ہے کون ہے جو پکارے کہ میں اس کی دعا قبول کروں،کون ہے جو استغفار کرے کہ میں اس کی مغفرت کروں۔''

یہ حدیث اکثر کتب احادیث میں متعدد سندات سے مروی ہے اور اس کی صحت میں کوئی شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔صوفیاء نے موضوع روایات پھیلا کر عوام کو تمام سال کی عبادت سے محروم کر دیا،اور عوام اس ایک رات پر بھروسہ کر کے بیٹھ گئے۔حالانکہ اگر پابندی سے تہجد کی نماز ادا کی جائے تو یہ رات خود بخود اس میں داخل ہو جائے گی۔

دنیا جانتی ہے کہ لیلۃ القدر رمضان میں ہوتی ہے۔اور اکثر صحابہ اور آئمہ کا اس پر اتفاق ہے۔لیکن جب حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے اس بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا:

انها تدور فی السنة کلها

''وہ تمام سال میں گھومتی رہتی ہے''

اور جب حضرت ابی بن کعبؓ سے ان کے قول کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا۔ عبداللہ نے یہ بات اس لیے کہی تا کہ لوگ اس پر بھروسہ کر کے نہیں بیٹھ جائیں۔اسی لیے امام ابوحنیفہ بھی یہی فرماتے ہیں کہ شب قدر تمام سال گھومتی رہتی ہے۔احادیث صحیحہ سے معلوم ہوتا ہے کہ شب قدر آخر عشرہ میں ہوتی ہے۔اسی لیے ارشاد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔

التمسوها فی العشر الاواخر فی رمضان (مسلم ج/۱ ص/ ۳۶۹)

''رمضان کے آخر عشرے میں اسے تلاش کرو۔''

لیکن افسوس کہ حنفیت کے دعویداروں نے شب قدر کو ستائیس کے ساتھ مخصوص کر کے رمضان کی

راتوں کی شب بیداری سے نجات حاصل کر لی۔اس قسم کے افراد جہاں شریعت کی روح کو فنا کر رہے ہیں وہاں امام ابوحنیفہ کو بھی بدنام کر رہے ہیں۔ یہ سب امام صاحب کے نادان دوست ہیں۔اور شریعت اسلامیہ کی بدنامی کا سبب ہیں۔ یہ چند روایات ہیں جو ہم نے بطور نمونہ پیش کی ہیں۔اگر ہم تمام روایت پیش کر کے اس پر بحث کریں تو ایک تفصیلی کتاب درکار ہوگی۔ ہم نے ہر روایات پر تفصیلی بحث اپنی کتاب ''شب براءت اور اس کی حقیقت'' میں بیان کی ہے۔ جسے دیگر روایات کی تحقیق مطلوب ہو وہ اس کتاب کا انتظار کرے۔

محدثین اور فقہاء کے تبصرے

آخر میں یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آئمہ، محدثین وفقہاء نے شب براءت اور اس کی روایت کے سلسلے میں جو آراء پیش کی ہیں، اور ان روایات پر جو تبصرے کئے ہیں وہ قارئین کی خدمت میں پیش کر دیں، تا کہ قارئین کو یہ اندازہ ہو جائے کہ یہ کوئی ہماری نرالی رائے نہیں۔اگر چہ گزشتہ روایات کے تحت بہت سے محدثین کے اقوال آپ کی نظر سے گزر چکے ہوں گے۔لیکن تاہم ہم ذیل میں چند تفصیلی تبصرے پیش کرتے ہیں۔

علامہ محمد طاہر بن علی الحنفی الپٹنی المتوفی ۹۸٦ھ اپنی مایہ ناز کتاب ''تذکرۃ الموضوعات'' میں رقم طراز ہیں:

فی مختصر حدیث صلاۃ نصف شعبان باطل ولا بن حبان (وابن ماجه) من حدیث علی اذا کان لیلة الینصف من شعبان فقوموا لیلها و صوموا نهاراها ضعیف (و عند احمد بن حنبل و ابن معین وابن الجوزی موضوع و عند ابن عدی والذهبی منکر) و فی اللالی مائة رکعة فی نصفه بالاخلاص عشر مرات مع طول فضله للدیلمی وغیره موضوع و جمهور روانه من الطوف الثلاثة

جُاهیل و ضعیفاء و الحدیث محال و ثنتا عشرة رکعة فیها کل رکعة بالاخلاص ثلاثین مرة موضوع و اربع عشرة رکعة فیها موضوع و فی الذیل حدیث ابی بن کعب ان جبریل اتا فی لیلة النصف من شعبان قال ثم فصل الی ان قال تفتح فیها ابواب السماء و ابواب الرحمة ثلاثا مئة باب الی الصبح فیغفر لجمیع من لا یشرک بالله او غیر مشاحن او عاشر او محدثین من خمر او مصر علی الزنا الی ان قال فخرج رسول الله ﷺ الی بقیع و سجد و تعوذ الخ یبین حاله و اصل الحدیث بلاطول للترمذی، و فی بعض الرسائل قال علی بن ابراهیم و مما احدث فی لیلة النصف الصلاة الالفیة مائة رکعةبالا خلاص عشراً عشراً بالجماعة و اهتموا بها اکثر من الجمع و الا عیاد و لم یات بها خبرو لا اثر الا ضعیف او موضوع و لا بغتر بذکره صاحب القوت والاحیاء وغیرهما (ای غنیته الطالبین) و لا بذکر الثعلبی انها لیلة القدر و کان للعوام بهذه الصلاة افتنان عظیم حتی التزم بمیها کثرة الرترد و ترتیب علیها من النسوق و انتها المحام ما بغنی عن و صفه حتی خشی الا ولیاء من الخسف و هر بدا فیها الی المبوار می و اول حددث هذه الصلوة ببیت المقدس مسندة شان و اربعین و اربع مائة و قال زید بن اسلم (المتوفی ١٣٦ھ) او رکنا احد من مشائخنا و فقهائنا لمیتفتون الی اللیة البراءة و فضلها علی غیرها و قال ابن دهیة احادیث صلوة البراة موضوعة و واحد مقطوع (ای روایة الترمذی) و من عمل بخبو صح انه کذب فهو من خدم الشطان

قال علی بن ابراهیم و قدراینا کثیرا ممن لیصلی هذه الصلوة فی اللیلة القصیرة فیوتهم الفجرو یصبحون کسالی قال و قد جعلها اتمة المساجد مع

صلاۃ الرغائب و نحوھا شب لجمع الحوام و طلب ریاسۃ۔ التقدم و ملا بذکرھا القصاص مجالسھم و کل عن الحق بمزل ۔ ثم انہ تعالٰی اقام ائمۃ الھدی فی سعی البطال الصلاۃ فتلاشی امرھا الی ان صادت تصلی بعا ولھوا و تکامل البطالھا فی البلاد فصربۃ و الشامیۃ فی اوائل سنی المائۃ الثامنۃ

و قد ضعف ابن العوبی حدیث عائشہ و عتقاء النار بعد و شعو غنم کلب۔ قال اعقر عبادہ حدیث عائشہ فی ذھابہ و ترول الرب لیلۃ النصف الی سماء الدنیا فیغفر لا کتر من عدد شعر غنم کلب اخرجہ الترمذی قال و فی الباب عن ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ و سمعت محمد الیضعف حدیث عائشہ قال الترمذی و فیہ انقطاعان (تذکرۃ الموضوعات ص/ ۴۵۔۴۶)

''مختصر میں ہے کہ نصف شعبان کی نمازوں کے بارے میں جتنی روایات ہیں سب باطل ہیں اور ابن حبان (اور ابن ماجہ) کی یہ روایت کہ جب نصف شعبان کی شب ہو تو رات میں قیام کرو اور دن میں روزہ رکھو۔ یہ ضعیف ہے (امام احمد بن حنبل، یحیٰ بن معین اور ابن جوزی کے نزدیک یہ موضوع ہے اور ابن عدی اور ذہبی کے نزدیک منکر ہے) لالی میں ہے نصف شعبان میں سو رکعت نماز، اور ہر رکعت میں دس بار سورۃ اخلاص والی روایت دیلمی نے نقل کی ہے جو موضوع ہے۔ اس کی تین سندات ہیں ۔ جن کے تمام راوی مجہول اور ضعیف ہیں اور حدیث محال ہے۔ اسی طرح بارہ رکعت والی نماز کہ ہر رکعت میں تیس بار قل ہو اللہ اور چودہ رکعت والی نماز سب موضوع ہیں۔

ذیل میں ہے کہ ابی بن کعبؓ کی یہ حدیث کہ نصف شعبان کی شب میں جبریل میرے پاس آئے اور کہا اٹھ نماز پڑھو کیونکہ اس رات میں آسمان اور رحمت کے تین سو دروازے کھولے جاتے ہیں، پھر ہر اس شخص کی مغفرت کی جاتی ہے جو اللہ کے ساتھ شرک

نہ کرتا ہو، نہ کینہ رکھتا ہو نہ عشر لیتا ہو، نہ عادی شرابی ہو، اور نہ زنا پر مصر ہو۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بقیع تشریف لے گئے اور وہاں جا کر سجدہ کیا۔ اس کا حال کسی کتاب میں نہیں ملتا۔ بقیع جانے کی روایت مختصر طور پر ترمذی میں ہے۔ بعض رسائل میں ہے کہ علی بن ابراہیم کا قول ہے کہ نصف شعبان کی رات میں یہ بدعت ایجاد کی گئی کہ سو رکعت نماز پڑھی جاتی۔ ہر رکعت میں دس بار سورہ اخلاص پڑھی جاتی ہے اور یہ نماز جماعت سے پڑھتے ہیں اور اس کا اہتمام عید اور جمعہ سے زیادہ کرتے ہیں۔ اس سلسہ میں کوئی حدیث صحیح یا کسی صحابی و تابعی کا کوئی قول مروی نہیں۔ قوت القلوب اور احیاء العلوم کے مصنفین نے جو روایات نقل کی ہیں ان سے دھوکہ نہ کھانا۔ اسی طرح ثعلبی نے جو تفسیر میں لکھا ہے کہ یہی لیلۃ القدر ہے۔ اس سے دھوکہ نہ کھانا۔ ان نمازوں کے ذریعہ عوام بہت بڑے فتنوں میں مبتلا ہو چکے ہیں۔ اسی وجہ سے کثرت سے چراغاں کیا جاتا ہے اور بھی متعدد فسق و فجور اور ترک فرمات کئے جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ اللہ کے نیک بندے اس خوف سے کہ زمین میں نہ دھنسا دیے جائیں اس رات شہر چھوڑ کر جنگلوں کو چلے جاتے۔ سب سے پہلے یہ نماز بیت المقدس میں ۴۴۸ھ میں جاری کی گئی۔ زید بن اسلم المتوفی ۱۳۶ھ کہتے ہیں ہم نے اپنے اساتذہ اور اپنے دور کے فقہاء میں سے کسی کو نہیں دیکھا کہ وہ لیلۃ البراءت کی جانب کوئی توجہ دیتے یا اسے دیگر روایتوں پر فضیلت دیتے ہیں۔ اور ابن دحیہ کہتے ہیں شب براءت کی نمازوں کے بارے میں جتنی روایات ہیں سب موضوع ہیں۔ ان میں سے ترمذی والی روایت منقطع ہے۔ اور جو شخص ان روایات کو صحیح سمجھ کر ان پر عمل کرے وہ جھوٹ بولتا ہے اور شیطان کا خادم ہے۔ علی بن ابراہیم کا بیان ہے کہ ہم نے بہت سے لوگوں کو یہ سو رکعت والی نماز چھوٹی راتوں میں پڑھتے دیکھا جس کے باعث صبح کی نماز جاتی رہتی ہے اور تمام دن سستی میں گزرتا ہے۔ دراصل مساجد کے اماموں نے صلوٰۃ الرغائب اور اس قسم کی نمازوں کو اپنا مجمع لگانے اور اپنی عزت

بڑھانے کا ایک جال بنا رکھا ہے۔اسی لیے قصہ گوان روایات کا اپنی مجالس میں ذکر کرتے ہیں ۔اسی قسم کے تمام لوگ حق سے دور ہیں ۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ہدایت یافتہ امہ کو اس کی توفیق دی کہ انہوں نے اس قسم کی نمازوں کا باطل ہونا ثابت کیا۔ان کی حقیقت معلوم کی۔ حتی کہ ان کی حیثیت ایک کھیل کود کی رہ گئی۔ پھر آٹھویں صدی کی ابتدا میں مصر اور شام کے علاقوں سے ان کا کلی خاتمہ ہو گیا۔

ابن العربی نے حضرت عائشہؓ کی حدیث کو ضعیف قرار دیا جس میں بنو کلب کی بھیڑوں کے بالوں کے برابر لوگوں کو دوزخ سے آزاد کرنے کا ذکر ہے، یہ حقیر بندہ (محمد طاہر پٹنی) کہتا ہے عائشہؓ کی حدیث جس میں بقیع جانے ،اللہ کے آسمان دنیا پر نازل ہونے اور پھر بنو کلب کی بھیڑوں کے بال اتنے لوگوں کی مغفرت کا ذکر ہے۔اسے ترمذی نے روایت کیا ہے اور خود کہا ہے کہ اس مضمون کی ایک روایت ابوبکر سے بھی مروی ہے۔اور میں نے محمد اسمعیل بخاری سے سنا کہ وہ اس روایت کو ضعیف کہتے تھے۔ پھر ترمذی کہتے ہیں یہ روایت دو جگہ سے منقطع ہے۔''

ملا علی قاری حنفی نے امام ابن القیمؒ کا ایک مضمون نقل کیا ہے،جس میں امام مذکور نے موضوعات پر تبصرہ کرتے ہوئے یہ بیان فرمایا ہے کہ کس کس قسم کی روایات موضوع ہیں۔وہ فرماتے ہیں:

و منها احاديث صلوات الايام و الليالى (كما فى الغنية) كصلاة يوم الاحد و ليلة الاحد و يوم الاثنين وليلة الاثنين الى اخر الاسبوع كل احاديثها كذب و امثلها مارر واه عبد الرحمن بن سندة و هو صدوق عن ابن جهضم و هو واضع الحديث حدثنا على بن محمد بن سعيد البصرى حدثنا ابى حدثنا خلف بن عبد الله الضغانى عن حميد بن انس پرفعه رجب شهر الله و شعبان شهرى و رمضان شهر امتى الحديث و فيه لا تفعلوا عن اول جمعة من رجب فانها ليلة تسميها

الملا ئكة الرغائب و ذكر الحديث بطوله قال ابن الجوزى اقهموا به ابن جهضم قا ل و سمست عبد الوهاب الحافظ يقول مجهولون فتشتت عليهم جميع الكتب فما وجدتهم قال بعض الخاظ بل لعلهم لم يخلفوا (موضوعات کبیر ص/ ١٦٢)

''ان موضوع روایات میں سے ہر دن اور ہر رات کی نمازیں بھی ہیں۔ جیسے اتوار کی نماز، اتوار کی شب کی نماز، پیر کی شب کی نماز، اسی طرح پورے ہفتہ کی نمازیں۔ اسی طرح وہ روایت بھی موضوع ہے جسے ابن مندہ نے روایت کیا ہے جو خود تو سچے تھے، ابن جہضم سے جو احادیث وضع کیا کرتا تھا۔ اس نے علی بن محمد بن سعید البصر ی سے اس نے اپنے باپ محمد سے اس نے خلف بن عبد اللہ الصغانی سے اس نے حمید بن انس سے۔ اس نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہ رجب اللہ کا مہینہ، شعبان میرا مہینہ اور رمضان میری اُمت کا مہینہ ہے۔ طویل حدیث ہے اور اس میں یہ بھی ہے کہ رجب کے پہلے جمعہ کی شب سے غافل نہ رہو، کیونکہ فرشتوں نے اس رات کا نام رغائب رکھا ہے پھر راوی نے ایک طویل حدیث بیان کی۔ ابن جوزی کہتے ہیں۔ محدثین کا قول ہے کہ یہ روایت ابن جہضم نے وضع کی ہے۔ میں نے حافظ عبد الوہاب سے سنا وہ فرماتے تھے میں نے تمام کتابیں چھان ماری لیکن مجھے ان راویوں کا کوئی پتہ نہیں چل سکا۔ اسی لیے بعض حفاظ حدیث کہتے ہیں یہ راوی تو کبھی عالم وجود میں بھی نہ آئے تھے۔''

علامہ ابن القیم آگے چل کر فرماتے ہیں:

و من ذلک احادیث صلوۃ لیلۃ النصف من شعبان کحدیث یا علی من صلی لیلۃ النصف من شعبان مائۃ رکعۃ بالف قل ھو اللہ احد قضی اللہ لہ کل حاجۃ طا لبھا تلک اللیلۃ و ساق خرافات کثیرۃ۔۔۔۔

والعجب صحن شم رائمة العلم بالسنة ان يغتو بمثل هذه الهذيان و يصيلها و هذه الصلوة و ضعت فی الا سلام بعد الاربع و مائة و نشات من بيت المقدس فوضع لماعدة احاديث منها من قرأ ليلة النصف مرة قل هو الله احد الحديث و فيه بعث الله اليه سائة الف ملک يبشرونه و حديث من صلی ليلة النصف سن شعبان ثلث عشرة ركعة يقوأ فی كل ركعة ثلاثين قل هو الله احد شفع فی عشرة قد استوجبو النار وغير ذلكمن الاحاديث اللتی لا يصح منها شئی (موضوعات كبير ص/ ١٦٥)

''انہی موضوع روایات میں سے نصف شعبان کی رات کی نمازیں ہیں۔مثلاً یہ روایت کہ اے علی جس نے نصف شعبان کی شب میں سو رکعت نماز پڑھی، اور ہر رکعت میں دس بار قل ہو اللہ پڑھی اللہ تعالیٰ اس رات میں اس کی ہر حاجت پوری فرماتا ہے۔ پھر اس کے راوی نے اس روایت میں کافی بکواس بکی ہے۔''

تعجب تو ان لوگوں پر ہے جنہیں علم حدیث اور سنت کی کچھ خوشبو بھی پہنچی ہے کہ وہ اس قسم کے ہذیان سے دھوکا کھائیں اور یہ نماز پڑھیں۔ یہ نماز اسلام کے چار سو سال بعد بیت المقدس میں وضع کی گئی۔ پھر اس رات کی فضیلت میں متعدد روایات وضع کر لی گئیں۔ مثلاً جس نے نصف شعبان کی شب میں نماز کے دوران ایک ہزار بار قل ھو اللہ پڑھی۔ آگے ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے پاس ایک لاکھ فرشتے بھیجتا ہے جو اسے بشارت دیتے ہیں، اور یہ روایت جس نے نصف شعبان کی شب میں تیرہ رکعت نماز پڑھی اور ہر رکعت میں تیس بار قل ہو اللہ احد۔ تو ان دس آدمیوں کے بارے میں جن پر جہنم واجب ہو چکی، اس کی شفاعت قبول کی جاتی ہے۔ اسی قسم کی اور متعدد روایات ہیں جن میں سے ایک بھی صحیح نہیں۔''

ملا علی قاری نے امام محمد بن الجزری کا قول بھی نقل کیا ہے جو قرأت کے بہت بڑے امام اور حصن حصین کے مصنف ہیں۔ جن کی کتاب بطور وظیفہ پڑھی جاتی ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

و کذا صلاۃ عاشوراء و صلوۃ الرغائب موضوع بالاتفاق کذا لقیۃ صلوات لیالی رجب و لیلۃ السابع و العشرین من رجب و لیلۃ النصف من شعبان ماء رکعۃ فی کل رکعۃ دعشر مرات بالا خلاص و لا تغنو بذکرھا فی قوت القلوب و احیاء العلوم و لا بذکر الثعلبی فی تفسیرہ و کذا فی شرح الاوراد (موضوعات کبیر ص ۱۵۲)

''اسی طرح عاشورا کی نمازیں اور صلوۃ الرغائب بالاتفاق موضوع ہیں ۔ اسی طرح ماہ رجب کی ہر رات کی نمازیں اور ستائیسویں رجب کی نمازیں، اور نصف شعبان کی نمازیں اور یہ نماز کہ اس رات میں سو رکعت نماز پڑھو، اور ہر رکعت میں دس بار سورۃ اخلاص یہ سب موضوع ہیں ۔ یہ روایتیں قوت القلوب، احیاء العلوم، ثعلبی کی تفسیر اور شرح الاوراد میں یہ روایات نظر ہوتی ہیں ان سے دھوکہ نہ کھانا ۔'' (اسی طرح غنیۃ، بہار شریعت اور شاہ عبد القادر کی تفسیر کو دیکھ کر دھوکا نہ کھائے)

تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی میں ہے:

لم اجد فی صوم لیلۃ النصف من شعبان حدیثا مرفوعا صحیحا اما حدیث علی الذی رواہ ابن ماجۃ فقد عرفت التضعیف جداً (تحفۃ الاحوذی ج ۲ ص ۵۳)

''میں نے نصف شعبان کے روزے کے بارے میں کوئی حدیث صحیح مرفوع نہیں پائی اور علی کی وہ روایت جسے ابن ماجہ نے نقل کیا ہے۔ وہ تو انتہا سے زیادہ ضعیف ہے۔''

علامہ شبیر احمد عثمانی فتح الملہم شرح مسلم میں امام عینی حنفی کا قول نقل کرتے ہیں۔

قال العینی و اما الا حادیث التی فی صلوۃ النصف من شعبان نذکر ابو الخطاب بن دحیۃ انھا موضوعۃ فتح الملھم (شرح مسلم ج ۳ ص ۱۷۴)

''علامہ عینی حنفی کہتے ہیں نصف شعبان کی نمازوں کے بارے میں جتنی احادیث ہیں، تو ابو

الخطاب بن دحیہ فرماتے ہیں یہ سب موضوع ہیں۔''

حاصل کلام یہ کہ شعبان اور شب تبرا سے متعلق جتنی روایات ہیں وہ سب موضوع، منکر یا شدید ضعیف ہیں۔ ان پر عمل کس صورت میں جائز نہیں۔ علی الخصوص ایسی صورت میں جب عوام نے انہیں لازمہ دین تصور کرلیا ہو۔ ان پر عمل قطعاً حرام ہے۔ اگر اس قسم کے امور کی اجازت دے دی جائے گی تو تحریف فی الدین کا دروازہ کھل جائے گا۔

یوسف کوکن عمری ''سیرت ابن تیمیہ'' میں لکھتے ہیں:

''شعبان کی پندرھویں شب کو شام وعراق کے باشندے صلوٰۃ الالفیہ ہزارہ نماز پڑھتے تھے۔ یہ سو رکعت کی نماز تھی۔ ہر دو رکعت پر سلام پھیرا جاتا اور ہر رکعت میں سورت فاتحہ کے بعد سورۂ اخلاص دس مرتبہ پڑھی جاتی تھی۔ بعض لوگ سو رکعت کے بجائے صرف دس رکعت پڑھتے اور ہر رکعت میں سورۂ اخلاص سو مرتبہ پڑھتے۔ غزالی نے احیاء العلوم میں (عبدالقادر نے غنیۃ الطالبین) جلد ۱، ص/ ۱۸۲ پر تحریر کیا ہے کہ لوگ نماز جماعت کے ساتھ پڑھا کرتے تھے اور اسے صلاۃ الخیر کہتے تھے۔ پھر حسن بصری سے یہ غلط (اور بلا سند) روایت بیان کی ہے کہ انہوں نے کہا کہ مجھ سے تیس سے زائد اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان کیا کہ جو کوئی یہ نماز پڑھے اللہ تعالیٰ اس کی طرف ستر مرتبہ نظر ڈالتا ہے اور ہر نظر میں اس کی ستر حاجات پوری کرتا ہے جن میں سے ایک ادنیٰ حاجت مغفرت الٰہیہ ہے۔'' (سیرت ابن تیمیہ ص/ ۱۳۳)

حسن بصری کے اس قول اور صلاۃ الخیر پر تفصیلی بحث ہم نے ''شب براءت اور اس کی حقیقت'' میں کی ہے۔ ہمیں تعجب تو اس پر ہے کہ غزالی فقہ شافعیہ کے امام مانے جاتے ہیں۔ حالانکہ شوافع کے نزدیک نفل باجماعت حرام ہے۔ دراصل مرض تصوّف نے ان کو عقل کا ماؤف کر دیا ہے۔

یہ بھی ایک حیرت ناک امر ہے کہ جو نمازیں ۴۴۸ھ میں جاری کی گئیں اور اُس دور کے اور بعد

کے علماء ان نمازوں کے خلاف صف آرا رہے اور بہت سی کتابیں اس کے رد میں لکھی گئیں، اور غزالی تقریباً اسی دور میں پیدا ہوئے تھے۔ کیونکہ ان کا انتقال ۵۰۵ھ میں ہے انہوں نے علماء کا طریقہ چھوڑ کر ان جاہلوں کا طریقہ کیوں اختیار کیا۔ ظاہر ہے کہ اس کی وجہ تصوف کے علاوہ کچھ نہیں اور غزالی حدیث سے نابلد تھے اور تمام زندگی میں بخاری و مسلم کے علاوہ انہوں نے حدیث کی کوئی کتاب نہیں پڑھی۔ کاش وہ ان ہی کتابوں کو اپنا معیار بنا لیتے۔

یہ بھی آپ سابقہ سطور میں علامہ طاہر پٹنی کی زبانی پڑھ چکے ہیں کہ جب یہ نمازیں جاری کی گئیں تو اللہ کے نیک بندے اس خوف سے شہر چھوڑ کر جنگل کو چلے گئے کہ اس بدعت کے باعث انہیں اللہ تعالیٰ زمین میں نہ دھنسا دے یہ ان کا خوف حقیقت بن کر سامنے آیا اور کچھ عرصہ بعد ہی عیسائیوں نے بیت المقدس پر قبضہ کر لیا اور مسلمانوں کا وہ قتل عام کیا جو آج تک تاریخ میں یادگار ہے۔ حتیٰ کہ مسجد عمر میں گھٹنوں گھٹنوں مسلمانوں کا خون بہہ رہا تھا۔ یہ اللہ کا ایک عذاب تھا جو اسی رات کے باعث مسلمانوں پر نازل ہوا۔

کوکن عمری صاحب آگے لکھتے ہیں:

''ابو طالب مکی اور غزالی (عبدالقادر) کے لکھ دینے سے عام مسلمانوں کو یہ غلط فہمی پیدا ہو گئی ہے کہ یہ نمازیں مستحب ہیں۔ اس بدعت کو سب سے پہلے ابن ابی الحمراء نے ۴۴۸ھ میں جاری کیا۔ یہ شخص نابلس کا رہنے والا تھا۔ اس نے اولاً یہ نماز تنہا پڑھنی شروع کی پھر دوسرے اس کی اقتدا کرنے لگے۔ ان راتوں میں ہر گھر میں حلوے مانڈے پکائے جاتے اور مساجد میں روشنی کا انتظام ہوتا۔ صحن مسجد اور اطراف میں بازار لگتا۔ ہر قسم کے لچے بدمعاش جمع ہوتے، خوانچے والے مسجدوں میں صدا لگاتے، اور سقے پانی لیے ہر طرف گھومتے۔ مرد اور بچوں کے ساتھ عورتیں زرق برق لباس پہن کر اور عطر لگا کر ان نمازوں میں شریک ہوتیں (یعنی اچھا خاصا مینا بازار لگتا۔ پھر حسن مجازی کے دلدادہ اس سے کیسے پیچھے رہتے، ورنہ عشق حقیقی کی منزل کیسے طے ہوتی) پندرھویں شعبان کو خاص طور پر عورتیں زیادہ آتیں

اورمزاروں پرحاضری دیتیں۔'' (سیرت ابن تیمیہ ص/ ۱۳۳)

کوکن صاحب نے جو کچھ تحریر کیا ہے وہ تو کچھ نہیں بلکہ علامہ طاہر پٹنی ''تذکرہ الموضوعات'' میں یہاں تک لکھتے ہیں:

واعظم منه ما یوجد الیوم فی مسجد القصاص من اختلاط الرجال و النساء و متلاسق اجسارهم حتی یروی ان رجلا ضم امراة من خلفه و عبث بها و اخر التزم المراة وغیرذلک من الفسوق و اللغط و السرنة و تنجیس مواضع العبادةو اهانةبیوت اللهو کله بدعةقبیحة (تذکرةالموضوعات)

''سب سے بڑا فتنہ جوان قصہ گوملاؤں کی مساجد میں پایا جاتا ہے۔وہ مردوعورت کا اختلاط ہے۔حتیٰ کہ ان کے جسم ایک دوسرے سے ٹکراتے ہیں،حتیٰ کہ یہ بھی بیان کیا گیا کہ ایک شخص نے ایک عورت کو دبوچ لیا اوراس سے مسجد میں کھیلتا رہا دوسرے نے عورت کو اپنے سینہ سے چپٹا لیا۔اسی قسم کے فسق و فجور،لغو باتیں، چوری، مساجد میں ناپاکی اور اللہ کے گھروں کی توہین۔یہ سب بدعات قبیحہ ہیں جو اس رات انجام دی جاتی ہیں۔''

اس سے تاریخ کا ایک بدترین منظر سامنے آتا ہے۔ممکن ہے کہ تمام علاقوں میں یہی صورت حال ہو اورممکن ہے کہ یہ نقشہ ہندوستان کا بیان کیا جارہا ہو۔کیونکہ تاریخ سے یہ ثابت ہے کہ علامہ طاہر پٹنی کو چالیس سال کی عمر میں بدعات کی مخالفت کے باعث ۹۸۲ھ میں شہید کردیا گیا۔یہ اکبر کا دور تھا۔بھلا غنڈے اور بدمعاش اس بات کو کیسے گوارا کرسکتے تھے کہ ان کی عیاشی کے ذرائع ختم کردیے جائیں۔اس عبارت سے یہ بات سامنے آئی کہ دراصل اس رات کی عبادت اور قبرستان کے چکروں کی غرض وغایت کیا تھی۔اس دور کا ملا تو بے وقوف ہے کہ وہ اسے خدا پرستی کا ذریعہ تصور کرنے لگا ورنہ حقیقت تو اس سے غرض صنم پرستی اور وصال یار تھا۔ہمارے دور کے ملا تو مفت میں بدنام ہوگئے۔

نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم　　نہ ادھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے

ان امور کی بنیاد ابن ابی الحمراء اور ابن ابی جہضم جیسے صوفیا نے رکھی، اور ابو طالب مکی، غزالی اور جیلانی وغیرہ نے ان کی ترویج واشاعت کا کام انجام دیا۔ اگر چہ صدیوں تک علماء کی مخالفت کے باعث ان خرافات میں کمی تو ضرور واقع ہوئی۔ لیکن اصل شے علی حالہ باقی رہی۔ ہاں یہ اللہ کا فضل ضرور ہوا کہ ملک شام اور مصر سے اسے ہمیشہ کے لیے اخراج کا پروانہ مل گیا۔ ملک عرب کی سرزمین تو اس غلاظت سے ہمیشہ پاک رہی۔

پہلے دور میں اور موجودہ دور میں یہ فرق ضرور ہے کہ پہلے دور کے تمام علماے محدثین وفقہاء اس کھیل کے سخت دشمن تھے۔ لیکن موجودہ دور کے اور علی الخصوص ہندو پاکستان کے بیشتر علماء نے نہ صرف اس پر مہر جواز ثبت کی بلکہ اس کھیل میں خود بھی برابر کے شریک ہو گئے۔ اور کچھ عرصہ گزر جانے کے بعد اس کے جواز کے لیے آباء اور بزرگوں کے عمل کی شہادت بھی حاصل ہو گئی۔ لیکن علامہ طاہر پٹنی کی تحریر سے یہ بات ضرور واضح ہو گئی کہ اس رات کا اصل مقصود کیا تھا۔ اور اس کی بنیاد رکھنے والے کس درجہ کے خبیث تھے۔

کوکن عمری تحریر کرتے ہیں:

''ہر دور میں علماء نے ان بدعات کو بند کرنے کی کوشش کی مگر عوام کی عقیدت (دل چسپی) کچھ ایسی تھی کہ وہ بند ہو ہو کر پھر جاری ہو جاتی۔ امام تیمیہ نے اپنی تقریروں اور تحریروں سے ان بدعتی نمازوں کو مسلمانوں سے ختم کرایا۔ (یعنی مصر وشام سے)''

کوکن صاحب مزید لکھتے ہیں:

''اس سے بھی زیادہ سخت اور بری وہ سبوعی (ہفتہ وار) اور حولی (سالانہ) نمازیں ہیں جن کی بنیاد ابو طالب مکی، ابو حامد غزالی اور عبد القادر جیسے عجمیوں نے رکھی ہے۔ (پاک وہند میں رضا احمد نے بہار شریعت میں یہی کام انجام دیا) اور ان کو سنت رسول بتایا ہے۔ جن میں صلوٰۃ الالفیہ ہزارہ نماز بھی ہے جو رجب وشعبان میں ادا کی جاتی ہے اور سات رجب ستائیس رجب، عاشورہ، یا عیدین کی شب میں پڑھی جاتی ہیں۔ یہ تمام نمازیں بدعت ہیں، اور اُن سے متعلق ساری حدیثیں اور روایتیں جھوٹی ہیں، جو کوفی اور عجمی اختراع سے زیادہ

نہیں۔ جوان نمازوں کو غیر مشروع جان کر بھی پڑھے وہ مشرک وکافر ہے (ص ر ۱۲۵)

یہ اختراعات یہیں پر ختم نہیں ہوئیں بلکہ ہندوستان کے صوفیاء نے صلوٰۃ غوثیہ، لکھی روزہ، کشف القبور، تصور شیخ اور فنافی الشیخ جیسی مشرکانہ بدعات کا بھی اضافہ کیا اور انہیں اسلام کا لبادہ پہنا دیا گیا، دین تصوف کا انہی خرافات پر دارومدار ہے۔ جس کے نتیجہ میں یہ محسوس ہوتا ہے کہ دین تصوف اور دین اسلام دو متضاد امور ہیں۔ ویسے بھی صوفیاء اور ان کے یہاں شریعت اسلامیہ ہمیشہ ثانوی چیز رہی۔

شب براءت کے اصل بانی مبانی رافضی شیعہ تھے۔ جنہوں نے اس قسم کی روایات گھڑ کر عوام میں پھیلائیں اور صوفیاء نے ہراول دستہ کے طور پر ان کے لیے راہ ہموار کی عزیز احمد اپنی کتاب ''ارمغان عجم'' میں رقم طراز ہیں:

''شیعوں کی کتاب ''تحفۃ العوام'' میں اس شب کی بے پناہ فضیلتیں درج ہیں۔ اس ماہ کو رجب سے زیادہ بابرکت شمار کیا گیا ہے۔ خاص کر ۱۴، ۱۳ اور ۱۵ تاریخ کو، ۱۵ شعبان کے بارے میں تحفۃ العوام کا مصنف لکھتا ہے:

''شب پانزدہم (پندرھویں) شب بیداری کر کے کہ اول سے تا آخر شب حق تعالیٰ کی جانب سے ندا آتی ہے کہ ہے کوئی استغفار کرنے والا کہ میں اسے بخشوں، ہے کوئی روزی طلب کرنے والا کہ میں اس کی روزی کشادہ کردوں اور غسل اس شب میں باعث تخصیف گناہاں ہے۔'' (ارمغان عجم ص ر ۱۲۳)

اس عبارت میں بعینہ وہی مضمون ہے جو ہم نے سطور بالا میں ابن ماجہ کے حوالہ سے حضرت علیؓ سے نقل کیا ہے۔ جہاں ہم نے یہ ثابت کیا تھا کہ اس کے دو راوی رافضی ہیں۔ یعنی ابوبکر بن ابی بسرہ اور عبد الرزاق بن ہمام۔ ہاں اس عبادت میں غسل کا ضرور اضافہ ہے، اور لطف یہ ہے کہ صوفیاء نے بھی اس شب میں غسل مستحب قرار دیا ہے۔ عزیز صاحب ''تحفۃ العوام'' سے نقل کرتے ہیں۔ منجملہ اعمال اس شب کے زیارت امام حسین علیہ السلام کی ہے کہ پیغمبران وملائکہ اس شب خدا سے رخصت لے کر آنحضرت (حضرت

حسینؓ) کی زیارت کو آتے ہیں۔ پس خوشحال اس کا جوان بزرگوں سے مصافحہ کرے۔ یعنی اس شب میں کربلا، کراچی، میں نیٹی جیٹی پل اور دیگر مقامات پر دیگر جگہوں پر جانے والے (بلکہ قبرستان جانے والے) تمام اشخاص انبیاء اور ملائکہ سے مصافحہ کرتے ہیں۔ اس شب کی تقدیس کا اندازہ کیجیے کہ سب پیغمبر و ملائکہ کربلا جاتے ہیں اور حضرت حسینؓ سے مصافحہ کرتے ہیں۔ اگر آپ ان کی قبر کا نقشہ بنا کر زیارت حسین پڑھیں تو گویا آپ نے بھی سب سے مصافحہ کرلیا۔

لیکن مشکل یہ ہے کہ بقول شیعہ حضرت حسینؓ کا سر کوفہ میں اور بقیہ دھڑ کربلا بلکہ نینوا میں دفن ہے۔ بلکہ شیعہ حضرت حسینؓ کو شہید نینوا کا خطاب دیتے ہیں۔ جو کربلا سے تقریباً چار سو میل آگے ہے۔ افسوس یہ ہے کہ یہ حضرات سر اور چہرہ دیکھے بغیر واپس ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ انہیں دونوں جگہ حاضری دینی چاہیے تھی اور شاید عراق و ایران جنگ کا مقصود بھی یہی ہے کہ کوفہ و کربلا پر کسی طرح قبضہ کیا جائے۔ دراصل ہمارے سنی بھائیوں نے شیعوں کے ظاہری دانت دیکھے ہیں۔

اس سے زیادہ معیوب کیا شے ہوگی کہ نواسا نانا کی زیارت کو خود نہیں جاتا۔ بلکہ نانا کو کربلا بلواتا ہے۔ دراصل اسکا مقصود یہ ہے کہ کربلا کی روضۂ رسول پر اور حضرت حسینؓ کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر فضیلت ثابت کی جائے۔ اس طرح انہوں نے اس عبادت میں تبرّاء یعنی براءت سے کام لیا۔ لیکن شیعوں کے اس تبرے کا جواب میرے پاس موجود ہے۔ وہ یہ کہ تحفۃ العوام کا مصنف یہ تو تسلیم کرتا ہے کہ انبیاء کی ارواح عالم بالا سے آتی ہیں اور کربلا جا کر حضرت حسینؓ کی زیارت کرتی ہیں تو گویا ان کے نزدیک حضرت حسینؓ کی روح آج تک کربلا میں مقید ہے۔ پھر اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ انبیاء و ملائکہ حضرت حسینؓ کی زیارت کے لیے آتے ہیں۔ اگر ہم یہ بلا دلیل قبول بھی کرلیں تو کربلا میں تو ابن زیاد کے ساتھی بھی دفن ہیں۔ اس صورت میں یہ بھی ممکن ہے کہ انبیاء اور ملائکہ کا مقصود ابن زیاد کے ساتھیوں کی زیارت ہو۔ ان کے پاس ہمارے اس دعوے کا کیا جواب ہے۔

یہاں یہ تحقیق بھی ضروری ہے کہ کربلا میں مشہد حسین کی بنیاد کب رکھی گئی۔ اگرچہ تاریخی لحاظ سے اس

کی صحیح تاریخ تو معلوم ہی نہیں ہوتی۔لیکن عقل یہ ضرور کہتی ہے کہ بنوُامیہ کے زوال تک اس کی بنیاد قطعانہ رکھی گئی ہوگی۔ان کی حکومت کا زوال سن ۱۳۲ھ میں ہوا۔اگراس کی بنیاد دورِاموی میں رکھی گئی ہے تو پھر شیعوں پران کا یہ احسان عظیم ہے۔ ۱۳۲ھ سے دورعباسی شروع ہوا۔اگرچہ عباسیوں اورعلویوں نے مل کر بنوامیہ کے خلاف سازشیں تیار کی تھی،اورعجمیوں نے ان کا ساتھ دیا تھا،لیکن عباسیوں نے اقتدار پر قبضہ جمالیا۔اور ابومسلم خراسانی کوقتل کرکے اس عجمی سازش پر پانی پھیر دیا کہ علویوں کی حکومت قائم ہو،نفس ذکیہ کے خاتمہ سے عباسیوں کا اقتدار مضبوط ہوگیا۔لیکن ہارون الرشید کے دورتک علوی اقتدار کی قبضہ کی لگاتار کوششیں کرتے رہے۔ برامکہ بھی اندرون خانہ علویوں کا ساتھ دیتے رہے۔ جب برامکہ قتل ہوگئے تو ان کی تمام امیدیں مامون الرشید سے وابستہ ہوگئیں،جس کی ماں ایرانی تھی۔ ہارون کی وفات کے بعدان شیعوں اور ایرانیوں نے مامون کوامین سے ٹکرایا۔اور مامون کے نام سے ۱۹۸ھ میں خلافت پرقبضہ کرلیا۔مامون بھی ان کی ہمنوائی میں شیعہ اورمعتزلی بن گیا۔ مامون کے بعد معتصم باللہ،اوراس کے بعداس کا بیٹا واثق باللہ مامون کے نقش قدم پر چلتے رہے۔ یہ دورعلماءاسلام کے لیے بہت ابتلا کا دورتھا۔واثق باللہ کا انتقال ۲۳۲ھ میں ہوا۔غالباً مشہدحسین کی بنیاداسی دوران رکھی گئی۔کیونکہ تاریخ میں یہ وضاحت کے ساتھ موجود ہے کہ ۲۳۲ھ میں متوکل علی اللہ خلیفہ ہوا،تواس نے ۲۳۶ھ میں مشہدحسین اوراس کے قرب وجوار کے مکانات منہدم کراکے اس میں کھیتی کرائی،اورلوگوں کواس کی زیارت سے منع کردیا۔کیونکہ متوکل علی اللہ بدعات کا دشمن تھا۔(طبری ج/۱۲،ص/۱۴۰۷۔ تاریخ اسلام معین الدین ندوی ج/۳،ص/۲۵۲)

۳۲۲ھ میں بنو بویہ رافضی بغداد پر قابض ہوگئے اوران میں سے معزالدولہ نے ۳۵۱ھ میں مساجد کے دروازوں اورمحرابوں پر خلفائے ثلثہ اورامیر معاویہ وغیرہ پرلعنت لکھوائی۔جس سے عوام اور حکومت میں ایک چپقلش پیدا ہوئی۔آخرکار یہ لعنت بغیرنام کے تحریر کی گئی۔اورسنیوّں کواس فیصلے پرمجبور کیا کہ خطبۂ جمعہ میں حضورﷺ کی صرف ایک صاحبزادی کا تذکرہ ہو،عشرہ مبشرہ کا نام خطبہ سے خارج کیا جائے۔اس وقت تک سنی خلافت راشدہ میں صرف تین خلفاء کے قائل تھے۔انہیں مجبور کیا گیا کہ حضرت علیؓ

کو چوتھا خلیفہ مانا جائے۔ امیر معاویہ وغیرہ کا نام خطبہ سے خارج کیا جائے۔ معزالدولہ کے فیصلوں پر آج تک ہمارے آئمہ مساجد اپنے خطبوں میں عمل پیرا ہیں۔ اسی معزالدولہ نے عشرۂ محرم میں ماتم جاری کیا۔ اسی نے شب غدیر منانے کا حکم دیا اور اسی کے حکم سے مشہد حسین دوبارہ تعمیر ہوا۔

گویا مشہد حسین کی پہلی بنیاد بھی ڈیڑھ سو سال بعد فرضی طور پر رکھی گئی تھی۔ لیکن وہ ۲۳۶ھ میں زمین کے برابر کر دیا گیا۔ پھر تقریباً سوا سو سال بعد اس کی فرضی تعمیر کی گئی۔ حالانکہ تاریخی تحقیق سے حضرت حسین کربلا میں شہید نہیں ہوئے۔ بلکہ نینوا کی سرزمین میں شہید کئے گئے۔ اور ان کی شہادت دس محرم کے بجائے ۲۱ صفر کو ہوئی۔ جیسا کہ امام ابن سعد نے اس کی تفصیل بیان کی ہے۔ اسی باعث آج تک شیعہ در پردہ انہیں شہید نینوا کا خطاب دیتے ہیں اور علوم نینوا کو یاد کرتے ہیں۔ ہم نے یہ تمام تفصیلات قارئین کی معلومات کے لیے پیش کی ہیں۔ تحفۃ العوام کا مصنف آگے چل کر اس راز سے پردہ اُٹھاتا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ:

''جملہ متذکرہ برکات اس شب کے صرف اس لیے ہیں کہ جناب صاحب امر علیہ السلام کی اس شب ولادت ہے۔ (ارمغان عجم ص/ ۱۲۴)''

صاحب الامر سے مراد شیعوں کے بارھویں امام ہیں۔ دنیا میں صرف انہی کا حکم چلتا ہے اسی لیے انہیں صاحب الامر کہا جاتا ہے۔ انہی کو امام مہدی، امام غائب کہتے ہیں، اس لیے کہ وہ لوگوں کی نگاہوں سے غائب ہیں اور شیعوں کے نزدیک وہ ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں اس لیے انہیں امام حاضر اور امام الزماں بھی کہا جاتا ہے۔ اس شب براءت کی تمام فضیلت صرف اس لیے ہے کہ رافضیوں کے فرضی بارھویں امام کی ولادت اس شب ہوئی تھی اور اسی لیے اس کی فضیلت میں روایات وضع کی گئیں اور چونکہ ان کے یہ امام بھی فرضی تھے۔ کیونکہ گیارھویں امام حسن عسکری کے کوئی اولاد نہ تھی انہوں نے شادی نہیں کی تھی۔ لیکن ان کی چار باندیاں تھیں اور چاروں ایرانی تھیں۔ یہ چاروں دو سال تک پیٹ پھلائے رہیں تا کہ حسن عسکری کی دولت پر قبضہ کیا جا سکے۔ ان میں سے ہر ایک حاملہ ہونے کی مدعی تھی۔ لیکن جب دو سال تک کوئی بچہ پیدا نہ ہوا تو

عدالت نے بوڑھی عورتوں کو بھیج کر اُنکے پیٹ دکھوائے۔ جو قطعاً بچے سے خالی تھے۔ عدالت نے حسن عسکری کی وراثت اولاد اور بیوی نہ ہونے کے باعث بھائی کو دیدی۔ بعد میں ایک فرضی امام وضع کرلیا گیا اور اسے مہدی قرار دیا گیا۔ جس طرح شیعوں کے بارھویں امام فرضی ہیں۔ اسی طرح اس شب کی روایات بھی فرضی ہیں۔

محمود الحسن صاحب خسرو جو لا کلاس ہائی کورٹ حیدرآباد دکن کے اعزازی لیکچر، اور مسلم علی گڑھ یونیورسٹی کے لیکچرار رہے۔ اپنی کتاب ''قرآن مجید کا نزول اور وحی'' میں لکھتے ہیں:

''شب براءت میں کچھ بھی نہیں ہوتا۔ مختصر یہ کہ قرآن مجید کے نزول کو ماہ شعبان خاص شعبان کی پندرھویں شب یعنی شب براءت سے کچھ بھی تعلق نہیں ہے اور نہ اس مہینے اور اس کی رات میں قسمتوں اور تقدیروں کے فیصلے ہوتے ہیں۔ یہ سب کچھ شب قدر کی خصوصیتیں ہیں جو رمضان کی ایک خاص رات ہے۔ جیسا کہ اوپر ثابت ہو چکا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ شعبان کی پندرھویں رات یعنی شب براءت نہ کوئی فضیلت و عظمت کی رات ہے، اور نہ یہ عبادت و دعا کی شب ہے، واعظین اس رات کی تقریبات کے بارے میں جو حدیثیں بیان کرتے ہیں، ناقدین احادیث نے ان سب کو بادلائل رد کردیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ روایاتیں حدیث کی صحیح اور مستند کتابوں میں جگہ نہیں پاسکیں۔''

(قرآن مجید کا نزول اور وحی ص ر ۱۳)

خسرو صاحب نے اس کے بعد امام ابن القیم اور ملا علی قاری کے وہ اقوال پیش کیے جو ہم ہدیۂ ناظرین کر چکے ہیں۔ اس کے بعد لکھتے ہیں:

''مختصر یہ کہ شب براءت کسی حیثیت ولحاظ سے کوئی مقدس رات نہیں ہے۔ نہ اس رات میں قرآن کا نزول ہوا ہے۔ نہ اس رات اللہ تعالیٰ آسمان دنیا پر تشریف فرما ہو کر قبیلہ کلب کی بھیڑوں کے بالوں جتنے انسانوں کے گناہ معاف فرماتے ہیں۔ نہ اس رات رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بقیع کے قبرستان جانا ثابت ہے، نہ اس رات جاگنا اور خاص نمازیں اور وظیفے پڑھنا اور نہ پندرھویں کے دن روزہ رکھنا ہے کم درجہ کی کتابوں میں جو روایاتیں بیان ہوئی ہیں ان میں بعض موضوع (من گھڑت) اور بعض غیر صحیح ہیں، اسی لیے نقاد آئمہ حدیث نے انہیں مسترد کر دیا ہے۔ امام ابن العربی ملکی (المتوفی ۵۴۳ھ) نے اپنی تفسیر ''احکام القرآن'' جلد ۲، ص/ ۲۱۴ میں پندرھویں شعبان کی رات کی تمام حدیثوں کو غیر معتبر ٹھرایا ہے:

لیس فی لیلة النصف من شعبان حدیث یعول علیه لا فی فضلها و لا فی نسخ الاجال فیها فلا تلتفتو اا لیها (قران مجید کا نزول اور وحی۔ ص/ ۱۸)

''نصف شعبان کی شب کے بارے میں کوئی حدیث ایسی نہیں جس پر اعتماد کیا جا سکے۔ نہ اس شب کی فضیلت میں، اور نہ موت و زندگی لکھنے کے قرآن مجید کا نزول اور وحی بارے میں۔ ان روایتوں پر قطعاً توجہ نہ دو۔''

حاصل کلام یہ کہ اس قسم کی تمام روایات نا قابل اعتبار ہیں اور حدیث کی کسی صحیح کتاب میں ان کا وجود نہیں۔ بلکہ یہ شیعوں کی ایک یادگار ہے جو صوفیاء کے ذریعے سنّیوں میں پھیل گئی۔ متقدمین میں کوئی عالم نہ تھا۔ اور نہ بلاد عربیہ میں اس کا کوئی وجود ہے۔ یہ صرف عراق و ایران اور ایشیا کے علاقوں میں منائی جاتی ہے۔ یعنی جہاں جہاں تشیع کا زیادہ اثر رہا۔ ہندو پاکستان میں اس کی اشاعت کی وجہ بھی یہی ہے کہ عباسی دور کی ابتدا میں شیعہ اور قرامطہ بھاگ بھاگ کر ہندوستان آتے رہے۔ پھر سندھ و ملتان اور لاہور وغیرہ میں قرمطی حکومت قائم ہوئی جو بدترین قسم کے رافضی تھے۔ مغلیہ خاندان کے پیشتر افراد شیعہ رہے۔ حتیٰ کہ شیعوں کے خلاف شاہ ولی اللہ کو کتاب لکھنے پر سزا ملی۔ اور شاہ عبدالعزیز کو بھی اپنی تصنیف ''تحفہ اثنا عشریہ'' سے انکار کرنا پڑا۔ اودھ کی اکثر ریاستوں پر بھی شیعہ قابض تھے۔ حیدر آباد دکن بھی شیعہ ریاست رہی۔ اس طرح شیعوں کو اپنے مسلک کے پروپیگنڈے کا موقعہ ملا۔ اور سنیوں کی زبانوں پر تالے لگا دیے گئے۔ یہی وجہ ہے کہ ہندوستان کی سرزمین میں حدیث و قرآن کا کوئی درس نہ دیا جاتا تھا۔ تاریخ سے تو آج تک عربی

مدارس محروم ہیں۔لیکن اب چند سال سے یہ محسوس ہو رہا ہے کہ تشیع کے یہ سیاہ بادل کچھ چھٹتے نظر آتے ہیں۔

آتش بازی یا کہ آتش پرستی

نماز روزہ تو بالذات ایک عبادت ہے۔ بشرطیکہ انہیں شریعت کے بیان کردہ اوقات میں انجام دیا جائے لیکن آتش بازی اور چراغاں کس قسم کی عبادت ہے۔شریعت اسلامیہ نے کس وقت اور کون سے موقع پر اس آتش بازی اور چراغاں کا حکم دیا ہے۔ بلکہ ہجرت مدینہ کے بعد جب نماز باجماعت کی ابتدا ہوئی تو لوگوں کو جمع ہونے میں بہت دقت پیش آتی صحابہ کی ایک مجلس میں اس پر غور وفکر ہوا کہ لوگوں کو کس طرح جمع کیا جائے۔بعض صحابہ نے رائے دی کہ آگ روشن کر دی جائے، تاکہ روشنی دیکھ کر سب جمع ہو جائیں۔لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس رائے کو اس لیے رد فرما دیا کہ یہ آتش پرستوں کا وطیرہ ہے۔اس لیے ارشاد ہوا:

لاتشھوا بالمجوس

''مجوس سے مشابہت نہ کرو۔''

مجوسی یعنی آتش پرست دو خداؤں کے وجود کے قائل ہیں ایک کو خدائے خیر اور ایک کو خدائے شر کہتے ہیں۔یعنی خیر کا خالق جدا اور شر کا خالق جدا۔خدائے خیر کو خدائے یزداں اور خدائے شر کو خدائے اہرمن کہتے ہیں۔دوسرے لفظوں میں خدائے رحمان اور خدائے شیطان بھی کہا جا سکتا ہے۔یہ لوگ آگ کو سرچشمہ خیر تصور کرتے ہیں۔اسی تخیل کو گئی نظر رکھ کر ایران کی سرزمین میں جگہ جگہ آتش کدے بنائے گئے اور ہزارہا سال آگ کی پوجا ہوتی رہی۔حضرت عمرؓ کے زمانہ میں جب عراق پر حملہ ہو تو آتش کدے ختم کر دیے گئے۔ لیکن وہ علاقے جو آج مملکت روس میں داخل ہیں، یعنی بخارا، سمرقند اور بدخشاں وغیرہ ان کی آگ بنو امیہ کے زمانے میں سرد ہوئی۔کہیں یہی تو وجہ نہیں کہ ایرانی خلفائے ثلثہ اور بنو امیہ سے نالاں ہیں۔

مجوسیوں کے یہاں ہر خوشی کے موقعہ پر آگ کا مظاہرہ کیا جاتا۔جو آج بھی ان میں نوروز کی صورت میں پایا جاتا ہے۔ ہندوؤں میں جو دیوالی منائی جاتی ہے۔وہ اسی آتش پرستی کی یادگار ہے۔بنو عباس نے

جب بنوامیہ سے اقتدار چھینا، اور خلافت پر قبضہ کیا تو انہوں نے ایرانیوں اور عجمیوں کا تعاون حاصل کیا۔ کیونکہ عرب بنوامیہ کے ساتھ تھے۔ جس کی وجہ سے بنوعباس کے دور میں کلیدی عہدے ایرانیوں اور مجوسیوں کے پاس رہے۔ بلکہ ان کے حرم میں ایرانی اور مجوسی عورتیں داخل ہوئیں اور حرم سرا کے ذریعے اقتدار میں دخل اندازی شروع کی۔ بنوامیہ کا خاتمہ دراصل عربوں کا خاتمہ تھا اور بنوعباس کی خلافت اندرون خانہ دراصل ایرانیوں کی حکومت تھی۔

ان مجوسیوں نے جہاں اسلام کا لبادہ اوڑھ کر عربوں کی قوت ختم کی، وہاں اسلام کو بدنام کرنے کے لیے ہزار ہا قسم کی روایات اور بدعات جاری کیں، مسلمانوں میں یونان اور ہندومت فلسفہ پھیلایا اور فلسفہ کے نام سے اسلام میں ہزاروں شکوک پیدا کئے۔ جتنے بڑے بڑے فلاسفر گزرے مثلاً ابوعلی سینا اور ابن ابی الحدید وغیرہ یہ سب شیعہ اور عجمی تھے۔ تصوف کو پھیلانے والے بھی سب عجمی ہیں۔

ان مجوسی عہدہ داروں میں سب سے اہم کردار برامکہ نے ادا کیا۔ برامکہ، برمک کی جمع ہے، اور برمک آتش کدے کو روشن کرنے والے اور نگرانی کرنے والے کو کہتے ہی۔ یعنی مہا پجاری، مجوسیوں کے یہاں یہ سب سے بڑا مذہبی عہدہ تھا، اس کی حیثیت ایک پوپ کی تھی۔ ان کو منع بھی کہا جاتا تھا۔ جس سے پیر مغاں بنا، یعنی پوپ اعظم حافظ شیرازی کے کلام میں جو پیر مغاں اور مغ بچہ۔ ان کا تمام تصوف انہی دونوں قسم کے لونڈوں کے گرد گھومتا ہے۔ جب ایران کے آتش کدے بجھ گئے اور برامکہ اور پیر مغاں کے مذہبی عہدے ختم ہو گئے تو انہوں نے اسلام کا لبادہ اوڑھ کر حکومت اسلامیہ میں عہدے حاصل کر لیے۔ عہدوں کے حصول کے بعد پہلے تو اپنے محسن ہارون الرشید کو بدنام کیا۔ اس کے بارے میں ہزار ہا شراب نوشی اور عیاشیوں کی کہانیاں پھیلائیں۔ جس کی یادگار آج تک ''الف لیلیٰ'' کی صورت میں موجود ہے۔ پھر ہارون کی بہن عباسیہ کے خلاف زہر فشانی کی اور بیت المال پر قابض ہو گئے۔ یہی وہ طبقہ ہے جس نے مساجد میں چراغاں کی بدعت جاری کی۔ تاکہ اس طرح وہ آگ کی پوجا کر سکیں۔

علامہ محمد طاہر پٹنی ''تذکرہ الموضوعات'' میں لکھتے ہیں:

قال علی بن ابراهیم و اول حدوث الوقعد من البرامکة و کانوا عبدة النار فلما اسلموا ادخلوا فی الاسلام ما یموهون به انه من سنن الدین و مقصودهم عبادة النیران و لم یات فی الشرع زیادة الوقود علی الحاجة فی موضع (تذکرۃ الموضوعات ص/ ۴۶)

''علی بن ابراہیم کہتے ہیں کہ سب سے پہلے چراغاں برامکہ نے جاری کیا۔ دراصل وہ پہلے آگ کے پجاری تھے۔ جب وہ اسلام لائے تو انہوں نے اس آگ کو اسلام میں داخل کر دیا۔ یہ دھوکہ دے کر کہ یہ روشنی بھی دین کی سنت ہے۔ حالانکہ ان کا مقصود آگ کی پوجا تھی اور شریعت میں ضرورت سے زیادہ روشنی کسی جگہ جائز نہیں۔''

شیخ ابراہیم حلبی حنفی اپنی کتاب ''غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی'' میں فرماتے ہیں۔

قیل اول حدوث الوقود من البرمکة و کانو اور عندة النار فلما اسلموا ادخلوا فی الاسلام ما یموهون انه من سنن الدین و مقصودهم عبادة النیران حیث رکعوا و سجدوا مع المسلمین، و لم یات فی الشرع فالا ستحباب زیادة الوقود علی الحاجة فی موضع (تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی وج/ ۲، ص/ ۵۳)

''کہا جاتا ہے کہ چراغاں کی بدعت برامکہ نے جاری کی کیونکہ وہ آگ کے پجاری تھے جب وہ اسلام لائے تو یہ دھوکہ دے کر کہ وہ دین کی سنت ہے انہوں نے آتش پرستی کو اسلام میں داخل کر دیا۔ حالانکہ ان کا مقصود آگ کی پوجا تھی۔ جب وہ مسلمانوں کے ساتھ رکوع اور سجدہ کرتے تو آگ کو رکوع اور سجدہ مقصود ہوتا۔ اور شریعت میں ضرورت سے زیادہ کسی جگہ روشنی جائز نہیں ہے۔

امام عینی حنفی اپنی شرح بخاری ''عمدۃ القاری'' میں اور علامہ شبیر احمد عثمانی ''فتح الملہم شرح مسلم'' میں فرماتے ہیں:

و اما الوقود فی تلک اللیلة نزعم ابن دعیة ان اول ما کان زمن یحی بن خالد بن

برمک انهم کانوا یموهون به علی الطام قال و لما اجتمعت بالملک الکامل و ذکرت ذلک له قطع و امر هذه البدعة المجوسیة من مائر اعمال بلا والمعومة

(فتح الملہم شرح مسلم ج ر ۳،ص ر ۱۷۴)

''جہاں تک اس رات چراغاں کا تعلق ہے تو ابن دحیہ کہتے ہیں کہ اس کی ابتدا یحیٰ بن خالد بن برمک کے زمانہ میں ہوئی۔ وہ کھانا کھلانے کا نام کر کے لوگوں کو دھوکہ دیتے۔ جب ملک الکامل کے ہاتھ میں حکومت آئی اور میں نے اس سے ذکر کیا تو اس نے اس مجوسی بدعت کو پورے مصر سے خارج کر دیا۔''

ملک الکامل کے دور میں علامہ ابن دحیہ کی کوشش میں جہاں ایرانیوں کا ہمیشہ سے اثر غالب رہا ہے، اس میں اضافہ ہوتا رہا۔ جس کے نتیجے میں آتش پرستی کے ساتھ ساتھ آتش بازی بھی وجود میں آ گئی۔ اسی طرح وہ رحمت جو بقول ان کے اس رات میں نازل ہوتی ہے اسے خود اپنے ہاتھوں سے آگ لگانی شروع کر دی۔ اس کھیل نے ہزار ہا گھر پھونک دیے۔ یہ بے وقوف ہر سال کروڑ ہا کے سرمایہ کو آگ دکھا دیتے ہیں۔ بلکہ اب تو اسے اتنا ضروری تصور کیا جانے لگا کہ اس کے بغیر شب براءت کا تصور بھی ممکن نہیں۔ گویا شب براءت اور آتش پرستی باہم لازم وملزوم ہیں۔ جہاں تک چراغاں کا تعلق ہے۔ اس کی حیثیت صرف ایک کھیل کی نہیں۔ بلکہ عوام الناس اسے خوشی اور رضائے الٰہی کا ذریعہ تصور کرتے ہیں۔ جو خالص مجوسی عقیدہ ہے جو عین کفر ہے اور اسے رضائے الٰہی کا ذریعہ تصور کرنے والا بلا شک وشبہ کافر ہے۔ اس مجوسہ یادگار کو رمضان المبارک میں ختم قرآن۔ ۲۷ ر رمضان، ۲۷ ر رجب، یوم ولادت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور سرکاری خوشیوں کے موقعوں پر بھی تازہ کیا جاتا ہے۔ پھر جشن ولادت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے موقعہ پر چراغاں کیا جاتا اور اسٹیج پر کھڑے ہو کر گایا جاتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت سے ایران کے آتش کدے بجھ گئے۔ لیکن افسوس صد افسوس ان دعویداران حب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ان آتش کدوں کو خود اپنے ہاتھوں روشن کرتے اور اس پر

پھولے نہیں سماتے۔اس طرح سال میں کئی کئی بار ہر گھر میں آتش کدوں کی یاد تازہ کی جاتی ہے۔ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان عجمیوں کو آتش کدوں کا بجھنا سخت ناگوار گزرا ہے۔اسی لیے انہوں نے اس کی مخالفت کو اپنا لازمہ حیات بنالیا ہے۔یہ آتش بازی اور چراغاں جہاں مجوسیت کی یادگار ہے وہاں اسراف بیجا اور مال کا ضیاع بھی ہے۔ارشاد الٰہی ہے:

﴿وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا۔ إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ﴾(سورہ بنی اسرائیل ۲۶-۲۷)

''اور فضول (مال) نہ اڑا۔ بیشک فضول اڑانے والے شیطانوں کے بھائی ہیں۔''(ترجمہ احمد رضا)

یہ مال اور سرمایہ کی بربادی کیا اُس قوم کو زیب دیتی ہے جو زندگی کی ہر ضرورت میں ترقی یافتہ ممالک کی محتاج ہو، بلکہ اگر گہری نظر سے دیکھا جائے تو ہماری قوم آتش پرستی، نذر و نیاز، عرس، تعزیہ داری، تیجوں، برسیوں، سالگرہ اور شادی کی رسومات پر جتنا سرمایہ برباد کرتی ہے۔اس سرمایہ سے ہر سال ملک میں بیسیوں کارخانے تیار ہو سکتے ہیں۔جو قوم دوسرں کی محتاج ہوتی ہے وہ اسی طرح گھر پھونک تماشہ دیکھا کرتی ہے۔

اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

حاصل یہ کہ شب براءت کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔نہ دور صحابہ و تابعین اور تبع تابعین میں اس کا کوئی وجود تھا اور نہ اُن مقامات پر آج تک کوئی وجود رہا ہے۔جہاں سے اسلام چل کر ہم تک پہنچا ہے۔ یعنی مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ۔یہ تمام خرافات سرزمین عرب سے باہر ہی جنم لیتی ہیں۔

حلوے مانڈے

آپ حضرات اوپر پڑھ چکے ہیں کہ جب ابن ابی الحمراء نے ۴۴۸ھ میں بیت المقدس میں اس شب بیداری کی بدعت جاری کی تو اس وقت حلوے مانڈے بھی تیار کئے گئے، تاکہ مفت خور لوگ حلوے

کے نام سے اس بدعت میں تعاون کریں بعینہ اسی طرح جیسے میلادوں اور ختم قرآن کے موقعہ پر شیرینی تقسیم کی جاتی ہے اور شیرینی کا نام سُن کر ہزاروں مکھیاں بھنکنے لگتی ہیں۔ اسی لیے ملا حلوا خور مشہور ہو گیا ہے۔ لیکن ہمیں افسوس یہ ہے کہ بدنام کنندہ خود سب سے پہلے کھانے کے لیے پہنچ جاتے ہیں۔ بلکہ خود تیار کر کے اپنے ہاتھوں سے کھلاتے ہیں۔ افسوس یہ بدعقل ملا جواب دینے پر بھی قدرت نہیں رکھتا۔ شاید حلوے کی ہوس نے اس کی زبان پر تالے ڈال دیے ہیں۔

ہم نے جہاں تک لوگوں سے معلوم کیا ہے آخر یہ حلوا کس مد میں پکایا جاتا ہے تو اس کی چار وجوہات سامنے آئیں۔ جس سے یہ پتہ چلا کہ ان حلوا پکانے والوں میں سے ہر ایک کا نظریہ جداگانہ ہے۔ اس لیے اس سلسلہ میں کوئی ایک فیصلہ ممکن نہیں۔ اس لیے ہم ذیل میں ہر طبقہ کا نظریہ پیش کرتے ہیں۔

(۱) ایک نظریہ یہ ہے کہ اس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دندان مبارک شہید ہوئے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے حلوا تیار کیا گیا تھا۔ اس لیے ہم حلوا پکا کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نیاز دیتے ہیں۔ یہ طبقہ حلوا نہ پکانے والوں کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دشمن تصور کرتا ہے۔ عام جہلا کو یہی تصور ہے۔

لیکن ہماری عقل سے یہ بات باہر ہے کہ حلوا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے تیار ہو، اور کھا جائیں خود یا دوست احباب، پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک کیسے پہنچا اور پکاتے وقت اس بات کا بھی احساس نہ ہو کہ جس مال سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے حلوا تیار کیا جا رہا ہے، وہ مال حلال ہے یا حرام۔ کیونکہ ہم مشاہدہ کرتے ہیں کہ راشی، سود خور، جواری، بے ایمان، ڈاکو، غاصب اور اسمگلر سب ہی حلوا پکاتے ہیں۔ اگر اس سے غرض نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات کریمہ ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اس سے بدترین کیا مذاق ہوگا کہ جس مال کے کھانے سے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع کیا ہے۔ وہی مال حضور کو پیش کیا جا رہا ہے۔ حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

لا یقبل اللہ صدقۃ من غلول (مسلم ج ۱، ص ۱۱۹)

''اللہ حرام کا صدقہ قبول نہیں فرماتا۔''

اس قسم کے لوگوں کو محب رسول کہنا اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی زبردست توہین ہے۔ اس قسم کے لوگ حضور ﷺ کے بدترین دشمن ہیں۔ اگر حلوا صدقہ کی نیت سے پکایا جاتا ہے، تو اولین عرض تو یہ ہے کہ حضور ﷺ کے لیے صدقہ حلال نہ تھا۔ پھر صدقہ صرف غریبوں کا حق ہوتا ہے۔ نہ کہ برادری اور دوست احباب کا بلکہ کھاتے پیتے لوگوں کے لیے صدقہ کھانا حرام ہے۔ اس طرح سب حرام خوری میں مبتلا ہوئے۔ اور شریعت کا مذاق جداگانہ رہا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلَا تَتَّخِذُوا آيَاتِ اللّٰهِ هُزُوًا﴾ (سورہ بقرۃ:۲۳۱)

''اور اللہ کی آیتوں کو ٹھٹھا نہ بنالو'' (ترجمہ احمد رضا)

ایک عرض یہ بھی ہے کہ جس شخص کے دانت ٹوٹ جاتے ہیں تو جب تک مسوڑھے بھر نہیں جاتے، اس کے لیے کھانا پینا دشوار ہوتا ہے۔ تمہاری منطق کی رو سے ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ کم از کم آٹھ دس روز حلوا پکاتے۔ لیکن تم نے نبی کو بھی ایک دن پر ٹرخا دیا۔ کیا اسی کا نام حب رسول ﷺ ہے؟

یہ بھی تمہیں معلوم ہوگا کہ نبی کریم ﷺ کے سامنے کے دو دانت شہید ہوئے تھے۔ جنہیں ثنایا کہا جاتا ہے۔ اور کھانا سامنے کے دانتوں سے نہیں کھایا جاتا، بلکہ داڑھوں سے کھایا جاتا ہے۔ افسوس کہ تمام زندگی کھاتے گزر گئی۔ لیکن انہیں آج تک یہ بھی خبر نہ ہوئی کہ یہ کون سے دانتوں سے کھا رہے ہیں۔ قربان جائے اس سادگی کے۔

اس کا کیا ثبوت ہے کہ آپ حلوا کھانے کے لیے نبی کریم ﷺ جنت کی نعمتیں چھوڑ کر دنیا میں تشریف لاتے ہیں اور اگر بالفرض ایسا ہوتا بھی ہے تو کیا ہندو پاک اور ایشیا کے اکثر ممالک میں جو حلوا تیار کیا جاتا ہے۔ آپ اکیلے کھا لیتے ہیں۔ اس کے کھانے کے لیے تیس چالیس کروڑ افراد چاہییں غالباً آپ اسی مشکل کا تصور کرتے ہوئے خود ہی ہضم کر لیتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ کے عہد مبارک میں چھلنیوں کا وجود نہ تھا۔ حتیٰ کہ حضرت سہل بن سعد انصاری ؓ کا بیان ہے کہ حضور نے تمام زندگی میں چھنے ہوئے آٹے کی روٹی نہیں دیکھی اور ہوتا یہ تھا کہ جو پتھر پر رگڑ کر ان کا بھوسہ پھونک سے اڑا دیا جاتا۔ جیسا کہ صحیح مسلم میں حضرت

سہلؓ سے مروی ہے۔تو سرزمین عرب میں تو اس وقت تک گندم اور چھلنی کا بھی وجود نہ تھا۔تو یہ سوجی کا حلوہ کہاں سے آ گیا۔ یا حضور نے اسے کسی دوسرے ملک سے درآمد کرایا تھا۔ پھر یہ جمے ہوئے حلوے کیا دانت ٹوٹے ہوئے کھاتے ہیں۔ بریں عقل و دانش بباید گریست۔

یہ بھی یاد رہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دندان مبارک جنگ احد میں شہید ہوئے۔ جو تمام مؤرخین کے نزدیک ۶ رشوال ۳ھ میں واقع ہوئی۔تف ہے ایسی عقل پر کہ دانت تو شوال میں شہید ہوں اور حلوا دس ماہ بیس دن بعد پکایا جائے یا تمہارے کہنے کا مقصود یہ ہے کہ ہم ایک ماہ بیس دن پہلے ہی پکا لیتے ہیں۔اس کا مقصد یہ ہوگا کہ تم پہلے سے اس روز بد کی آرزو کیے بیٹھے تھے۔قرآن نے اس قسم کے لوگوں کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے:

﴿يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ مِنَ الْمَسِ﴾ (سورہ بقرہ:۲۷۵)

''اور وہ جسے آسیب نے چھو کر مخبوط بنا دیا ہو۔'' (ترجمہ احمد رضا)

② دوسرا نظریہ ہے کہ امیر حمزہ کی نیاز دی جاتی ہے۔اگر یہ نیاز ان کی شہادت کے باعث دی جاتی تو وہ بھی ۶ رشوال ۳ھ میں شہید ہوئے۔ پھر اگر یہ نیاز شہادت کے باعث ہے تو پھر ہر شہید کی نیاز دینی ہوگی اور اسلام میں اتنے لاتعداد افراد شہید ہوئے ہیں کہ ان کی نیاز کے لیے پاکستان کا بجٹ ناکافی ہوگا۔اگر آپ یہ فرماتے ہیں کہ ان کی صحابیت کے باعث یہ نیاز دی جاتی ہے۔تو صحابہ کرامؓ ایک لاکھ سے زیادہ تھے۔ان کی شب براءت کی نیاز بھی لازم ہوگی۔اگر آپ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ صحابی ہونا اور شہید ہونا یہ دونوں چیزیں شرط ہیں تو جنگ احد میں ستر صحابہ شہید ہوئے حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ بھی شہید ہوئے کیا آپ ان سب کی نیاز دیتے ہیں۔اگر آپ یہ فرماتے ہیں کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا ہونے کے ناطے ان کی نیاز دیتے ہیں تو حضرت عباسؓ بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا تھے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی نیاز کیوں نہیں دی۔ بلکہ چچا ہونے کے ناطے تو ابولہب کی بھی نیاز ہونی چاہیے تھی۔ہم تو یہ بھی سمجھنے پر مجبور ہوئے ہیں کہ آپ لوگوں کو اپنی ناک بھی پکڑنی نہیں آتی۔دوسرے کی ناک آپ کیا پکڑیں گے۔

③ تیسرا نظریہ، یہ ہے کہ اویس قرنی کی نیاز دی جاتی ہے۔ کیوں کہ انہوں نے جب سنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دندان مبارک شہید ہو گئے تو انہیں یہ معلوم نہ تھا کہ کون سے دندان مبارک شہید ہوئے ہیں اس لیے انہوں نے اپنے تمام دانت توڑ لیے۔ یہ بات جداگانہ کہ اُس دور میں جب کہ نہ ڈینٹسٹ کا کوئی وجود تھا اور نہ ہی زنبور پائی جاتی تھی پورے دانت کیسے توڑے گئے ہونگے؟ ہمیں افسوس صرف اس امر کا ہے کہ یہ کہانی بیان کرنے والوں میں سے کسی نے آج تک اپنا ایک دانت بھی نہیں توڑا۔ جب آپ اس کہانی پر عمل نہیں کرتے تو منکرین کے سامنے یہ کہانی پیش کرنے سے کیا حاصل۔ یہ دعویٰ اور یہ بدعملی آپ کی منافقت کا کھلا ثبوت ہے۔

اویس قرنی کے بارے میں جتنی بھی روایات ملتی ہیں وہ اکثر جھوٹی ہیں۔ بلکہ بعض آئمہ محدثین کو ان کے وجود میں بھی شک ہے، امام مالک اور امام شعبہ سرے سے ان کے وجود کے منکر ہیں۔ بلکہ امام شعبہ تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ میں نے عمرو بن مرہ تابعی سے جو قرن کے باشندہ تھے اور اسی قبیلے سے تعلق رکھتے تھے جس قبیلے کے اویس بیان کیے جاتے ہیں دریافت کیا کہ تمہارے قبیلے میں یہ اویس نامی کون شخص گزرا تھا تو انہوں نے جواب دیا ہمارے قبیلے یا ہماری بستی میں اس نام کا کوئی فرد نہیں گزرا۔ تو اگر یہ حقیقت ہے تو پھر کیا ایک فرضی وجود کی نیاز دی جاتی ہے؟

تاریخی طور پر یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ یمن کا علاقہ ۱۰ھ میں فتح ہوا۔ اگر اویس کا کوئی وجود تھا تو ظاہر ہے کہ وہ ۱۰ھ میں مشرف بااسلام ہوئے ہوں گے۔ جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دندان مبارک ۳ھ میں شہید ہوئے۔ اس طرح یا تو انہوں نے یہ دانت حالت کفر میں توڑے ہیں تو ایک کافر کے فعل سے ہمارا کوئی تعلق نہیں اور اگر حالت اسلام میں توڑے ہیں۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہل یمن کی تعلیم کے لیے اولاً حضرت علیؓ، حضرت ابوموسی اشعریؓ اور معاذ بن جبلؓ کو مامور فرمایا۔ اویس ان حضرات کے ذریعے یہ معلوم کر سکتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کون سے دانت شہید ہوئے ہیں۔ پھر اہل یمن کی اکثریت انہی حضرات کے ہاتھوں پر اسلام لائی اور ان حضرات سے یمن میں تعلیم حاصل کی۔ ان میں اویس کا کوئی ذکر

نہیں۔اگر وہ عمداً ان حضرات کی خدمت میں حاضر نہیں ہوئے تو اس سے زیادہ بدقسمتی کیا ہوگی۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ ایک مشہور صحابی ہیں جو ہمیشہ روزے رکھتے، اور تمام رات تلاوت کلام اللہ کرتے۔لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا:

لم عذبت نفسک (ابوداؤد ج/۱،ص/۳۳۷)

''تو نے اپنی جان کو کیوں عذاب دیا۔''

پھر فرمایا:

ان لنفسک علیک حقاًو لعینیک حقاً(بخاری ج/۱،ص/۳۶۷۔مسلم ج/۱ ص/۳۶۷ ونسائی ج/۱،ص/۲۳۸)

''تجھ پر تیری جان کا بھی حق ہے اور تیری آنکھوں کا بھی حق ہے۔''

یعنی یہ بھی ہر انسان پر لازم ہے کہ وہ اپنی جان اور اپنی آنکھوں کو آرام دے اور انہیں عذاب نہیں دے اور جب شب بیداری اور عبادت کر کے آنکھوں کو عذاب دینا جائز نہیں تو بلا وجہ دانتوں کو عذاب دینا کیسے جائز ہوگا۔حالانکہ عبداللہ بن عمروؓ کا مقصود عبادت تھی عذاب دینا نہ تھا۔لیکن بلا ارادہ آنکھوں کو تکلیف پہنچ رہی تھی۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی ممانعت فرمائی۔

اس صورت میں ارادتاً دانتوں کو عذاب دینا یہ حب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہیں، بلکہ عداوت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔اللہ تعالیٰ ہمیں نادان دوستوں سے محفوظ رکھے۔یہ بھی شریعت کا ایک مسلمہ قانون ہے کہ خودکشی حرام ہے۔جس کی وجہ یہ ہے کہ انسان اپنی جان کا خود مالک نہیں۔بلکہ یہ جان دراصل اللہ کی ملکیت ہے اور خودکشی اللہ کی ملکیت میں دخل اندازی ہے تو جب جان اللہ کی ملکیت ہے اور اسے ضائع کرنا حرام ہے تو اسے کسی صورت میں نقصان پہنچانا بھی حرام ہوگا۔

اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تیری آنکھوں کا تجھ پر حق ہے اور ہر چیز کا حق ادا کیا کر تو دانتوں کا بھی انسان پر حق ہوا۔اسی لیے ان کی صفائی کا حکم دیا۔تو جو شخص اپنی آنکھیں خود ضائع کرتا ہے یا

دانت خود توڑتا ہے تو وہ سزا کا مستحق ہے۔ نہ کہ تعریف کا یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین میں سے کسی نے بھی اپنے دانت نہیں توڑے۔ اویس کے بارے میں یہ کہانی ہمیں آج تک کسی تاریخی کتاب میں نظر نہیں آئی۔ ہاں صوفیاء کی کتابوں میں ضرور نظر آتی ہے۔ مثلاً ''کشف المحجوب'' اور ''تذکرہ اولیاء'' وغیرہ۔ لیکن یہ حضرات تاریخ سے اتنے نابلد ہیں کہ اگر تاریخی غلطیاں پکڑی جائیں تو کئی جلدیں تیار ہو جائیں۔ تصوف کی کتابیں پڑھنے کے بعد یہ محسوس ہوتا ہے کہ تصوّف جہالت کا دوسرا نام ہے۔

④ بعض لوگ صرف رسماً اور دیکھا دیکھی پکاتے ہیں۔ گویا یہ عملی طور پر یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ ہماری حالت بھیڑوں سے کم نہیں۔ لیکن ہم نے ان میں سے آج تک کسی کو کنوئیں میں دیکھا دیکھی گرتے نہیں دیکھا۔ ان کو غرض صرف دکھاوا ہوتی ہے اور ریاکاری اور دکھاوا خود حرام ہے اور اگر یہ مال حرام سے تیار ہوا ہے تو پھر اس پر دو حرمتیں جمع ہوں گی۔ اور سب سے بڑا جرم یہ ہوگا کہ دوسرے جو بری نیت سے یہ کام انجام دے رہے ہیں۔ اس میں عملی طور پر انکی مدد ہو رہی ہے۔ ان میں سے ہر شخص اسکا منتظر رہتا ہے کہ کب دوسرے کے گھر سے حلوا آئے تو اسکے گھر بھیجا جائے اور جس گھر سے حلوا نہ آتا اسے ذلیل تصور کیا جاتا ہے اور جو شخص حلوا واپس کر دیتا ہے اسے اپنا دشمن تصور کیا جاتا ہے۔ یہ لوگ حلوا بھیجتے وقت یہ نہیں دیکھتے کہ کون مستحق ہے بلکہ یہ بھی اپنی برادری اور دوست احباب کو پیش نظر رکھتے ہیں اور ہر ایک کے گھر حلوے کا تبادلہ ہوتا رہتا ہے۔ اس طبقہ فکر کے لوگوں کا مقصود دین نہیں ہوتا صرف دنیاداری اور دکھاوا مقصود ہوتا ہے۔ تعلیم یافتہ طبقہ اکثر اسی مرض میں مبتلا ہے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ہر مرض سے محفوظ رکھیں آمین۔

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

حبیب الرحمان کاندھلوی۔ جولائی ۱۹۸۲ء